اُردو کا کلاسیکی ادب

اُصولِ فارسی

از

مولانا الطاف حسین حالی

مرتّب

احمد رضا

مجلسِ ترقّیِ ادب ○ لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

اردو کا کلاسیکی ادب

اُصولِ فارسی

از

مولانا الطاف حسین حالی

مرتب

احمد رضا

ناشر

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

اُردو کا کلاسیکی اَدب

اُصولِ فارسی

از

مولانا الطاف حُسین حالی

مرتب

احمد رضا

مجلسِ ترقیِ اَدب، 2۔کلب روڈ، لاہور

فون : 042-36368218,36370990
فیکس : 042-36368217
ای۔میل : majlis_ta@yahoo.com

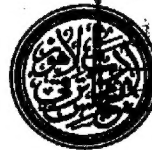
اُصولِ فارسی ۔از: مولانا الطاف حُسین حالی، مرتب: احمد رضا

اشاعتِ اوّل: ستمبر 2009ء/شوال 1430ھ ۔تعداد 600

ناشر : شہزاد احمد
ناظم مجلسِ ترقّیِ ادب، لاہور

مطبع : علی پرنٹرز، 19۔اے ایبٹ روڈ، لاہور

قیمت : 300 روپے



یہ کتاب محکمہ اطلاعات وثقافت وامورِ نوجوانان، حکومتِ پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی

فہرست[1]

۱۔ یہ فہرست اصل مخطوطے میں شامل نہیں تھی۔ اضافۂ مرتب ہے (احمد رضا)

دوسرا حصّہ

علمِ نحو کے بیان میں

تیسرا حصّہ

علمِ معانی کے بیان میں

چوتھا حصّہ

علمِ بیان میں

پانچواں حصّہ

علمِ بدیع کے بیان میں

پیش گُفتار

مولانا الطاف حُسین حالی کی ذاتِ گرامی کسی تعارُف کی محتاج نہیں، اُن کی یہ تصنیف ''اصولِ فارسی'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک بے مثال کتاب ہے، جس شرح وبسط سے انھوں نے فارسی زبان کی صَرف ونحو اور علمِ معانی، بیان وبدیع کو بیان کیا ہے اور جس طرح اساتذۂ فارسی کے کلام سے مثالیں لاکر اپنے دلائل کو مرصّع اور منظّم انداز میں پیش کیا، اِس سے فارسی زبان پر اُن کی مکمل دسترس کا اندازہ بہ خوبی کیا جاسکتا ہے۔

میری معلومات کے مطابق اب تک یہ کتاب کم ازکم پاکستان میں شائع نہیں ہوئی۔ سب سے پہلے اس مخطوطے کا تعارف مولانا محمد اسماعیل پانی پتی نے ایک مضمون کی صورت میں ماہ نامہ ''نقوش'' میں اکتوبر-نومبر ۱۹۵۳ء (شمارہ ۳۵-۳۶) میں کرایا تھا۔ مولانا اسماعیل چوں کہ مولانا حالی کے کتاب خانے کے کتاب دار تھے لہٰذا وہ حالی مرحوم کے کُتب خانے میں موجود تمام کتابوں اور مخطوطات سے آگاہ تھے۔ ''نقوش'' کے اس مضمون کے بعد مولانا اسماعیل نے مجلسِ ترقّیِ اَدب لاہور کے لیے حالی مرحوم کی نثری تحریروں کا ایک مجموعہ ۱۹۶۷ء میں ''کلیاتِ نثرِ حالی'' کے نام سے مرتب کیا تو اُس میں بھی اُصولِ فارسی کے تعارف کے لیے ''نقوش'' کے مذکورہ مضمون کو مناسب قطع و برید کے بعد شامل کرلیا (صفحہ ۴۴۰)۔

مولانا حالی نے اس کتاب کی نمایاں ترین خصوصیت یہ بتائی ہے کہ سابقہ کتابوں کے برعکس ''اُصولِ فارسی'' میں علمِ صَرف ونحو کو دو جُدا جُدا حِصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس سے پہلے جو کتابیں فارسی زُبان کے اُصول وقواعد کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں، ان میں صَرف اور نحو کو باہم مخلُوط کردیا گیا ہے چناں چہ صَرف کے مسائل کو نحو کے مسائل سے الگ نہیں پہچانا جاسکتا۔

کتاب لکھنے کی تحریک مولانا حالی کو یوں ہوئی کہ اُنیسویں صدی کے وسط میں انگریزوں نے ہندوستان میں لکھی اور بولی جانے والی زُبانوں کے اُصول وقواعد منظّم انداز میں سکولوں میں پڑھانے

کے لیے ہر زُبان کے جاننے والوں کو دعوت دی تھی کہ وہ متعلقہ زُبان کے قواعد مرتب کریں جو کتابیں حکومت کے لیے قابلِ قبول ہوں گی اُن پر انعام دیا جائے گا اور انھیں سکولوں کے نصاب میں شامل کرلیا جائے گا چناں چہ حکومتِ پنجاب نے بھی اُصولِ فارسی مرتب کرنے کی دعوت دی۔ مولانا خود اُصولِ فارسی میں لکھتے ہیں:

''ہماری گورنمنٹ کی ہمتِ عالی اس بات میں بہت مصروف ہے کہ جو زُبانیں ہندوستان میں رائج ہیں یا جن زبانوں کی کتابیں ہندوستانیوں کی درس وتدریس میں مستعمل ہیں، ان کی اصلاح بہ خوبی کی جائے اور ان کے اُصول وقواعد ایسے طور پر لکھے جائیں کہ ہر مُبتدی بہ ادنیٰ توجہ ان قاعدوں کے ذریعے سے اُن زُبانوں میں تقریر اور تحریر کا سلیقہ پیدا کر سکے اور ایک اشتہار جو گورنمنٹ پنجاب دام اقبال نے سنہ ۱۹۶۸ عیسوی میں بہ وعدۂ انعام جاری فرمایا ہے، اس کا عمدہ مطلب یہ ہے کہ زُبان فارسی کے اُصول اُردو زُبان میں بہ عبارت روشن واضح بیان کیے جائیں''۔

مولانا حالی نے انتہائی دیدہ ریزی سے یہ کتاب لکھی ہے مگر یہ نصاب کا حصّہ بن سکی اور نہ ہی چھپ سکی۔ اس کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے کہ اس کتاب میں قواعدِ زبانِ فارسی کو اس قدر باریک بینی اور تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ انگریزوں کے نزدیک انھیں سکولوں میں پڑھانا اور نصاب میں شامل کرنا ممکن نہ سمجھا گیا ہوگا۔

فارسی زبان کے سلسلے میں مولانا کے تبحرِ علمی اور جزئیات نگاری کا یہ عالم ہے کہ صرف حروفِ تہجی (الف سے لے کر 'ی' تک) کی بحث اصل متن کے چالیس صفحات تک پھیلی ہوئی ہے۔ حرف الف کو چار صفحات میں بیان کیا گیا ہے اور اس استعمال کے ایسے ایسے مواقع کا بیان کیا گیا ہے کہ صرف فارسی زبان کے محققین و متخصصین ہی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ سکولوں کے مبتدی اور کالجوں کے طلبہ کے لیے اس کی افادیت متنازع سمجھی گئی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عالمانہ کتاب کو غالباً نہ تو انعام مل سکا اور نہ ہی یہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوسکی۔

''اُصولِ فارسی'' کے دو نسخے اب تک دریافت ہوسکے ہیں۔ ایک کا تعارف تو مولانا محمد اسماعیل پانی پتی مرحوم نے اپنے ''نقوش'' والے مضمون میں کرایا ہے اور ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اور یہ غالباً وہی نسخہ ہے جو انعامی مقابلے میں شمولیت کے لیے حکومتِ پنجاب

کے محکمہ تعلیم میں جمع کرایا گیا تھا اور بعدازاں یہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شعبہ مخطوطات میں بھیج دیا گیا ہوگا۔

۱۹۷۰ء کی دہائی کے اوائل میں پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم نے مجلسِ ترقی اَدب لاہور کی نظامت کے فرائض سنبھالے۔ اس سے پہلے وہ پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہ چکے تھے۔ انھوں نے یقینی طور پر ''اُصُولِ فارسی'' کا مخطوطہ یونیورسٹی لائبریری کی فہرستِ مخطوطات میں دیکھا ہوگا اور حسبِ موقع اس کتاب کی اشاعت کا فیصلہ کر چکے ہوں گے چناں چہ جب مجلس کے ناظم مقرر ہوئے تو اس مخطوطے کی ایک فوٹو کاپی انھوں نے یونیورسٹی لائبریری سے حاصل کی اور ایک پڑھے لکھے صاحب کو (جنھوں نے نقل کے اختتام پر اپنا نام ''عاصی'' لکھا ہے) اس کی نقل پر مامور کر دیا۔ یہ نقل راقم الحروف کی مجلس میں موجودگی کے دوران تیار ہوئی۔

مولانا محمد اسماعیل پانی پتی مرحوم نے ''اُصُولِ فارسی'' کے جس مخطوطے کا تعارف مجلّہ ''نقوش'' میں کرایا تھا اس میں اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ نسخے کے بعض کوائف میں اختلاف ہے۔ پانی پتی صاحب نے یہ نسخہ مولانا حالی کے کتب خانے میں تقسیمِ ہند سے بہت پہلے ۱۹۱۸ء میں دیکھا تھا اور ''اس کا دیباچہ اور عنوانات و مندرجات کتاب کی فہرست نقل کر کے اس پر مضمون لکھا تھا''۔ یہ مضمون بعینہٖ اس مقدمے کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اس مضمون میں مولانا نے کتاب کی ترتیب، مندرجات اور طرزِ املا وغیرہ کے سلسلے میں جو معلومات بہم پہنچائی ہیں وہ نسخۂ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بارے میں بھی مضمون واحد کی حیثیت رکھتی ہیں، یعنی دونوں نسخوں کی ترتیب اور طرزِ املا بالکل ایک جیسا ہے۔ صفحاتِ متن کی تعداد اور کاغذ کے سائز میں البتہ فرق ہے مثلاً پانی پتی صاحب والے نسخے کا کاغذ فل سکیپ سائز کا ہے اور مخطوطے کے کل صفحات ۲۵۹ ہیں جب کہ یونیورسٹی والے نسخے کا سائز چھوٹا ہے اور مخطوطے کے کل صفحات ۳۸۱ ہیں۔ فی صفحہ سطروں کی تعداد دونوں نسخوں میں ۱۵ ہے اور فی سطر الفاظ کی تعداد بھی کم و بیش برابر ہے۔

پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ بھی بالکل صاف سُتھرا لکھا ہوا ہے اور کہیں کہیں اس کے حاشیے پر ایسے الفاظ اور عبارات بھی ملتی ہیں جو متن میں لکھنے سے رہ گئی تھیں۔

مجلسِ ترقی اَدب لاہور نے یونیورسٹی کے جس مخطوطے کی فوٹو گرافک نقل حاصل کی تھی اُس کی زمین سیاہ ہے اور الفاظ سفید ہیں۔ ۱۹۷۰ء میں غالباً جدید فوٹو سٹیٹ مشین یونیورسٹی میں نہیں تھی۔ یہ

نقل مجلسِ ترقّیِ اَدب کی لائبریری میں محفوظ کر لی گئی ہے۔

مجلس کے سابق ناظم پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم نے اس کتاب کی نقل حاصل کرنے کے لیے بہت مستعدی سے کام لیا تھا کیوں کہ وہ اس کو جلد از جلد شائع کرنا چاہتے تھے لیکن جب کتاب کی نقل تیار ہوگئی تو نہ معلوم وجوہ کی بنا پر بورڈ نے اس کی اشاعت روک دی اور پھر سال ہا سال تک یہ نقل مجلس کے ذخیرۂ مسودات میں پڑی رہی یہاں تک کہ پروفیسر صاحب کا انتقال ہوگیا اور یہ مسودہ طاقِ نسیاں کی زینت بن گیا۔

پروفیسر حمید احمد خاں مرحوم کے بعد احمد ندیم صاحب اس ادارے کے ناظم مقرر ہوئے تو وہ بھی اس کتاب کو شائع کرنا چاہتے تھے مگر بورڈ اور ادبی کمیٹی کے اہلِ علم کا خیال تھا کہ اس کتاب کی علمی اور کلاسیکی حیثیت تو مسلّم ہے لیکن ایک عام قاری کے لیے اس کی افادیت محلِ نظر ہے۔

جولائی ۲۰۰۶ میں احمد ندیم قاسمی کی وفات کے بعد جناب شہزاد احمد مجلس کے ناظم مقرر ہوئے تو انھوں نے اس کتاب کی اشاعت کو یقینی بنایا اور راقم الحروف کو اس کی ترتیب و تدوین کا کام سونپ دیا۔

اِس کتاب کی ترتیب کا کام اس لحاظ سے نہایت مشکل تھا کہ اگر چہ مولانا نے کتاب کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے مختلف ابواب میں اس کو بانٹ دیا تھا جو یقیناً ایک نئی بات تھی اور اس سے ترتیبِ کُتُب کا ایک نیا رُجحان سامنے آتا ہے۔ کتاب کے متن میں تو حصص اور ابواب کی تخصیص کی گئی ہے لیکن ان حصوں اور ابواب کو کہیں بھی نئے صفحات سے شروع نہیں کیا گیا۔ ایک مسلسل عبارت ہے جس کے اندر حصے بھی آ گئے اور ابواب بھی۔ ان میں سے کسی کو نئے صفحے سے شروع نہیں کیا گیا۔ متن میں سینکڑوں اشعار اور فارسی عبارت کو بہ طورِ نظیر پیش کیا گیا ہے مگر نہ تو عبارتوں کو نمایاں کیا گیا ہے اور نہ ہی اشعار اور مصرعوں کو الگ سطور میں جگہ دی گئی ہے لہٰذا اشعار کو نثر سے الگ کرنا ایک جان جوکھوں کا کام تھا۔ آخر میں جناب شہزاد احمد ناظمِ مجلس کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔

مولانا اسماعیل پانی پتی کا مضمونِ ذیل میں پیش خدمت ہے(۱):

(۱) مجلّہ نقوش (لاہور) شمارہ ۳۵، ۳۶ (اکتوبر نومبر ۱۹۵۳ء)
مدیر: محمد طفیل۔

مولانا حالؔی کی ایک بے نظیر غیر مطبوعہ کتاب

اُصولِ فارسی

(پیش کردہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

حضرت شمس العلما مولانا الطاف حسینؒ حالؔی پانی پتی کے بہت سے نادر و نایاب تبرکات میں نے عرصہ دراز کی تلاش و جستجو کے بعد فراہم اور مہیا کیے تھے، جن میں سے بہت کافی حصّہ تو ۱۹۴۷ء کی قیامت خیز آندھی اور ہلاکت آفریں طوفان کی نذر ہو گیا جو بہت ہی تھوڑا سا حصّہ میرے لڑکے محمدؐ احمد اور مبارک محمود پانی پت سے بہ مشکل بچا کر لے آئے تھے۔ اُس میں سے ایک نہایت دل چسپ مضمون ''تذکرۂ رحمانیہ'' کے عنوان سے ''نقوش'' کے پنج سالہ نمبر میں ہدیۂ ناظرین کر چکا ہوں۔ مکرمی محمد طفیل صاحب مدیر نقوش کے اصرار پر آج حضرت مولانا مرحوم کا ایک اور علمی تبرک قارئینِ نقوش کی خدمتِ عالی میں پیش کر رہا ہوں۔ مولانا نے آج سے ۸۵ برس پہلے ۱۸۶۸ء میں اُصولِ فارسی کے نام سے فارسی صرف و نحو کے متعلق ایک بسیط اور مفصّل کتاب اُردو میں لکھی تھی جو نہ مولانا کی زندگی میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اور نہ مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے گرامی قدر فرزند حضرت خواجہ سجاد حسین صاحب نے اُس کی طباعت کا خیال فرمایا اور وہ اُن کے ذاتی کتب خانہ میں اُن کے محترم والد کی دوسری نایاب کتابوں کے ساتھ محفوظ رہی۔ ۱۹۴۶ء میں اُن کا بھی انتقال ہو گیا چوں کہ حضرت خواجہ صاحب مرحوم کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ اس لیے مکان بند پڑا رہا اور یہ علمی تبرکات الماریوں میں مقفل رہے۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں پتا نہیں کہ مکان مذکور لُٹ گیا یا محفوظ رہا اور ان تبرکات کا کیا حشر ہوا؟ اور یہ نایاب کتاب اِس وقت کہاں ہے اور کس کے پاس ہے؟

میں نے ۱۹۱۸ء میں حضرت خواجہ سجاد حسین صاحب کی لائبریری سے لے کر اس قلمی کتاب کا دیباچہ اور عنوانات و مندرجاتِ کتاب کی فہرست نقل کی تھی جو آج پہلی مرتبہ ناظرین نقوش کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے مکرمی و محبّی محمد طفیل صاحب کے

حوالے کر رہا ہوں۔ تمام کتاب حضرت مولانا حالیؔ کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ تحریر بہت خوش خط اور صاف ہے۔ بین السطور کھُلا کھُلا ہے۔ فی صفحہ ۱۵ سطریں ہیں اور فی سطر چودہ یا پندرہ لفظ ہیں۔ کتاب کا سائز فل سکیپ ہے اور کتاب میں کہیں داغ دھبہ نہیں، البتہ کاغذ مَیلا ہو گیا ہے اور کتاب کو مع جلد کے کیڑے نے جگہ جگہ سے کھا لیا ہے۔ جلد بہت بوسیدہ ہے۔ کتاب کی تمہید ۹ صفحات میں آئی ہے۔ اُس کے بعد علمِ صَرف کا حِصّہ ۱۲۴ صفحات میں مولانا نے لکھا ہے۔ بعد از علمِ نحو کا بیان ۱۲۶ صفحات میں ہے۔ یعنی کل کتاب کے (۹+۱۲۴+۱۲۶) = ۲۵۹ صفحات ہیں۔ تمام کتاب کالی سیاہی اور نیزے کے قلم سے لکھی ہوئی ہے۔

اس کتاب کا تعارف ناظرین کرام سے کراتے ہوئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ چوں کہ کتابِ مذکور آج سے قریباً سو ۱۰۰ برس پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا آج کل کے رسم الخط میں اور اُس وقت کی طرزِ کتابت میں کچھ فرق ہے۔ مثلاً کتابِ مذکور کے مسوّدہ میں:۔

(۱) ہر جگہ بجائے ''چوں کہ'' کے ''جو کہ'' لکھا ہے۔

(۲) ساری کتاب میں کہیں ڈیش نہیں اور نہ الگ الگ پیرے ہیں بل کہ مضمون مسلسل چلا گیا ہے۔ جہاں مولانا کو نیا فقرہ شروع کرنا ہو۔ وہاں علامت (......) بنا دیتے ہیں مگر یہ علامت کتابِ مذکور میں اکثر جگہ بغیر نئے فقرہ کے بعض الفاظ پر لکھی ہوئی ہے۔

(۳) ''اُنکی۔ اُسکی۔ اُس۔ اُن'' وغیرہ الفاظ کو بالعموم اس طرح لکھا ہے ''اونکی۔ اوسکی۔ اون'' وغیرہ۔

(۴) تمام کتاب میں نُون غُنّہ کا استعمال کہیں نہیں کیا گیا۔ ہر جگہ پُوران لکھا ہے مثلاً ''ہیں۔ زبانیں۔ نہیں'' وغیرہ کو ہمیشہ ہین۔ زبانین نہین لکھا ہے۔ یعنی لفظ نُون میں نقطہ ضرور دیا ہے۔

(۵) جہاں جہاں کتاب میں ''ٹ'' آئی ہے اُس کو ہمیشہ اس طرح لکھا ہے ''ٹ''

(۶) یائے مجہول کو بالعموم یائے معروف لکھا مثلاً ''نے۔ جتنے۔ ہے'' کو ''نی۔ جتنی۔ ہی'' تحریر کیا ہے۔

(۷) حرف گ کو ساری کتاب میں ک کی طرح لکھا ہے مثلاً اگر کو اکر۔ گورنمنٹ کو کورنمنٹ لکھا ہے۔

(۸) پیچھے۔لکھی''وغیرہ الفاظ کو ہمیشہ پیچھے۔لکہی''وغیرہ لکھا ہے۔صرف ایک جگہ''پارسی کہلانے لگی کی بجائے''پارسی کھلانے لگی'' لکھا ہے۔

(۹) ساری کتاب میں مجھے کہیں اضافت کی علامت یعنی زیر نظر نہیں آیا۔ میں زیرِ نظر پیش کش میں مولانا کی اس تحریر کو بعینہٖ اُسی شکل میں ہدیۂ ناظرین کررہا ہوں جس رسم الخط کے ساتھ مولانا نے اُسے اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا تاکہ آج سے قریباً سو برس پہلے کی طرزِ کتابت سے بھی قارئین کرام روشناس ہوسکیں۔ وھو ہذا:

(محمد اسماعیل پانی پتی)

***

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید مطالبِ کتاب

خدا تعالیٰ نے جس طرح ہر ملک اور ہر ولایت مین نئی صورت اور نئی وضع اور نئے ڈہنگ کے آدمی بنائے اس طرح ہر ملک کے آدمیوں کو نئی بولی اور نئی زبان عنایت کی دیکھو عرب کی زبان اور ہے عجم کی زبان اور ہندوستان کی زبان ان دونوں سے جدا ہے انگلستان کی زبان تینوں زبانوں سے نہیں ملتی اسی طرح جتنی ملک ہین اُتنی ہی بولیاں ہیں اور ظاہر ہی کہ آدمی مدنی الطبع یعنی ہر کام مین آدمیوں سے میل جول اور لین دین کرنے کا محتاج ہے اور یہہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے معاملات کا مدار زبان کے سمجھنے اور سمجھانے پر ہی پس آدمی جس قدر زیادہ زبانیں جانتا ہوگا اوسے قدر اوس کے معاملات آسانی سے انجام ہون گے اور زبان کا جاننا ایک تو یہہ ہے کہ انسان جس ملک مین پیدا ہوا، اوس ملک کی بولی اول اپنے مان باپ اور ناتے رشتے والون سے اور پہر ہر ایک زبان کی سے

سنتے سنتے جان لیا اور ضرورت کے وقت اپنے دل کے مطلب اوس بولی مین ادا کرنے لگا اور دوسرے یہہ کہ اوس زبان مین جو خواص کا محاورہ اور بول چال ہے اوس کے موافق تقریر اور تحریر کر سکے سو یہہ بات بدون اس کے حاصل نہین ہوسکتی کہ اہل زبان نے جو اصول اور قواعد اوس زبان کے تہذیب اور اصلاح کے لیے مقرر کیے ہین اون سے واقف ہو اور اگر بالفرض اپنی زبان کی تقریر اور تحریر مین اون اصول وقواعد کے جاننے کا محتاج نہین تو اس مین کچھ شک نہین کہ دوسرے ملک کی زبان بدون واقفیت اصول کے ہرگز نہین آسکتی جو کہ ہماری گورنمنٹ کی ہمت عالی اس بات مین بہت مصروف ہے کہ جو زبانین ہندوستان مین رائج ہین یا جن زبانون کی کتابین ہندوستانیوں کی درس و تدریس مین مستعمل ہین اون کی اصلاح بہ خوبی کی جائے اور اون کے اصول اور قواعد ایسے طور پر لکھے جائین کہ ہر مبتدی بہ ادنی توجہ ان قاعدون کے ذریعے سے اون زبانون مین تقریر اور تحریر کا سلیقہ پیدا کر سکے اور ایک اشتہار جو گورنمنٹ پنجاب دام اقبالہٗ نے ۱۸۶۸عیسوی مین بہ وعدہ انعام جاری فرمایا ہے اوس کا عمدہ مطلب یہہ ہے کہ زبان فارسی کے اُصول اُردو زبان مین بہ عبارت روشن وواضح بیان کیے جائین اس لیے خاکسار ہیچ دان الطاف حسین انصاری پانی پتی خداتعالیٰ کے بھروسے پر اس امر کا متعدی ہُوا ہر چند مجھ کو اپنی بے بضاعتی اور ہیچ مدانی سے توقع نہین کہ میری تالیف حضور گورنمنٹ دام اقبالہ مین پسندیدہ اور مقبول ٹھہرے لیکن اس رسالہ مین چند خصوصیتین ایسی ہین کہ اُصولِ فارسی کے اگلی کتابون مین سے کسی خاص کتاب مین شاید نہ پائے جائین ایک یہہ کہ اگلی کتابون مین لوگون نے جو زبانِ فارسی کے قاعدے لکھے ہین ان مین صرف ونحو کے اُصول کو باہم ایسا مخلوط کیا ہے کہ صرف کے مسائل سے ہرگز ممتاز نہین ہوسکتے بل کہ یہہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف ونحو ایک ہے فن کا نام ہی حالان کہ صرف ایک جدا فن ہی نحو جدا فن صرف مین مثلاً ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلا جانا .ور مصدر کے حقیقہ اور مصدروں کے وزن اور فعلوں کی قسمین اور

اشتقاق کی کیفیت اور ابدال و اسکان و تحریک و قلب و حذف و اشباع و ادغام و تخفیف و اشباع و امالہ کی بحث اور اسمون کے تغیرات لفظی کا بیان کیا جاتا ہے اور نحو مین مثلاً کلمون کی ترکیب دینے کا دستور اور اجزای کلمہ کے حالات اور اسناد اور اضافت وصف وعطف و تاکید و بدل و مبتدا و خبر و فعل و فاعل و نائب فاعل و مفعول و مستثنی و تاکید و ترکیب ناقص و ترکیب تام اور حرفون کے استعمالات معنوی کا بیان کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہہ دونون بحثین جدا جدا بیان کرنی منفعت سے خالی نہین سو اس کتاب مین صرف کی بحث نحو کے فن سے بالکل جدا ہے۔

دوسرے اگلی کتابون کی ترتیب مفید نہین یعنی جو باتین پہلے لکھنے کی ہین وہ ان مین پیچھے لکھی گئین اور جو پیچھے لکھنے کی ہین وہ پہلے لکھی گئین اور ظاہر ہے کہ حسن ترتیب کو مطالب کے دل نشین کرنے مین بڑا دخل ہے سو اس رسالے مین رعایت ترتیب کی بہت ملحوظ رہی ہے۔

تیسرے اُصُولِ فارسی کی اگلی کتابین جو رائج ہین ان مین نحو کے اکثر مطالب نہین بیان کیے گئے اور خاکسار نے حتی الوسع مطالب نحو کو جمع کرنے مین قصور نہین کیا۔

چوتھے اُصُول کا لفظ کئی فنون کو شامل ہے صرف نحو معانی بدیع سو جب تک کتاب مین یہہ سب فنون بیان نہ کئے جائین کتاب ناتمام ہے حالانکہ اگلی کتابون مین کوئی رسالہ ایسا نہین دیکھا گیا جو ان پانچون فنون کو شامل ہو اور رسالہ عبدالواسع ہانسوی اور شجرۃ الامانی اور نہر الفصاحت وغیرہ مین جو ان فنون کا کچھہ کچھہ ذکر ہے وہ کافی نہین اس رسالہ مین یہہ پانچون فن اپنے نزدیک اچھی طرح بیان کئے گئے ہین ہان مگر جو باتین ضروری نہین سمجھین یا جن کا بیان کرنا اُلجھاؤ سے خالی نہ تھا اور مبتدیون کا فہم اون کے سمجھنے سے قاصر سمجھا گیا وہ باتین البتہ چھوڑ دی گئین۔

پانچوین اکثر استادون کے شعر جو بطور سند کے لائے جاتے ہین

بعضے ان مین سے دقیق ہوتے ہین اوران کے سمجھے بغیر قاعدہ طالب علم کے سمجھہ مین نہین آتا سو خاکسار نے ایسے شعرون کا ترجمہ کر کے اوس کا مطلب روشن اور واضح کر دیا ہے۔

چھٹے ہر فن کے آخر مین تھوڑے تھوڑے سوال اُسی فن کے لکھ دیئے ہین اور اون کا جواب نہین لکھا تا کہ پڑھنے والون کو اون کے دیکھنے سے بصیرت حاصل ہو، اون کے امتحان مین بھی کام آئیں۔

اگر چہ مین خوشہ چین انہین بزرگون کا ہون اور اون کے تالیفین اور تصنیفین نہ ہوتین تو بے شک مجھ کو کتاب لکھنی بہت دشوار ہوتی بل کہ شاید نہ لکھہ سکتا لیکن دستور یہہ ہے کہ جس کام کی طرف سلطان وقت کی توجہ ہوتی ہے وہ کام حد کمال کو پہنچتا ہے اور جو بات کوئی اہلِ علم اپنے دل کی اُپج' سے کرتا ہے اوس مین کچھ نہ کچھ نقصان رہ جاتا ہے ظاہر ہے۔

کہ گورنمنٹ کے امتثال امر کے لیے جو اوس زمانے مین لوگ سعی و کوشش کریں گے اور کرتے ہین وہ اگلون نے کاہے کو کی ہو کیون کہ سلاطینِ ماضیہ نے اُصولِ فارسی کی تہذیب کی طرف بہت توجہ نہین کی۔

تنبیہہ پارس جو ایک ولایت کا نام ہی سو وہ پارس بن پہلو بن سام نوحؑ کی آباد کی ہوئی ہے، اس سبب سے اوس کو پارس کہتے ہین جو زبان کہ اوس ملک مین رائج ہوئی وہ پارسی کہلانے لگی اور اوسی کو فارسی کہتے ہین فارسی زبان کی کئی قسمین ہین دری پہلوی پارسی ہروی سکری زاولی سُغدی۔ دری کو بعضے کہتے ہین کہ بہمن اسفندریار کے درباریوں کی زبان ہے اور بعضے کہتے ہین کہ کیانیون کے دربار مین بولی جاتی تھی اور بعضون کے نزدیک دری وہ زبان ہے جو درہ کوہ کے رہنے والے بولتے تھے اس مین کسی غیر زبان کا ملاؤ نہ تھا بہرحال یہہ زبان بہت فصیح گنی جاتی تھی پارسی اس زبان کو کہتے ہین جو خاص بلاد پارس مین رائج تھے پہلوی کو بعضے کہتے ہین کہ ولایت رَیے اور اصفہان اور ہمدان اور دینور اور ان کے مضافات کی

زبان تھی اور جو کہ اس ملک کو پہلو کہتے ہین اس لیے وہاں کی زبان کو پہلوی کہنے لگے اور بعضے کہتے ہین کہ پہلو پارس بن سام بن نوح کے باپ کا نام تھا یہہ زبان اُس کی طرف منسوب ہے بہ ہر حال یہہ تینوں زبانیں رائج اور مستعمل رہین اور باقی چار زبانین ترک کی گئین جب سے عجم مین اہلِ اسلام کی عمل داری آئی عربی زبان کے لغت فارسی مین مخلوط ہوکر ایک نئی زبان بن گئی جیسے ہندوستان کی قدیم زبان فارسی اور عربی کے ملنے سے بالکل بدل گئی۔

اب جاننا چاہیے کہ فارسی زبان کی ایسی معرفت جس سے آدمی فصحای اہلِ زبان کے طور پر تقریر اور تحریر کر سکے اور کلموں کے استعمال کرنے مین اور کلام کے ترکیب دینے مین غلطیون سے محفوظ رہ سکے کئی باتون کے جاننے پر موقوف ہے اول لغت اور اصطلاحین اور محاورے دوسرے اشتقاق اور تصریف کے اصول تیسرے نظم کلام کا دستور چوتھے بحسب مقتضای حالن کفت کو کرنے کا طریقہ پانچوین ایک مطلب کو نئے نئے اسلوب سے ادا کرنے کے قاعدے چھٹے یہہ بات کہ بعد رعایت فصاحت و بلاغت کے کلام مین کن باتوں سے حسن وخوبی زیادہ ہوجاتے ہیں۔

ان مین سے پہلی بات برہانِ قاطع اور فرہنگ جہانگیری اور فرہنگ رشیدی اور فرہنگ سروری اور مدار الا فاضل اور موید الفضلا اور بہارِ عجم اور مصطلحات وارستہ اور سراج اللغتہ اور سوا ان کے اور لغت کی کتابون سے طلب کرنی چاہیے اور باقی پانچ مقدمے اس رسالے مین انشاءاللہ تعالیٰ بہت بسط اور شرح کے ساتھ بیان کیے جائین کے اور اسی واسطے اس کتاب کے پانچ حصے کیے گئے۔

پہلا حصہ علم صرف کے بیان مین
مقدمہ صرف کی اصطلاحون کے بیان مین
پہلا باب حرفون کے بیان مین
دوسرا باب مصدر اور مشتق کے بیان مین
تیسرا باب جامد کے بیان مین
خاتمہ سوالات علم صرف مین

دوسرا حصہ علم نحو کے بیان مین
مقدمہ نحو کے اصطلاحون کے بیان مین
پہلا باب اسمون کے بیان مین
دوسرا باب فعلون کے بیان مین
تیسرا باب حرفون کے بیان مین
چوتھا باب مرکب ناقص کے بیان مین
پانچوان باب مرکب تام کے بیان مین
خاتمہ سوالات علم نحو مین

تیسرا حصہ علم معانی کے بیان مین
مقدمہ علم معانی کی اصطلاحون کے بیان مین
پہلا باب اسناد خبری کے بیان مین
دوسرا باب مسند الیہ کے بیان مین
تیسرا باب مسند کے بیان مین
چوتھا باب فعل کے متعلقات کے بیان مین
پانچوان باب قصر کے بیان مین
چھٹا باب انشا کے بیان مین
ساتوان باب فصل ووصل کے بیان مین
آٹھوان باب ایجاز واطناب ومساوات کے بیان مین
خاتمہ علم معانی کے سوالات مین

چوتھا حصہ علم بیان مین
مقدمہ علم بیان کے اصطلاحون بیان مین
پہلا باب تشبیہ کے بیان مین
دوسرا باب استعارہ کے بیان مین
تیسرا باب مجاز مرسل کے بیان مین
چوتھا باب کنایہ کے بیان مین
خاتمہ علم بیان کے سوالات مین

پانچوان حصہ علم بدیع کے بیان مین
مقدمہ علم بدیع کے اصطلاحون کے بیان مین
پہلا باب صنائع معنوی کے بیان مین
دوسرا باب صنائع لفظی کے بیان مین
خاتمہ علم بدیع کے سوالات مین

احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

مطالبِ کتاب

خدا تعالیٰ نے جس طرح ہر ملک اور ہر ولایت میں نئی صورت اور نئی وضع اور نئے ڈھنگ کے آدمی بنائے اسی طرح ہر ملک کے آدمیوں کو نئی بولی اور نئی زبان عنایت کی۔ دیکھو عرب کی زبان اَور ہے، عجم کی زبان اَور، ہندوستان کی زبان ان دونوں سے جدا ہے، انگلستان کی زبان تینوں زبانوں سے نہیں ملتی۔ اسی طرح جتنے ملک ہیں اتنی ہی بولیاں ہیں اور ظاہر ہے کہ آدمی مدنی الطبع یعنی ہر کام میں آدمیوں سے میل جول اور لین دین کرنے کا محتاج ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دنیا کے معاملات کا مدار زبان کے سمجھنے اور سمجھانے پر ہے۔ پس آدمی جس قدر زیادہ زبانیں جانتا ہوگا اسی قدر اس کے معاملات آسانی سے سرانجام ہوں گے۔

زبان کا جاننا ایک تو یہ ہے کہ انسان جس ملک میں پیدا ہوا اُسی ملک کی بولی اوّل اپنے ماں باپ اور ناتے رشتے والوں سے اور پھر ہر ایک کی زبان سے سنتے سنتے جان گیا اور ضرورت کے وقت اپنے دل کے مطلب اُسی بولی میں ادا کرنے لگا۔ اور دوسری یہ کہ اُس زبان میں جو خواص کا محاورہ اور بول چال ہے اُسی کے موافق تقریر اور تحریر کر سکے۔ سو یہ بات بدون اس کے حاصل نہیں ہوسکتی کہ اہلِ زبان نے جو اصول اور قواعد اس زبان کی تہذیب اور اصلاح کے لیے

مقرر کیے ہیں ان سے واقف ہو۔ اور اگر بالفرض اپنی زبان کی تقریر اور تحریر میں اُن اصول و قواعد کے جاننے کا محتاج نہیں تو اس میں کچھ شک نہیں کہ دوسرے ملک کی زبان بدون واقفیتِ اصول کے ہرگز نہیں آ سکتی۔

جو کہ ہماری گورنمنٹ کی ہمتِ عالی اس باب میں بہت مصروف ہے کہ جو زبانیں ہندوستان میں رائج ہیں یا جن زبانوں کی کتابیں ہندوستانیوں کی درس و تدریس میں مستعمل ہیں، ان کی اصلاح بخوبی کی جائے اور ان کے اصول اور قواعد ایسے طور پر لکھے جائیں کہ ہر مبتدی بہ ادنیٰ توجہ اُن قاعدوں کے ذریعے سے اُن زبانوں میں تقریر اور تحریر کا سلیقہ پیدا کر سکے۔ اور ایک اشتہار جو گورنمنٹ پنجاب دام اقبالہ نے ۱۸۶۸ عیسوی میں بوعدۂ انعام جاری فرمایا ہے اُس کا عمدہ مطلب یہ ہے کہ زبان فارسی کے اصول اُردو زبان میں بعبارتِ روشن و واضح بیان کیے جائیں۔ اس لیے خاکسار، ہیچ مداں الطاف حسین انصاری پانی پتی خدا تعالیٰ کے بھروسے پر اس امر کا متصدی ہوا۔

ہر چند مجھ کو اپنی بے بضاعتی اور ہیچمدانی سے توقع نہیں کہ میری تالیف حضور گورنمنٹ دام اقبالہ میں پسندیدہ اور مقبول ٹھہرے لیکن اس رسالے میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں کہ اصولِ فارسی کی اگلی کتابوں میں سے کسی خاص کتاب میں شاید نہ پائی جائیں۔

ایک یہ کہ اگلی کتابوں میں لوگوں نے جو زبان فارسی کے قاعدے لکھے ہیں ان میں صَرف و نحو کے اصول کو باہم ایسا مخلوط کیا ہے کہ صَرف کے مسائل نحو کے مسائل سے ہرگز ممتاز نہیں ہو سکتے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ صَرف و نحو ایک ہی فن کا نام ہے، حالانکہ صَرف ایک جدا فن ہے، نحو جدا فن۔

صَرف میں مثلاً ایک حرف کا دوسرے حرف سے بدلا جانا اور مصدر کی حقیقت اور مصدروں کے وزن اور فعلوں کی قسمیں اور اشتقاق کی کیفیت اور ابدال و اسکان وتحریک و قلب و حذف و اشباع و ادغام و تخفیف و اشباع و امالہ کی بحث اور اسموں کے تغیراتِ لفظی کا بیان کیا جاتا ہے۔

نحو میں مثلاً کلموں کے ترکیب دینے کا دستور اور اجزائے کلمہ کے حالات اور اسناد اور اضافت و وصف و عطف و تاکید و بدل و مبتدا و خبر و فعل و فاعل و نائب فاعل و مفعول اور مستثنیٰ و تاکید و ترکیبِ ناقص و ترکیبِ تام اور حرفوں کے استعمالاتِ معنوی کا بیان کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں بحثیں جدا جدا بیان کرنی منفعت سے خالی نہیں۔ سو اس کتاب میں صَرف کی بحث نحو کے فن سے بالکل جدا ہے۔

دوسری: اگلی کتابوں کی ترتیب مفید نہیں۔ یعنی جو باتیں پہلے لکھنے کی ہیں وہ ان میں پیچھے لکھی گئیں اور جو پیچھے لکھنے کی ہیں، وہ پہلے لکھی گئیں۔ اور ظاہر ہے کہ حسنِ ترتیب کو مطالب کے دل نشیں کرنے میں بڑا دخل ہے۔ سو اس رسالے میں رعایت ترتیب کی بہت ملحوظ رہی ہے۔

تیسری: اصول فارسی کی اگلی کتابیں جو رائج ہیں، اُن میں نحو کے اکثر مطالب نہیں بیان کیے گئے۔ خاکسار نے حتی الوسع مطالب نحو کے جمع کرنے میں قصور نہیں کیا۔

چوتھی: اصول کا لفظ کئی فنون کو شامل ہے: صَرف، نحو، معانی، بیان، بدیع۔ سو جب تک کتاب میں یہ سب فن بیان نہ کیے جائیں، کتاب ناتمام ہے، حالانکہ اگلی کتابوں میں کوئی رسالہ ایسا نہیں دیکھا گیا جو ان پانچوں فنون کو شامل ہو۔

اور رسالہ ''عبدالواسع ہانسوی'' اور ''شجرۃ الامانی'' اور ''نہر الفصاحت'' وغیرہ میں جو اِن فنون کا کچھ کچھ ذکر ہے وہ کافی نہیں۔ اس رسالے میں یہ پانچوں فن اپنے نزدیک اچھی طرح بیان کیے گئے ہیں۔ ہاں مگر جو باتیں ضروری نہیں سمجھیں یا جن کا بیان کرنا الجھاؤ سے خالی نہ تھا اور مبتدیوں کا فہم ان کے سمجھنے سے قاصر سمجھا گیا، وہ باتیں البتہ چھوڑ دی گئیں۔

پانچویں: اکثر اُستادوں کے شعر جو بطور سند لائے جاتے ہیں، بعضے ان میں سے دقیق ہوتے ہیں اور ان کے سمجھے بغیر قاعدہ طالب علم کی سمجھ میں نہیں آتا۔ سو خاکسار نے ایسے شعروں کا ترجمہ کر کے اس کا مطلب روشن اور واضح کر دیا ہے۔

چھٹی: ہر فن کے اخیر میں، تھوڑے تھوڑے سوال اُسی فن کے لکھ دیے ہیں اور ان کا جواب نہیں لکھا تا کہ پڑھنے والوں کو اُن کے دیکھنے سے بصیرت حاصل ہو اور ان کے امتحان میں بھی کام آئیں۔

اگرچہ میں خوشہ چین انھی بزرگوں کا ہوں اور ان کی تالیفیں اور تصنیفیں نہ ہوتیں تو بیشک مجھ کو کتاب لکھنی بہت دشوار ہوتی، بلکہ شاید نہ لکھ سکتا، لیکن دستور یہ ہے کہ جس کام کی طرف سلطانِ وقت کی توجہ ہوتی ہے، وہ کام حد کمال کو پہنچتا ہے اور جو بات کوئی اہل علم اپنے دل کی اُپج سے کرتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ نقصان رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کے امتثال امر کے لیے جو اِس زمانے میں لوگ سعی و کوشش کریں گے اور کرتے ہیں، وہ اگلوں نے کاہے کو کی۔ دِنّ یونکہ

سلاطینِ ماضیہ نے اصولِ فارسی کی تہذیب کی طرف بہت توجہ نہیں کی۔

تنبیہ: پارس جو ایک ولایت کا نام ہے، سو وہ پارس بن پہلو بن سام بن نوح کی آباد کی ہوئی ہے، اس سبب سے اس کو پارس کہتے ہیں۔ جو زبان کہ اُس ملک میں رائج ہوئی وہ پارسی کہلانے لگی اور اسی کو فارسی کہتے ہیں۔

فارسی زبان کی کئی قسمیں ہیں؛ دری، پہلوی، پارسی، ہروی، سکزی، زاولی، سغدی۔

دری کو بعضے کہتے ہیں کہ بہمن اسفندیار کے درباریوں کی زبان ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کیانیوں کے دربار میں بولی جاتی تھی۔ اور بعضوں کے نزدیک دری وہ زبان ہے جو درۂ کوہ کے رہنے والے بولتے تھے۔ اُس میں کسی غیر زبان کا لگاؤ نہ تھا۔ بہرحال یہ زبان بہت فصیح گنی جاتی تھی۔

پارسی اُس زبان کو کہتے ہیں جو خاص بلادِ پارس میں رائج تھی۔

پہلوی کو بعضے کہتے ہیں کہ ولایت رَے اور اصفہان اور سیاہان اور ہمدان اور دینور اور ان کے مضافات کی زبان تھی۔ اور جو کہ اس ملک کو پہلو کہتے ہیں اس لیے وہاں کی زبان کو پہلوی کہنے لگے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ "پہلو" پارس بن سام بن نوح کے باپ کا نام تھا۔ یہ زبان اُسی کی طرف منسوب ہے۔ بہرحال یہ تینوں زبانیں رائج اور مستعمل رہیں اور باقی چار زبانیں ترک کی گئیں۔

جب سے عجم میں اہلِ اسلام کی عمل داری آئی، عربی زبان کی لغت فارسی میں مخلوط ہو کر نئی زبان بن گئی، جیسے ہندوستان کی قدیم زبان فارسی اور عربی کے ملنے سے بالکل بدل گئی۔

اب جاننا چاہیے کہ فارسی زبان کی ایسی معرفت جس سے آدمی فصحائے اہلِ زبان کے طور پر تقریر اور تحریر کر سکے اور کلموں کے استعمال کرنے میں اور کلام کے ترکیب دینے میں غلطیوں سے محفوظ رہ سکے، کئی باتوں کے جاننے پر موقوف ہے: اول لغت اور اصطلاحیں اور محاورے۔ دوسرے اشتقاق اور تصریف کے اصول۔ تیسرے نظمِ کلام کا دستور۔ چوتھے بحسبِ مقتضائے حال گفتگو کرنے کا طریقہ۔ پانچویں ایک مطلب کو نئے نئے اسلوب سے ادا کرنے کے قاعدے۔ چھٹے یہ بات کہ بعد رعایتِ فصاحت و بلاغت کے کلام میں کن باتوں سے حسن و خوبی زیادہ ہو جاتی ہے۔

ان میں سے پہلی بات "برہانِ قاطع" اور "فرہنگِ جہانگیری" اور "فرہنگ رشیدی" و "فرہنگِ سروری" اور "مدار الافاضل" اور "مؤید الفضلا" اور "بہارِ عجم" اور "مصطلحاتِ وارستہ"

اور ''سراج اللغتہ'' اور سوا ان کے اور لغت کی کتابوں سے طلب کرنی چاہیے۔ اور باقی پانچ مقدمے اس رسالے میں انشاءاللہ تعالیٰ بہت بسط اور شرح کے ساتھ بیان کیے جائیں گے۔ اسی واسطے اِس کتاب کے پانچ حصے کیے گئے۔

پہلا حصّہ[1]

علمِ نحو کے بیان میں

مقدمہ: صَرف کی اصطلاحوں کے بیان میں

پہلا باب: حرفوں کے بیان میں

دوسرا باب: مصدر اور مشتق کے بیان میں

تیسرا باب: جامد کے بیان میں

خاتمہ: سوالات علمِ صَرف میں

دوسرا حصّہ

علمِ نحو کے بیان میں

مقدمہ: نحو کی اصطلاحوں کے بیان میں

پہلا باب: اسموں کے بیان میں

دوسرا باب: فعلوں کی بیان میں

تیسرا باب: حرفوں کے بیان میں

چوتھا باب: مرکب ناقص کے بیان میں

پانچواں باب: مرکب تام کے بیان میں

خاتمہ: سوالاتِ علمِ نحو میں

تیسرا حصّہ

علمِ معانی کے بیان میں

مقدمہ: علمِ معانی کی اصطلاحوں کے بیان میں

۱۔ یہ فہرست مخطوطے میں ایک مسلسل عبارت کی شکل میں موجود ہے مگر عنوانات کے سامنے صفحات کے نمبر نہیں ہیں اس لیے شروع میں ایک مفصل فہرست شامل کی گئی ہے۔ (مرتب)

پہلا باب : اسنادِ خبری کے بیان میں
دوسرا باب :مُسند الیہ کے بیان میں
تیسرا باب :مُسند کے بیان میں
چوتھا باب :فعل کے متعلقات کے بیان میں
پانچواں باب : قصر کے بیان میں
چھٹا باب : انشا کے بیان میں
ساتواں باب :فصل اور وصل کے بیان میں
آٹھواں باب : ایجاز و اطناب و مساوات کے بیان میں
خاتمہ :علمِ معانی کے سوالات میں

چوتھا حصّہ
علمِ بیان میں

مقدمہ :علم کی اصطلاحوں کے بیان میں
پہلا باب : تشبیہ کے بیان میں
دوسرا باب : استعارہ کے بیان میں
تیسرا باب : مجازِ مرسل کے بیان میں
چوتھا باب : کنایہ کے بیان میں
خاتمہ :علمِ بیان کے سوالات میں

پانچواں حصّہ
علمِ بدیع کے بیان میں

مقدمہ :علم بدیع کی اصطلاحوں کے بیان میں
پہلا باب : صنائع معنوی کے بیان میں
دوسرا باب : صنائع لفظی کے بیان میں
خاتمہ :علم بدیع کے سوالات میں

پہلا حصّہ

صَرفِ فارسی کے بیان میں

مقدّمہ:

صَرف وہ علم ہے جس سے کلموں کی اصل و بنا اور تصریف اور اشتقاق کی کیفیت اور اسموں اور فعلوں اور حرفوں کے تغیرات لفظی معلوم ہوں۔ تصریف اسم یا فعل کے گردانٹے کو کہتے ہیں؛ جیسے مرد، مرداں، مردم، مردماں، مردک، مردانہ اسم کی تصریف ہے اور کرد، کردند، کردی، کردید، کردم، کردیم فعل کی تصریف ہے۔

اشتقاق: مصدر سے اَور کلمے نکالنے کو کہتے ہیں۔

صیغہ: لفظ کو کہتے ہیں۔

لفظ: وہ جو زبان سے بولا جائے۔

کلمہ: وہ لفظ جو معنی رکھتا ہو جیسے مرد اور کرد اور در۔

مہمل: وہ لفظ جو کچھ معنی نہ رکھتا ہو جیسے جق مق۔

اسم: وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر آپ دلالت کرے اور فاعل بننے کے قابل ہو، جیسے مرد اور زن۔

مصدر: وہ اسم ہے جس سے فعل اور اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول اور صفتِ مشبّہ نکالے جائیں جیسے آمدن اور آوردن۔

متعدی: وہ مصدر ہے جو فاعل ہی پر تمام نہ ہو بلکہ مفعول کو بھی چاہے جیسے کردن اور زدن۔

لازمی: وہ مصدر ہے جو فاعل ہی پر تمام ہو جائے، مفعول کو نہ چاہے جیسے آمدن اور رفتن۔

جامد: وہ اسم ہے جس سے اور کلمے نہ نکالے جائیں جیسے مرد اور درد۔

اشتقاق: مصدر سے اور کلمے نکالنے کو کہتے ہیں، جیسا کہ اوپر کہا گیا۔

مشتق: وہ جو مصدر سے نکالا جائے۔

فعل: وہ کلمۂ مشتق ہے جو اپنے معنی پر آپ دلالت کرے اور فاعل بننے کے قابل نہ ہو اور ماضی یا حال یا استقبال کوئی نہ کوئی زمانہ اس سے سمجھا جائے۔

ماضی: زمانۂ گذشتہ کو کہتے ہیں۔

حال: زمانۂ موجود کو کہتے ہیں۔

مستقبل: زمانۂ آئندہ کو کہتے ہیں۔

فعلِ ماضی: وہ فعل ہے جس سے زمانۂ ماضی سمجھا جائے، جیسے آمد۔

فعلِ حال: وہ فعل ہے جس سے زمانۂ حال سمجھا جائے، جیسے می آید۔

فعلِ مستقبل: وہ فعل ہے جس سے زمانۂ مستقبل سمجھا جائے، جیسے خواہد آمد۔

فعلِ مضارع: وہ فعل ہے جس سے حال اور استقبال دونوں زمانے سمجھے جائیں، جیسے آید۔

امر: وہ فعل ہے جس سے کسی کام کا طلب کرنا سمجھا جائے، جیسے بیا۔

نہی: وہ فعل ہے جس سے کسی بات کو منع کرنا سمجھا جائے، جیسے میا۔

متکلم: فعل کا وہ صیغہ جس کا فاعل نفسِ متکلم ہو جیسے آمدم اور آمدیم۔

حاضر: وہ صیغہ جس کا فاعل نفسِ مخاطب ہو جیسے آمدی اور آمدید۔

غائب: وہ صیغہ جس کا فاعل متکلم اور مخاطب دونوں کے سوا ہو جیسے آمد اور آید۔

مثبت: وہ فعل ہے جو کسی بات کے ہونے یا کرنے پر دلالت کرے، جیسے بیامد اور بیاید۔

منفی: وہ فعل ہے جو کسی بات کے نہ ہونے یا نہ کرنے پر دلالت کرے، جیسے نیامد اور نیاید۔

معروف: وہ فعل ہے جو فاعل کی طرف نسبت کیا جائے جیسے آمد اور آوردہ۔

مجہول: وہ فعل ہے جو مفعول کی طرف نسبت کیا جائے جیسے آوردہ شد اور آوردہ میشود۔

اسم فاعل: وہ کلمۂ مشتق ہے جو فاعل کی ذات پر دلالت کرے جیسے آیندہ اور ارندہ۔
اسم مفعول: وہ کلمۂ مشتق ہے جو مفعول کی ذات پر دلالت کرے جیسے آوردہ اور کشتہ۔

صفت مشبّہ: وہ کلمۂ مشتق ہے جو مصدر لازمی سے نکالا گیا ہو اور موصوف کی ذات پر دلالت کرے جیسے دانا اور گویا۔

واحد: اس اسم یا فعل کو کہتے ہیں جو ایک چیز پر دلالت کرے جیسے مرد اور زن یا آمد اور آورد۔

جمع: اس اسم یا فعل کو کہتے ہیں جو دو یا دو سے زیادہ پر دلالت کرے جیسے مردان اور زنان یا آمدند اور آوردند۔

ظرف: وہ کلمہ مشتق ہے جو محلِ حدوثِ فعل پر دلالت کرے، جیسے دوشہ (دودھ دوہنے کا ظرف)۔

آلہ: وہ کلمہ مشتق ہے جو سببِ حدوثِ فعل پر دلالت کرے، جیسے پیانہ (ناپنے کا اوزار)۔

قیاسی: وہ وزن جو ہمیشہ مصدر سے ایک قاعدۂ کلیہ پر نکالا جاتا ہے؛ جیسے ماضی اور امر اور نہی اور حال اور استقبال اور اسم فاعل واسم مفعول۔

سماعی: وہ وزن جو اہل زبان سے سنا گیا اور جس کے اشتقاق کا کوئی قاعدۂ کلیہ نہ ہو؛ جیسے حاصل مصدر اور مضارع اور صفتِ مشبّہ اور ظرف اور آلہ۔

حرف: وہ کلمہ ہے جو اپنے معنی پر آپ دلالت نہ کر سکے جب تک کسی اسم یا فعل کے ساتھ ملایا نہ جائے جیسے در اور بر۔

حروفِ تہجی: ان حرفوں کو کہتے ہیں جن سے الفاظ مرکب ہوتے ہیں؛ جیسے ا، ب، ت۔

حروفِ علّت: الف اور واؤ اور یائے تحتانی کو کہتے ہیں۔
حرفِ صحیح: ان تینوں حرفوں کے سوا ہر حرف کو کہتے ہیں۔

الفِ ممدودہ: اس الف کو کہتے ہیں جو ایک اور الفِ ساکن کے ساتھ کھینچ کر پڑھا جائے؛ جیسے آمد اور آتش کا پہلا الف۔

الفِ مقصورہ: وہ الف مفتوح ہے جو کھینچ کر نہ پڑھا جائے یعنی جس کے آگے ایک اور الف ساکن نہ ہو؛ جیسے 'اگر' کا الف اور 'است' کا الف۔

تائے قرشت: وہ تے جو لفظ 'قرشت' میں ہے۔

حائے حطی: وہ حے جو لفظ 'حطی' میں ہے۔

ہائے ہوز: وہ 'ہ' جو لفظ 'ہوز' میں ہے۔

واوِ معدولہ: وہ واؤ ہے جو لکھنے میں آئے، پڑھنے میں نہ آئے؛ جیسے 'خود' اور 'خویش' اور 'خواب' کا واؤ۔

واوِ معروف: وہ واؤ ہے جس کے پہلے حرف پر ضمہ خالص ہو؛ جیسے 'دور' اور 'نور' اور 'خوب' کا واؤ۔

واوِ مجہول: وہ واؤ ہے جس کے پہلے حرف پر ضمہ ہو مگر خالص نہ ہو جیسے 'کور' کا واؤ۔

ہائے مختفی: اُس 'ہ' کو کہتے ہیں جو حرکت ظاہر کرنے کے لیے کلمے کے اخیر میں لکھی جاتی ہے مگر پڑھی نہیں جاتی؛ جیسے 'پروانہ' اور 'بیگانہ' اور 'گلہ' اور 'آبلہ' کی ہے۔

یائے معروف: اُس یے کو کہتے ہیں جس کے پہلے حرف پر کسرہ خالص ہو؛ جیسے 'دید' اور 'عید' اور 'بعید' کی یے۔

یائے مجہول: اُس یے کو کہتے ہیں جس کے پہلے حرف پر کسرہ ہو مگر خالص نہ ہو؛ جیسے 'دیر' اور 'شیر' اور 'دلیر' کی یے۔

مدّہ: اُس واؤ ساکن یا یائے ساکن کو کہتے ہیں جس کے ماقبل پر حرکت موافق ہو؛ یعنی واؤ کے ماقبل پر ضمہ[1] ہو اور یے کے ماقبل پر کسرہ ہو؛ جیسے 'کور' اور 'حور' کا واؤ اور 'شیر' اور 'دیر' کی یے۔

لین: وہ واؤ ساکن اور یائے ساکن جس کے ماقبل پر حرکت موافق نہ ہو؛ جیسے 'جور' اور 'خیر' کا واؤ اور یے۔

مہملہ: اُس حرف کو کہتے ہیں جس پر نقطہ نہ ہو اور اس کی صورت کا ایک اور حرف نقطہ دار ہو جیسے دال اور رے۔

۱۔ ''ضمہ ہو اور یے کے ماقبل پر'' یہ الفاظ حاشیے پر درج تھے۔ (مرتب)

معجمہ : اُس حرف کو کہتے ہیں جس پر نقطہ ہو اور اس کی صورت کا ایک اور حرف بے نقطہ ہو؛ جیسے ذال اور زے۔

موحدہ: بے کو کہتے ہیں یعنی ایک نقطے والی۔

مثنّاۃ فوقانی : 'تے' کو کہتے ہیں، یعنی اوپر کے دو نقطوں والی۔

مثنّاۃِ تحتانی : 'یے' کو کہتے ہیں یعنی نیچے کے دو نقطوں والی۔

مثلثہ : 'ثے' کو کہتے ہیں؛ یعنی تین نقطوں والی۔

تازی : وہ حرف ہے جو عربی میں آتا ہو اور اس کی صورت کا ایک اور حرف ہو جو عربی میں نہ آتا ہو؛ جیسے بے اور زے اور جیم اور کاف۔

فارسی یا عجمی : وہ حرف ہے جو عربی میں نہ آتا ہو اور اس کی صورت کا ایک اور حرف ہو جو عربی میں آتا ہو؛ جیسے پے اور ژے اور چے اور گاف۔

متحرک : وہ حرف ہے جس پر حرکت ہو یعنی زبر یا زیر یا پیش۔ حرکت زبر اور زیر اور پیش کو کہتے ہیں۔

ضمّہ : پیش کو کہتے ہیں یعنی جس کے کھینچنے سے واوٗ پیدا ہو جائے۔

فتحہ : زبر کو کہتے ہیں یعنی جس کے کھینچنے سے الف پیدا ہو جائے۔

کسرہ : زیر کو کہتے ہیں یعنی جس کے کھینچنے سے یے پیدا ہو جائے۔

مضموم : وہ حرف ہے جس پر ضمہ ہو؛ جیسے 'بہادُر' کی دال اور 'خُفتن' کی خے۔

مفتوح : وہ حرف جس پر فتحہ ہو جیسے 'بَہادر' کی بے اور 'خفتَن' کی تے۔

تشدید : حرفِ واحد کو ایک ساتھ ساکن اور متحرک پڑھنا۔

مُشدّد : وہ حرف جس پر تشدید واقع ہو؛ جیسے 'دُمّل' کا میم اور 'شپّر' کی پے۔

ساکن : وہ حرف ہے جس پر سکون ہو یعنی زیر اور زبر اور پیش نہ ہو؛ جیسے 'مرد' کی رے اور 'شیر' کی یے۔

موقوف : اُس حرفِ ساکن کو کہتے ہیں جو کلمے کے اخیر میں واقع ہو اور اس کا ماقبل بھی ساکن ہو؛ جیسے 'درد' اور 'مرد' کا حرفِ اخیر۔

حذف : لفظ میں سے کسی حرف کو گرانا۔

محذوف : وہ حرف جو گرایا گیا؛ جیسے 'بادشا' کی ہے۔

نقل: ایک حرف کی حرکت دوسرے حرف کو دینی؛ جیسے ''زید مرد است'' میں 'است' کی الف کا فتحہ 'مرد' کی دال کو دیا گیا۔

تحریک: ساکن کو متحرک کرنا؛ جیسے 'برسات' کی رے اور 'شفقت' کی فے کو متحرک کر لیتے ہیں۔

اسکان: متحرک کو ساکن کرنا؛ جیسے لفظ 'حرکت' کی رے اور 'حیوان' کی یے کو ساکن کر لیا ہے۔

تخفیف: حرفِ مشدّد کو ہلکا کرنا جیسے خاصیت کی یے کو کبھی محض مفتوح پڑھتے ہیں یعنی 'ناحیت' کے وزن پر۔

زیادت: اصل لفظ میں ایک دو حرف بڑھا دینا؛ جیسے 'شگرف' کو 'اشگرف' اور 'ارمغان' کو 'ارمغانے' کر لیا۔

ادغام: دو حرف جن کا ایک مخرج ہو یا دو جدا جدا ہوں مگر پاس پاس ہوں، اُن کو ایک ساتھ ایک مخرج میں پڑھنا؛ جیسے 'شب بو' کو 'شبّو' اور 'شب پر' کو 'شپّر'' پڑھنا۔

قلب: اصل لفظ کے حرفوں کی ترتیب کو بدل ڈالنا جیسے 'دریوزہ' کو 'دریوزہ' کر لینا اور 'پلارک' کو 'پرالک'۔

ابدال: ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے 'ریباس' کی بے کو واؤ سے اور 'ارنگ' کی کاف کو جیم سے بدل کر 'ریواس' اور 'ارنج' پڑھیں۔

اشباع: حرکت کو اتنا کھینچنا کہ ضمہ سے واؤ اور فتحہ سے الف اور کسرہ سے یے پیدا ہو جائے؛ جیسے 'اُفتادن' کو 'اوفتادن' اور 'اچار' کو 'آچار' اور 'استادن' کو 'ایستادن' پڑھنا۔

امالہ: الف کو یائے مجہول سے بدلنا؛ جیسے 'رکاب' کو 'رکیب' کر لینا اور 'عتاب' کو 'عتیب' اور 'اقبال' کو 'اقبیل' پڑھنا۔

تعریب: فارسی لفظ کو عربی بنانا؛ جیسے 'پیل' کو 'فیل' بنا لیں۔

تفریس: عربی یا ہندی لفظ کو فارسی بنانا؛ جیسے 'طلب' کو 'طلبیدن' اور 'جھگڑ' کو 'جکر' بنا لیں۔

پہلا باب

حرفوں کے بیان میں

حرف کے دو معنی ہیں: ایک تو اجزائے لفظ کا نام حرف ہے، جیسے لفظ 'مرد' میں 'م' اور 'ر' اور 'د' حرف ہیں۔ یا لفظ 'گفت' میں 'گ' اور 'ف' اور 'ت' حرف ہیں۔ ان حرفوں کو حروفِ تہجی کہتے ہیں۔ دوسرے حرف اُس کلمے کو کہتے ہیں جو آپ اپنے معنی پر دلالت نہ کر سکے جب تک اسم یا فعل کے ساتھ ملایا نہ جاوے؛ جیسے 'از' اور 'تا' کہ 'از' کے ایک معنی ابتدا ہیں اور 'تا' کے ایک معنی انتہا ہیں مگر یہ دونوں حرف اپنے معنوں پر دلالت نہیں کر سکتے جب تک کسی اسم یا فعل کے ساتھ نہ ملائے جائیں۔ مثلاً یوں کہیں کہ "از خانہ تا بازار رفتم"۔ ایسے حرفوں کو آدات کہتے ہیں۔

صرف میں محض حروفِ تہجی سے بحث کی جاتی ہے اور نحو میں حروف اور آدات دونوں سے بحث کی جاتی ہے۔ حروفِ تہجی جو عربی زبان میں آتے ہیں اُنتیس حروف ہیں:

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک ل م ن و ہ ء ی۔

مشہور یوں ہے کہ ان میں سے آٹھ حرف فارسی زبان میں نہیں آتے یعنی ث ح ص ض ط ظ ع ق اور حق یہ ہے کہ ذال معجمہ بھی فارسی میں نہیں آتی اور 'گذشتن' اور 'گذرانیدن' اور 'پذیرفتن' وغیرہ جو ذال سے لکھے جاتے ہیں، سو یہ کچھ ضرور نہیں کہ یہ الفاظ اصل میں بھی ذال ہی سے ہوں کیونکہ بہتیرے لفظوں کا املا خلافِ قیاس ہوتا ہے، جیسے 'زکوٰۃ' اور 'صلوٰۃ' عربی میں اور 'شصت' اور 'صد' فارسی میں۔ پس اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زکوٰۃ اور صلوٰۃ کا الف واؤ ہو جائے اور شصت اور صد کا سین صاد ہو جائے۔ اب سمجھنا چاہیے کہ نو حرف فارسی میں نہیں آتے اور اُنتیس حرفوں میں سے نو حرف نکال ڈالے تو بیس حرف باقی رہے۔ اور چار حرف اَور ہیں جو فارسی

میں آتے ہیں، عربی میں نہیں آتے؛ یعنی پ چ ژ گ۔

پس کُل حرف جو فارسی میں آتے ہیں، چوبیس ٹھہرے۔ از انجملہ:

الف

یہ وہ حرف ہے جس کو ابجد نویس سب حرفوں سے پہلے لکھتے ہیں۔ یہ صرف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اپنے مخرج سے بے تکلف نکلتا ہے۔

اور ہمزہ وہ حرف ہے جس کی صورت نستعلیق میں یہ ہے 'ء'۔ یہ صرف سینے کے بل سے نکلتا ہے۔ اور یہ متحرک بھی ہوتا ہے اور ساکن بھی۔ مگر فارسی والوں نے الف اور ہمزہ کو ایک سے حرف گنا ہے۔

کلماتِ فارسی جو عبارت فارسی میں آتے ہیں اُن میں الف کی صورت ہمزہ کی صورت سے جدا نہیں اور حسابِ جمل کی رو سے دونوں ایک ہی عدد یعنی واحد پر دلالت کرتے ہیں۔ اور فارسی والے زبان سے بھی ہمیشہ ہمزہ کو الف ہی بولتے ہیں۔ مثلاً لفظ 'آفتاب' کے اول حقیقت میں ہمزہ الف سے ملا ہوا ہے، لیکن وہ اس کو ہمزہ نہیں کہتے بلکہ الف ممدودہ کہتے ہیں۔ یا لفظ 'اگر' کے اول حقیقت میں ہمزہ ہے لیکن فارسی والے اس کو الف مقصورہ کہتے ہیں، ہمزہ نہیں کہتے۔ پس فارسی میں الف اور ہمزہ ایک چیز ٹھہرے اور اس حساب سے فارسی کے حروف تئیس رہ گئے۔

جو الف کسی کلمے کے سرے پر آئے اور کچھ معنی نہ دے اگر وہ کلمہ دو حرف کا ہے تو الف ہمیشہ مفتوح ہوگا، جیسے 'ابر' اور 'اپا' اور 'ابے'، 'بر' اور 'پا' اور 'بے' کی جگہ۔ اور اگر وہ کلمہ دو حرف سے زیادہ کا ہے تو اس کلمے کے حرفِ اول کی حرکت الف کو دیں گے، جیسے 'اُشگرف' اور 'اسمندر' اور 'اِستم' اور 'اِشکم' اور 'اُشتر' اور 'اُشتلم' کہ اصل میں 'شگرف' اور 'سمندر' اور 'ستم' اور 'شکم' اور 'شتر' اور 'شتلم' تھے۔

جو کلمے الف سے شروع ہوتے ہیں بعضے ان میں سے ایسے ہیں کہ اُن پر ہمیشہ الف ممدودہ آتا ہے۔ جیسے 'آز' اور 'آس' (یعنے آسیا) اور بعض ایسے ہیں جن پر الف ممدودہ کبھی نہیں آتا، بلکہ کبھی الف مقصورہ آتا ہے اور کبھی اس کو بھی گرا دیتے ہیں جیسے 'ازبر' اور 'زبر' (بمعنی یاد) اور استر اور ستر (خچر)۔ استم وستم اور اشکم وشکم اور اشتر وشتر اور اشتلم وشتلم کو اسی قبیل سے جاننا

چاہیے۔

اور بعضے ایسے ہیں جن پر کبھی الف مقصورہ ہمیشہ آتا ہے، جیسے اخگر اور اختر اور بعضے ایسے ہیں جن پر کبھی الف ممدودہ آتا ہے، کبھی اس کو حذف کر دیتے ہیں جیسے آرام اور ارام اور آتش اور اَتش۔

اور بعضے ایسے ہیں جن پر یا الف ممدودہ آتا ہے یا الف مقصورہ۔ کبھی اس سے خالی نہیں رہتے جیسے آلاؤ اور الاؤ (آتش)۔

اور بعضے ایسے ہیں جن میں کبھی الف ممدودہ آتا ہے کبھی الف مقصورہ، کبھی دونوں نہیں آتے، جیسے آفسانہ اور افسانہ اور فسانہ، اور آفریدون اور اَفریدون اور فریدون، اور آستارہ اور استارہ اور ستارہ، اور آسانہ اور استانہ اور ستانہ، اور آبرہ اور ابرہ اور برہ، اور آروغ اور اروغ اور روغ (رومی جامہ مقابل استر)۔

اقسامِ الف سے ایک الف اشباع ہے، یعنی جو الف کہ فتحہ کے کھینچنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ الف ہمیشہ کلمے کے بیچ میں آتا ہے؛ جیسے نگونسار کا الف اور سیہ سار (نہنگ) کا الف اور ماہار اور بام (آواز بلند)، اور چاک (محضر وقبالہ) اور نماک (رونق) کا الف اور داراب (نام پسر دختر بہمن اسفندیار) کا پہلا الف کہ اصل میں نگوں سر اور سیہ سر اور مہار اور بم اور چک اور دراب اور نمک تھا۔

یہ حرف کبھی بائے موحدہ سے بدلا جاتا ہے، جیسے اندیشہ اور بندیشہ اور اکفستن اور بلفستن (جمع کرنا) اور اسغدیدن اور بسغدیدن (آمادہ ہونا)۔ اور کبھی خائے معجمہ سے جیسے استہ اور ختہ (تخم خرما)۔ اور کبھی دال مہملہ سے جیسے بان اور بدان اور باین اور بدین۔ اور کبھی زائے معجمہ سے جیسے "با او گفتم" کی جگہ "بازو گفتم" اور "باو گفتم" کی جگہ "بزو گفتم" اہلِ خراسان کا محاورہ ہے۔ اور کبھی لام سے جیسے سگِ آبی او سگ لابی (ایک جانور ہے جس سے جند بیدستر ہاتھ آتا ہے)۔ اور کبھی نون سے جیسے اغول اور نغول اور غل اور نغل (وہ جگہ جو چرواہے جنگل میں ریوڑ کے لیے درست کرتے ہیں)۔ اور اورد اور نادرد (جنگ)۔ اور کبھی واؤ سے جیسے ارنج اور وارنج (کہنی)۔ اور آاغونہ اور واغونہ (گلگونہ)۔ اور یکسان اور یکسون اور دہان اور دہون۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے اپیون اور ہپیون (افیون)، اور انباز اور ہنباز (شریک) اور یاسا اور یاسہ (مغلوں کی

رسوم)۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے ارمغان اور یرمغان (سوغات) اور اکدش اور یکدش (جو شے دو چیزوں کے میل سے پیدا ہو، جیسے مجنّس گھوڑا)۔ اور بیفکن اور میکفن اور بیا اور میا اور بینداز اور میناز اور اسیاب (پن چکی) کہ اصل میں بافکن اور مافکن اور بآ اور مآ اور بانداز اور مانداز[1] اور اس اب تھا۔

ب

اس حرف کو بائے موحدہ اور بائے تازی کہتے ہیں۔ بعضے محققوں نے کہا ہے کہ یہ حرف اصل فارسی میں نہیں آیا اور اگر کہیں پایا جاتا ہے تو یہ تصرف متاخرین عجم کا ہے۔ اور سبب اس کا عربی زبان سے فارسی کا مخلوط ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ آب اور بال (درم دار مچھلی کی ایک قسم ہے) اور سیب اور نہیب اور بایہ (مراد و حاجت) اور ارغاب (ندی) اور برغست (ایک گھاس ہے خودرو) ان سب لفظوں کی جگہ آو اور وال اور سیو اور نہیو اور وایہ اور ارغاو اور وزغست واوَ کے ساتھ مستعمل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں فارسی کلموں میں بائے تازی آئی ہے، اصل میں اس کی جگہ واوَ ہوگا۔ اور بعض جگہ کاف اور گاف اور میم بھی بائے تازی کی جگہ آئے ہیں، جیسے بایہ کی جگہ مایہ اور برغست کی جگہ گرغست اور لبالب کی جگہ لمالم اور عوب کی جگہ عوم (دانۂ انگور) اور بدست کی جگہ کدست (بالشت)۔ بعد غور و تامل کے یہ تحقیق ٹھیک نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اصل فارسی میں بائے موحدہ نہ ہوتی تو لغت ژند و پاژند جو قدیم زبان ہے اس میں بائے موحدہ نہ آتی حالانکہ، اس میں بہت سے لفظ بائے موحدہ کے ساتھ آئے ہیں جیسے بشریا بروزن کبریا (گوشت حیوانات) اور بسبا بروزن فردا (شراب انگوری) اور بسیم بروزن نسیم (خوش مزہ) اور بیل بروزن نیل (کواں) اور شیبا بروزن سیما (گھر) اور کدبا بروزن فردا (جھوٹ)۔

یہ حرف کہیں 'ہے' سے بدلا جاتا ہے جیسے زبان اور زبانہ اور زنان اور زنانہ اور کہیں کاف تازی سے جیسے بوشاسپ اور کوشاسپ (خواب)۔ اور کاف فارسی اور میم اور واوَ سے اکثر بدلا جاتا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اور کہیں ہائے ہوز سے جیسے بوش اور ہوش (کروفر) اور

۱۔ ''اور مانداز'' یہ الفاظ حاشیے پر درج تھے۔ (مرتب)

بار اور ہار (سرگین حیوانات)۔ اور کہیں یہ حرف زائدہ بھی آتا ہے جیسے آسیاب بجائے آسیا اور ناشتاب بجائے ناشتا اور دریاب بجائے دریا اور اشناب بجائے اشنا (شناوری)۔

پ

اس حرف کو بائے فارسی اور بائے عجمی کہتے ہیں۔ اس کی تعریب[1] کبھی فے کے ساتھ کی جاتی ہے جیسے پیل کو فیل کر لیا اور کبھی بائے تازی کے ساتھ جیسے پزدہ کو بزدہ (نام شہر) کر لیا۔ اور کبھی بدون تعریب کے بھی فارسی والوں نے اس کو 'فے' سے بدلا اور فارسی ہے میں استعمال کیا ہے، جیسے سپید اور سفید اور پرویش اور فرویش بروزن درویش (تقصیر) اور کلپ اور کلپہ اور کلف اور کلفہ (منقار)، اور جاماسپ اور جاماسف (نام حکیم) اور پلخم اور پلخمہ اور پلخمان اور فلخم اور فلخمہ اور فلخمان (گوپیا)۔

بعض جگہ پر حرف جیم تازی سے بھی بدلا گیا ہے، جیسے پالیز اور جالیز (کشت خربزہ وغیرہ) اور کہیں غین معجمہ سے بھی بدلا گیا ہے، جیسے پرویزن اور پریزن اور پریزان اور غرویزن اور غریزن اور غریزان (چھلنی)۔ اور کہیں کاف تازی سے جیسے پخ اور کخ بروزن پیل (چرک گوشہ چشم)۔ اور کہیں لام سے جیسے سراندیپ اور سراندیل (نام کوہ)۔ اور کہیں میم سے جیسے سپاروک اور سماروک (کبوتر)۔ اور کہیں واؤ سے جیسے چار پا اور چاروا اور پام اور وام۔

ت

اس حرف کو مثنات فوقانی اور تائے قرشت کہتے ہیں۔ یہ حرف فارسی میں خطاب کے لیے وضع کیا گیا ہے، چنانچہ دوسرے حصے میں بیان کیا جائے گا۔ اور زائدہ بھی آتا ہے جیسے گوارش اور گوارشت (جوارش) اور دردی نوش اور دردی نوشت اور پاداش اور پاداشت اور فراش اور فراشت اور بالش اور بالشت (بالین) اور پیس اور پیست (مبروص[2]) اور اور دست رس اور دست رست (قدرت و توانائی) اور کوس اور کوست (نقارہ) اور دوست بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ اس کی اصل دوس ہے دوسیدن سے جو چسپیدن اور پیوستن کے معنی میں آتا ہے۔

۱۔ معرب کرنا: عربی بنالینا۔ ۲۔ مبروص: مرض برص میں مبتلا۔ (مرتب)

یہ حرف جیم تازی سے بھی بدلا جاتا ہے، جیسے غارت اور غارج (لوٹ) اور لت اور لج (لات)۔ اور کہیں جیم فارسی سے جیسے تُس اور چُس بروزن بُت (جو ریح انسان سے بے صدا سرزد ہو)۔ اور کہیں دال مہملہ سے جیسے بت اور بد اور تُوت اور تود اور دستاس اردو سداس بروزن سردار (چکی)۔ اور کہیں سین مہملہ سے جیسے تیز اور سیز (مقابلِ کُند) اور کہیں کاف تازی سے جیسے چاشت اور چاشک (چڑھتا دن)۔

ث

اس حرف کو مثلثہ کہتے ہیں اور یہ فارسی میں نہیں آتا۔ اگر کہیں آیا ہے تو وہ تائے فوقانی سے بدلا ہوا ہے یا سین مہملہ سے یا فے سے جیسے مثلاً طہمورث کی اصل تہمورت اور کیومرث کی اصل کیومرت اور ارشنگ کی اصل ارتنگ یا ارچنگ یا ارسنگ یا ارژنگ ہے کہ چاروں لغت ایک معنی پر آئے ہیں۔ اور ثُغ بروزن مُغ، اس کی اصل فُغ (بت) ہے۔

ج

اس حرف کو جیم تازی کہتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ حرف فارسی میں نہیں آیا۔ اور کہیں آیا ہے تو وہ تائے فوقانی یا خائے معجمہ یا دال مہملہ یا زائے تازی یا زائے فارسی یا کاف فارسی یا یائے تحتانی سے بدلا ہوا ہے۔ جیسی آہنج کی اصل آہنگ اور نارنج کی اصل نارنگ اور صنج کی اصل چنگ اور آخشیج کی اصل آخشیک (عناصر) اور لیلنج کی اصل لیلنگ (نیل) اور جہان کی اصل گہان (مخفف گیہان) اور کالجوش کی اصل کالیوش (آتش) اور جوغ کی اصل یوغ (ہل کی لکڑی) اور تاراج کی اصل تارات ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ یہ حرف لغت ژند و پاژند میں مقرر آیا ہے جیسے جیا (ایندھن) اور جاتن (نام باری تعالٰی) اور جاتوختن (آنا) اور جاسوختن (رکھنا) اور جاکوختن (لانا)۔

چ

اس حرف کو جیم فارسی کہتے ہیں۔ اس کی تعریب صاد مہملہ کے ساتھ کی جاتی ہے؛ جیسے چرم اور صرم اور چنگ اور صنج۔ اور فارسی میں اس کا ابدال کبھی شین سے ہوتا ہے، جیسے پیچ اور پیش اور پرچخ اور پرخش (گھوڑے کا پٹھا) اور لخچہ اور لخشہ (چنگاری)۔ اور کبھی کاف تازی سے جیسے لوچ اور لوک اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے مورچانہ اور موریانہ (زنگ آہن)۔ اور زائدہ بھی آتا ہے،

جیسے نم اور نچ اور نائے اور نانچ (نے) اور لف اور لفچ (لب) اور کف اور کفچ اور کل اور کچل (گنجا)۔

ح

اس حرف کو حائے حطی کہتے ہیں۔ یہ حرف فارسی میں نہیں آتا۔ بعضے لفظ فارسی کے جو ح سے لکھے جاتے ہیں ان کی اصل ہائے ہوز کے ساتھ ہے۔ بعضے عجمی جو ہائے ہوز کو حائے حطی کے مخرج سے نکالتے ہیں اس سبب سے وہ الفاظ اسی صورت سے لکھے جانے لگے جیسے حیز اور حال۔ ان کی اصل ہیز (مخنث) اور ہال (قرار اور آرام) ہے۔

خ

اس حرف کو خائے معجمہ کہتے ہیں اور یہ کبھی جیم تازی سے بدلا جاتا ہے؛ جیسے اسفاناخ اور اسپاناج (ترکاری کا نام ہے) اور کبھی شین معجمہ سے جیسے فراخیدن اور فراشیدن (رونگٹے کھڑے ہونے) اور افراختن اور افراشتن اور سارخک اور سارشک (مچھر)۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے آژخ اور آژغ (مسّہ) اور شوخ اور شوغ (بیباک) اور ستیخ اور ستیغ (سیدھی چیز مثل نیزہ و تیر)۔ اور کبھی قاف سے جیسے برخ اور برق (بجلی) اور جوخ اور جوق (گروہ) اور چخماخ اور چقماق (آگ جھاڑنے کی پتھری) اور تاخ اور تاق (ہیزم)۔ اور کبھی کاف تازی سے جیسے خمان اور کمان اور خمند اور کمند اور خرنا اور کرنا (نام ساز) اور تلخ اور تلک اور تخمار اور تکمار (تیر بے کمان) اور ستاخ اور ستاک (شاخ درخت) اور ساماچہ اور ساماکچہ (عورتوں کا سینہ بند) اور خیش اور کیش (نام پارچہ) اور خرست اور کرست (بدمست)۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے خاگ اور ہاگ (بیضۂ مرغ)۔

مصدر اور ماضی کی خے مضارع اور امر میں کہیں زائے معجمہ سے بدلے جاتے ہیں، جیسے دوختن اور دوخت اور دوزد اور بدوز اور سوختن اور سوخت اور سوزد اور بسوز اور باختن اور باخت اور بازد اور بباز اور ساختن اور ساخت اور سازد اور بساز اور افروختن اور افروخت اور افروزد اور بیفروز۔ اور کہیں سین مہملہ سے جیسے شناختن اور شناخت اور شناسد اور بشناس اور کہیں شین معجمہ سے جیسے فروختن اور فروخت اور فروشد اور بفروش۔

د

اس حرف کو دال مہملہ کہتے ہیں اور یہ کہیں بائے موحدہ سے بدل جاتی ہے جیسے دالان اور بالان (دہلیز خانہ) اور کہیں تائے فوقانی سے جیسے دُراج اور تُراج (تیتر) اور خاد اور خات (چیل) اور شواد اور شوات (سرخاب) اور زرد اور زرت (رنگ معروف)۔ کہیں جیم تازی سے جیسے زگند اور زگنج (کاسۂ سفالین) اور گرد اور گرج (نام ولایت جس کو گرجستان کہتے ہیں) اور بزغند اور بزغنج (پستہ کی صورت کی ایک چیز ہے)۔ اور کہیں ذال معجمہ سے جیسے آدر اور آذر (آگ) اور زمرد اور زمرذ اور بسد اور بسذ (مرجان) اور استاد اور استاذ۔ لیکن یاد رہے کہ دال کو ذال سے اسی وقت بدلتے ہیں جب تعریب مقصود ہوتی ہے۔ اور کہیں زائے معجمہ سے جیسے سرخ مرد اور سرخ مرز (لال ساگ) اور کہیں شین معجمہ سے جیسے گوداب اور گوشاب (آش کی ایک قسم ہے)۔ اور کہیں کاف فارسی سے جیسے دروغ اور گروغ اور پرند اور پرنگ (جوہر شمشیر) اور کلند اور کلنگ (کودال)۔ اور کہیں لام سے جیسے دغ اور لغ (زمین سخت)؛ اور ہود اور ہول (راست و درست)۔ اور کہیں نون سے جیسے گزیدہ اور گزینہ۔ اور کہیں واؤ سے جیسے بید اور بیو (کساری) اور کہیں ہائے ہوز سے جیسے تبرزد اور تبرزہ (شکر کی ایک قسم ہے) اور بیرزد اور بیرزہ (گندہ بیروزہ اور انکزد اور انکزہ (ہینگ)۔ اور کہیں یائے تحتانی سے جیسے آذرآبادگان اور آذربائگان (ولایت آذربیجان) اور لاد اور لای (دیوار کاردہ) اور پدر اور پیر اور ماوَندَر اور مایندر (سوتیلی ماں) اور خود اور خوی (کلاہ آہنی)۔ اور اسم کے اخیر میں زائدہ بھی آتی ہے جیسے بیدا اور بیداد اور شفتالو اور شفتالود اور پیرہن اور پیرہند اور نارزن اور نارزند اور ہندبی اور ہندبید (کاسنی)

ذ

اس حرف کو ذال معجمہ کہتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ذال معجمہ فارسی میں آتی ہے۔ فارسی کلموں میں دال اور ذال کی پہچان یہ ہے کہ جہاں دال سے پہلے حرف علت ہو وہاں ہمیشہ ذال معجمہ ہوتی ہے اور جہاں اس سے پہلے حرف صحیح ہو تو دیکھنا چاہیے کہ وہ حرف ساکن ہے یا متحرک۔ اگر متحرک ہے تو وہاں بھی ذال معجمہ ہے اور اگر ساکن ہے تو دال مہملہ ہے۔

حق یہ ہے کہ حرف فارسی میں نہیں آتا اور کہیں آیا ہے تو دال مہملہ سے بدلا ہوا آیا ہے؛ جیسے آذر کہ اصل میں آدر تھا کیونکہ لغت ژند اور پاژند میں آدر ہی آیا ہے۔ آذر: ذال معجمہ کے

ساتھ نہیں آیا۔ اور عجم کی زبان سے یہ حرف اتنا بیگانہ ہے کہ وہ عربی الفاظ میں بھی ذال معجمہ کی جگہ دال مہملہ پڑھتے ہیں۔ خصوصاً اہل وراء النہر[1]۔ یہاں تک کہ بعضے استادوں نے 'سوذ' اور 'بوذ' کا قافیہ 'ماخوذ' اور 'اعوذ' اور 'باذ' کا قافیہ 'نفاذ' اور 'عیذ' کا قافیہ 'تعویذ' باندھا ہے۔

ر

اس حرف کو رائے مہملہ کہتے ہیں اور یہ حرف جیم تازی سے بدلا جاتا ہے، جیسے تیر اور تیج۔ اور کبھی شین معجمہ سے جیسے انکاردن اور انکاشتن اور آغاردن اور آغاشتن (گوندھنا اور تر کرنا) اور انباردن اور انباشتن اور رمیدن اور شمیدن۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے کنار اور کناغ (کنارہ)۔ اور کبھی کاف فارسی سے جیسے ریماز اور گیماز (نام پارچہ)۔ اور کبھی لام سے جیسے چنار اور چنال اور کاچار اور کاچال (گھر کا اسباب) اور کنجار اور کنجال (کھل) اور نیلوپر اور نیلوپل اور سوفار اور سوفال اور سود اور سول (اسپ وخرِ خاکستر رنگ)۔ اور کبھی نون سے جیسے چیدار اور چیدان (سرموزہ) اور جدارک اور جدانک (نام بازی) اور تار اور تان اور استوار اور استوان۔ اور کبھی واؤ سے جیسے بَرْمُرْ اور بَرْمُوْ (انتظار) اور کلار اور کلاو (مینڈک)۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے آسر اور آسہ (جوتی ہوئی زمین) اور ہوبر اور ہوبہ اور کاخر اور کاخہ (یرقان) اور لنبر اور لنبہ (گول چیز)۔

یہ حرف کلمے کے آخر میں نسبت کا فائدہ بھی دیتا ہے جیسے لَبْ 'شراب' کو اور 'نس' سایہ کو اور انگشت انگلی کو کہتے ہیں اور لبر شراب خانے کو اور نسر سائبان کو اور انگشتر انگوٹھی کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان لفظوں میں حرف رے کے ملنے سے یہ معنی پیدا ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حروف نسبت میں سے ایک حرف یہ بھی ہے۔ اور کبھی محض زائدہ آتا ہے؛ جیسے شنا تیرنا اور شنار بھی تیرنا اور کابک گھونسلا اور کاورک بھی گھونسلا۔ کاورک میں زیادتی رائے مہملہ کی، سوبے کو بھی واؤ سے بدلا ہے۔

ز

اس حرف کو زائے معجمہ اور زائے تازی کہتے ہیں اور یہ جیم تازی سے بدلا جاتا ہے۔

۱۔ ''وراء النہر بھی درست ہے لیکن ''ماوراء النہر'' لکھا جاتا ہے۔ (مرتب)

جیسے روز اور روج اور سوز اور سوج اور سوزہ اور سوجہ (خشک کپڑا) اور رزہ اور رجہ (الگنی) اور پوزش اور پوجش (عذر) اور ارز اور ارج (قدر و قیمت)۔ اور کبھی جیم فارسی سے جیسے پزشک اور پچشک (طبیب)۔ اور کبھی سین مہملہ سے، جیسے ایاز اور ایاس، (نام غلام سلطان محمود) اور پرواز اور پرواس (فراغت) اور ہرمز اور ہرمس (نام ستارہ یعنی مشتری)۔ اور کبھی شین معجمہ سے جیسے مریز اور مریش اور زکال اور شکال (کوئلا)۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے گریز اور گریغ اور امیز اور امیغ۔ اور کہیں کاف تازی سے جیسے مزیدن اور مکیدن۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے کوز پشت اور کوہ پشت اور درواز اور درواہ (الٹا لٹکا ہوا) اور بازو اور باہو (عصا) اور براز اور براہ (آرائش)۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے آواز اور آوای جس کا مخفف آوا ہے۔ اور کبھی زائدہ بھی آتا ہے؛ جیسے ترب اور تربز (مولی) اور گروہ اور گروزہ (جماعت)۔

ژ

اس حرف کو زائے فارسی کہتے ہیں کیونکہ یہ صرف اسی زبان کے ساتھ مخصوص ہے، اور کسی زبان میں نہیں آتا۔ اور یہ جیم تازی سے اکثر بدلا جاتا ہے جیسے وانژہ اور وانجہ (مسور) اور لژن اور لجن (پھسلنی زمین) اور نژند اور نجند (افسردہ و غمگین) اور کژک اور کجک (اَنْکس) اور منیژہ اور منیجہ (نام دختر افراسیاب) اور فاژہ اور فاجہ (جمائی) اور باژ اور باج (خراج) اور کاژ اور کاج (اَحوَل)۔ اور کبھی سین مہملہ سے جیسے تکژ اور تکس (تخم دانۂ انگور)۔ اور کبھی شین معجمہ سے، جیسے توژی اور توشی (سامان ضیافت) اور وژ اور وش (بھونڈا) اور راژ اور راش (اناج کا ڈھیر) اور باژگونہ اور باشگونہ (الٹا لٹکا ہوا)۔

س

اس حرف کو سین مہملہ کہتے ہیں اور یہ جیم تازی سے بدلا جاتا ہے، جیسے ریواس اور ریواج (ریباس)۔ اور کبھی جیم فارسی سے جیسے خروس اور خروچ اور باغسہ اور باغچہ (صحن خانہ۔ یہ خاص اہل شیراز کا محاورہ ہے) اور کبھی دال مہملہ سے جیسے پاس اور پاد (نگہبانی۔ لفظ پادشاہ اسی سے مرکب ہے)۔ اور کبھی شین[1] معجمہ سے جیسے کستی اور کشتی (اس کی اصل کستن ہے بمعنی کوفتن)

---

[1] اصل مخطوطے میں یہاں "شین" تھا جو درست نہیں۔ (مرتب)

اور فرستہ اور فرشتہ (غالبًا اس کی اصل فرستادن ہے) اور بالوس اور بالوش (کافور نا خالص)۔ اور کبھی فے سے جیسے چست اور چفت (جامۂ تنگ) اور کبھی لام سے جیسے بج اور لج (رخسارہ) اور کبھی واؤ سے جیسے باتُس اور باتُو (ترنج)۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے خروس اور خروہ اور آماس اور آماہ (سُوجن)۔

مصدر اور ماضی کا سین مضارع اور امر میں کبھی واؤ سے بدل جاتا ہے جیسے جستن اور جست اور جوید اور بجوی اور رستن اور رست اور رہد اور بروی، اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے جستن اور جست اور جہد اور بجہ اور رستن اور رست اور رہد اور برہ اور کاستن اور کاست اور کاہد اور بکاہ اور خواستن اور خواست اور خواہد اور بخواہ۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے پیراستن اور پیراست اور پیراید اور بہ پیرای اور آراستن ارو آراست اور آراید اور بیارای۔

ش

اس حرف کو سین معجمہ کہتے ہیں اور یہ کبھی تائے فوقانی سے بدلا جاتا ہے جیسے رخش اور رخت (گھوڑا) اور بخش اور بخت (حصہ)۔ اور کبھی جیم تازی سے جیسے کاش اور کاج (حرفِ تمنا) اور کنکاش اور کنکاج (مشورہ کرنا) اور سرآغوش اور سرآغوج (گیسو پوشِ زنان)۔ اور کبھی جیم فارسی سے جیسے پاشان اور پاچان (پریشان) اور کبھی سین مہملہ سے جیسے شارک اور سارک (نام جانور) اور کبھی لام سے جیسے اسپ گوش اور اسپ غول۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے غُزغُش اور غُزغُبہ (فریاد) اور گزارش اور گزارہ (تعبیر خواب) اور یازش اور یازہ (حرکت) اور پاشنگ اور پاہنگ (وہ خیار جس کو بیج کے لیے رکھ چھوڑیں)۔

مصدر اور ماضی کا شین مضارع اور امر میں اکثر رائے مہملہ سے بدل جاتا ہے جیسے کاشتن اور کاشت اور کارد اور بکار اور برداشتن اور برداشت اور بردارد اور بردار اور انباشتن اور انباشت اور انبارد اور بیبار اور گماشتن اور گماشت اور گمارد اور بگمار اور گشتن اور گشت اور گردد اور بگرد۔

تصریف افعال میں یہ حرف اکثر حاصل مصدر کی علامت ہوتا ہے جیسے دانش اور بینش اور خلش اور کاہش۔ اس شین کا ماقبل ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور حاصل مصدر بنانے کا دستور دوسرے باب میں بیان کیا جائے گا۔

بعض جگہ آخر اسما میں اس حرف نے نسبت کے معنی بھی دیے ہیں؛ جیسے گندش اور گندک منسوب بگند (یعنی بدبو)۔

ص ض ط ظ ع

یہ پانچوں حرف فارسی میں نہیں آتے اور نام ان کے یہ ہیں: صاد مہملہ، ضاد معجمہ طائے مہملہ، ظائے معجمہ، عین مہملہ۔

بعض فارسی لفظوں کا املا ان حرفوں کے ساتھ ٹھہر گیا ہے؛ جیسے صد اور شصت کہ اصل میں سد اور شست ہے۔ اور طراز اور طپیدن اور طلا اور طپانچہ اور تشت اور تارم ہے۔ شاید رفعِ التباس کے واسطے اس صورت سے لکھے جاتے ہیں۔ عین مہملہ سے فارسی والوں نے ہائے ہوز کو بدلا ہے جیسے ہفہف اور عفعف (آوازِ سگ) اور لعبت اور لہفت اس میں بے کو بھی فے سے بدل لیا اور طلایع اور طلایہ۔

غ

اس حرف کو غین معجمہ کہتے ہیں۔ یہ حرف فارسی میں آتا تو ہے مگر بہت کم آتا ہے۔ اور اس کو جیم تازی سے بھی بدلتے ہیں جیسے مغاغ اور مغاج (گیند) اور نباغ اور نباج (عورت پر جو دوسری عورت کی جائے)۔ اور کبھی خائے معجمہ سے جیسے انجوغ اور انجوخ (جھری) اور سغدو اور سخو (آنت جو گوشت اور چاول بھر کر بھونی جائے) اور چراغوارہ اور چراخوارہ (قندیل) اور چرغ اور چرخ (جانور معروف)۔ اور کبھی میم سے جیسے غلغلیچ اور غلملیچ (گدگدی کرنا) اور کبھی واؤ سے جیسے کاغنہ اور کاونہ (نام جانور زہردار) اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے اسپرغم اور اسپرہم (نازبو یعنی تلسی) اور کبھی یہ حرف زائدہ بھی آتا ہے؛ جیسے شب چرا (ڈھوروں کا رات کو چرنا۔ اصل اس کی شب چرہ تھی) اور شب چراغ۔ یا جیسے گیاہ اور گیاغ، یہاں بھی غین زائدہ ہے۔ ہائے ہوز سے بدلی ہوئی نہیں کیونکہ لفظ گیاہ میں (ہ) زائدہ ہے، اصلی نہیں۔

ف

بعض محققوں نے کہا ہے کہ یہ حرف اصل فارسی میں نہیں آیا۔ اگر کہیں آیا ہے[1] تو بائے

۱۔ "اگر کہیں آیا ہے" یہ الفاظ متن کی بجائے مخطوطے کے حاشیے میں درج تھے۔ (مرتب)

تازی یا بائے فارسی یا واوٗ سے بدلا ہوا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ حرف اصل فارسی میں آیا ہے، مگر کم آیا ہے۔ چنانچہ آذرباف اور مار اسفند اور ازویراف (تینوں موبدوں کے نام ہیں) اور زفاک (ابرِ مطیر) اور سوا ان کے اَور لفظ جن میں یہ حرف موجود ہے، لغت ژند اور پاژند میں بہت آئے ہیں۔ دوسرے مصدر اور ماضی کی فے مضارع اور امر میں کہیں بائے تازی سے اور کہیں یائے تحتانی سے بدل جاتی ہے۔ جیسے کوفتن اور کوفت اور کوبد اور بکوب۔ اور گرفتن اور گرفت اور گیرد اور بگیر۔ اس ابدال سے بھی معلوم ہوا کہ فے اصل فارسی میں آتی ہے۔ بہرحال یہ حرف سوائے حروف مذکورہ کے کبھی خائے معجمہ سے بھی بدلا جاتا ہے، جیسے فلاوہ اور خلاوہ (سراسیمہ) اور ناف اور ناخ۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے فلیو اور غلیو (بیہودہ) اور کبھی کاف تازی سے جیسے فلاوہ اور کلاوہ (بیہودہ)، اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے تف اور تفو اور تہ اور تہو (کلمۂ نفرین)۔

ق

یہ حرف اصل فارسی میں نہیں آیا اور جہاں فارسی میں پایا جاتا ہے دو حال سے خالی نہیں؛ یا تو وہ کلمہ جس میں قاف واقع ہوا ہے، سرے سے فارسی نہیں جیسے قند کہ اس کی اصل ہندی ہے، یعنی کھانڈ۔ یا اس سبب سے کہ متاخرین عجم عرب کے مخلوط ہونے سے اکثر خائے معجمہ اور غین معجمہ اور کاف تازی کو قاف کے مخرج سے نکالتے ہیں۔ اس حرف کی رسم خط قاف کے ساتھ ٹھہر گئی جیسے غالیچہ اور قالیچہ اور تاخ اور تاغ اور تاق اور اروغ اور اروق اور ایاغ اور ایاق اور کواد اور قباد (نام بادشاہ)۔

ک

اس حرف کو کاف تازی کہتے ہیں۔ مفردات فارسی میں اس حرف کی دو صورتیں ہیں: ک اور کہ۔ پہلی صورت کا کاف ہمیشہ کلمے کے آخر میں آتا ہے اور اُس کلمے کا یا تو اصل میں جزو ہوتا ہے جیسے نمک، یا اس کو کسی غرض کے لیے جزو ٹھہرا لیتے ہیں، جیسے بابک اور ماکک۔ اور ماقبل اس کا ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اگر مدہ نہ ہو، جیسے اندک اور نمک اور کمک، اور نہیں تو ساکن جیسے خوک اور پرستوک اور دوک۔

دوسری صورت کا کاف ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور وہ کسی کلمے کا جزو نہیں پڑتا بلکہ خود ایک جدا کلمہ ہے۔ اور بہت سے فائدوں کے لیے برتا جاتا ہے۔ مگر فن صرف کے متعلق پہلے کاف کا

بیان ہے نہ دوسرے کا۔ پہلی صورت کا کاف جو کسی غرض کے لیے آخر کلیمات میں بڑھایا جاتا ہے، کبھی اُس سے تصغیر مقصود ہوتی ہے جیسے آبک بمعنی قطرۂ آب اور کبھی تحقیر جیسے مردک یعنی مردِ خوار و ذلیل، اور کبھی تعظیم جیسے مام مادر اور مامک مادر بزرگ اور باب پدر اور بابک پدر بزرگوار۔ اور کبھی اظہار شفقت مقصود ہوتا ہے، جیسے طفلک اور فرزندک یعنی پیارا لڑکا اور پیارا بیٹا۔ اور کبھی نسبت کا فائدہ دیتا ہے، جیسے پروک یعنی چیستان اس کی اصل پرو مخفف پروہ ہے اور چیستان کو پروہ سے جو نسبت ہے سو ظاہر ہے۔ اور کبھی تشبیہ کا فائدہ دیتا ہے، جیسے چوشیدن (چوسنا) سے چوشک (کوزہ ٹونٹی دار)۔ اور کبھی زائدہ آتا ہے جیسے بالش اور بالشک (تکیہ) اور برنا اور برناک (جوان) اور کف اور کفک (ہتھیلی یا جھاگ) اور زاد اور زادک اور شلو اور شلوک (جونک)۔ اور رَو اور رکوک (ایک پاٹ کی چادر) اور پرستو اور پرستوک (نام جانور)۔ یہ حرف الف سے بھی بدلا گیا ہے جیسے کالفتہ اور آلفتہ (آشفتہ) اور لام سے جیسے تاوک اور تاول (گاوٗ خر جوان) اور تنبوک اور تنبول (کمان نرم)، اور میم سے جیسے بشک اور بشم (شبنم)، اور ہائے ہوز سے جیسے تارک اور تارہ (مانگ اور تریک اور تریہ (جو)۔

گ

اس حرف کو کافِ فارسی اور کافِ عجمی کہتے ہیں۔ بعضے کلمے جن کی اصل میں کاف تازی ہے ان کو اہلِ فارسی کاف فارسی سے پڑھتے ہیں اور اہلِ ماوراء النہر کافِ تازی سے، جیسے کشاد اور گشاد اور خیک اور خیگ اور فوک اور فوگ۔ یہ حرف بھی کاف تازی کی طرح آخر کلمات میں زائدہ آتا ہے جیسے غریژن اور غریژنگ (گل سیاہ) اور شن اور شنگ (شوخ)۔ اور الف سے بھی بدلا جاتا ہے جیسے گستاخ اور استاخ۔ اور کبھی بائے تازی سے جیسے گلغونہ اور بلغونہ (گلگونہ) اور گریون اور بریون (دار)۔ اور کبھی جیم تازی سے جیسے گوال اور جوال (نام ظرف پشمین)۔ اور کبھی دال مہملہ سے جیسے پرگار اور پردال۔ اس میں رائے مہملہ بھی لام سے بدل گئی ہے۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے گلیواج اور غلیواج (چیل) اور لگام اور لغام اور گلولہ اور غلولہ اور گلالہ اور غلالہ (زلف)۔ اور کبھی واوٗ سے جیسے گل اور وُل (جل کا سوب) اور گلگونہ اور ولغونہ۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے اسپ گوش اور اسپیوش (اسپغول) اور پوردگان اور پوردیان (نام خمسۂ مسترقہ) اور ادزگون اور ادزیون (لالہ کی ایک قسم ہے) اور دزگون اور زدیون اور گلگون اور گلیون (نام اسپ

شیریں)۔

ل

اس حرف کو لام کہتے ہیں۔ شعرا زلف معشوق کو اس حرف سے بھی تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا خاصہ یہ ہے کہ کبھی رائے مہملہ سے اور کبھی کاف تازی سے بدلا جاتا ہے۔ جیسے الوند اور اروند (نام کوہ) اور لوچ اور کوچ (احول)۔

م

اس حرف کو میم کہتے ہیں۔ یہ حرف افعال میں صیغۂ واحد اور جمع، نہی حاضر کے اول آتا ہے اور نہی کے معنی دیتا ہے: جیسے میا اور میار اور مکو اور مکن اور میارید اور مگوئید اور مکنید۔ اور بعض اہل زبان اسموں کے اول بھی میم نہی لاتے ہیں جیسے ناصر خسرو نے کہا ہے:

بر راہ امام خود ہمی نازو ۔۔۔ او را مشناس و مہ امامش را

ترجمہ: اپنے امام کی راہ پر گھمنڈ کرتا ہے۔ نہ اس کو پہچان اور نہ اس کے امام کو۔

دیکھو یہاں میم نہی اسم یعنی لفظ امامش پر آیا ہے۔ اور میم کے آخر میں ہائے مختفی صرف لکھنے میں آتی ہے، پڑھنے میں نہیں آتی، جس طرح نون نفی ہے (ہ) کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ اور خاقانی کہتا ہے:

چو صرع آمیخت با عقلے ۔۔۔ مہ سرباد و مہ دستارش

ترجمہ: جہاں عقل کے ساتھ صرع مل جائے نہ اس کا سر ہے نہ دستار۔

مگر میم افعال اور میم اسما میں اتنا فرق ہے کہ وہاں صیغہ نہی سے جدا نہیں لکھا جاتا اور یہاں اسم سے جدا لکھا جاتا ہے جس طرح 'چہ' اور 'کہ' اور 'نہ' لکھے جاتے ہیں۔ اور آخر افعال میں یہ حرف ضمیر واحد متکلم پڑتا ہے۔ چنانچہ دوسرے باب میں مفصل مذکور ہوگا۔ اور اسموں کے اخیر میں نسبت کے معنی بھی دیتا ہے جیسے نیلم (نام جواہر) یعنی رنگ میں نیل سا۔ اور اسمائے عدد کے اخیر میں مل کر صفت کے معنی پیدا کرتا ہے جیسے یکم (پہلا) اور دوم (دوسرا) اور دہم (دسواں) اور بستم (بیسواں)۔ اور کہیں کہیں یہ حرف علامتِ تانیث بھی آیا ہے: جیسے تیر بمعنی برگزیدہ اور تیرم زنِ برگزیدہ، اور بیگ کا مونث بیگم اور خان کا مونث خانم۔

ابدال اس کا کئی حرفوں سے ہوتا ہے۔ کبھی خائے معجمہ سے جیسے برم اور برخ

(تالاب)۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے پیان اور پیمانہ اور پیغان اور پیغانہ۔ اور کبھی فے سے جیسے مخیز اور فخیز (مہمیز)۔ اور کبھی نون سے جیسے تخیم اور تخین (برگستوان اور مکان کی چھت) اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے تارم اور تارہ (جس کا معرب طارم ہے یعنی انگوروں کی ٹٹیاں)۔ اور اسموں کے آخر میں زائدہ بھی آتا ہے، جیسے ازبر اور ازبرم (حفظ و یاد) اور چرا اور چرام (چرنا)۔ آمدن اور آمد کا میم مضارع اور امر میں یائے تحتانی سے بدل جاتا ہے، جیسے آید اور بیای۔

ن

اس حرف کو نون کہتے ہیں۔ یہ حرف نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اور فعلوں کے اول آتا ہے تو فعل منفی کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے جیسے نیامد اور نیاید اور نکرد اور نکند۔ اور اسموں کے اول میں ہائے ہوز کے ساتھ جدا لکھا جاتا ہے جیسے نہ زید آمد نہ عمرو۔ اور صفات کے اول میں الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جیسے نادان اور ناشناس اور نادانی اور ناشناسی اور ناواقف اور نامحرم۔ اور یہ صرف میم نہی کے معنی بھی دیتا ہے، مگر صیغۂ نہی پر نہیں آتا، صیغۂ مضارع پر آتا ہے، جیسے نباید بمعنی مبادا اور نماند بمعنی ممانادا اور نیائی بمعنی میا اور نکنی بمعنی مکن۔ اور کہیں کہیں نسبت کے لیے بھی آتا ہے جیسے درزن بمعنی سوزن (یعنی منسوب بہ دَرْز کیونکہ دوز جھری کو کہتے ہیں) اور جوشن بمعنی زرہ (جوش حلقے کو کہتے ہیں اور جوشن حلقے والی چیز)۔ اور اسموں کے وسط میں اور آخر میں زائدہ بھی آتا ہے، جیسے اندر خورد اور اندر خورند (یعنی درخور اور لائق) اور ہمگان اور ہمگنان (جمع ہمہ) اور پاداش اور پاداشن اور گذارش اور گذارشن اور زلیف اور زلیفن (ڈرانا) اور سو اور یکسو اور سون اور یکسون۔

جس کلمے میں نون اور بے یا نون اور کاف ایک جگہ واقع ہوں تو ان دونوں کو صرف ایک میم سے بدل لیتے ہیں۔ جیسے گلبانگ اور گلبام اور سُنب اور سُم اور دُنب اور دُم اور خُنب اور خُم اور کُنب اور کُم (اس کا معرب قُم ہے نام شہر) اور انبرود اور امرود (معروف ہے)۔ یہ حرف کئی حرفوں سے بدلا جاتا ہے: کبھی لام سے جیسے نیلوفر اور لیلوفر اور چندن اور چندل (صندل اس کا معرب ہے)۔ اور کبھی میم سے جیسے رازیان اور رازیام (سونف) اور وژن اور وژم (آشفتہ)۔ اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے کران اور کراہ (طرف اور کنارہ) اور چونان اور چوناہ (مترادف آنچنان)۔ اور کبھی ہائے مختفی سے جیسے مرزن اور مرزہ (چوہا)۔

و

اس حرف کا نام واؤ ہے۔ اس کی تین قسمیں ہیں: واؤ مجہول جیسے گور کا واؤ، اور واؤ معروف جیسے دُور کا واؤ اور واؤ معدولہ جیسے خویش کا واؤ اور خواب کا واؤ۔ اور تعریف تینوں قسموں کی ''مقدمہ'' میں لکھی گئی ہے۔ واؤ معدولہ ہمیشہ خائے معجمہ کے بعد واقع ہوتا ہے جیسے خویش بروزن بیش اور خود بر وزن بُد اور خواب بروزن آب اور خواجہ بروزن لابہ اور خواستن بروزن داشتن اور خوان بروزن نان۔

اس واؤ کے ماقبل کی حرکت پہچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر اس کے بعد الف یا بائے فارسی یا دالِ مہملہ یا رائے مہملہ یا شین معجمہ یا ہائے ہوز ہو تو جانو کہ اس کا ماقبل مفتوح ہے: جیسے خواب اور خوپلہ (نادان) اور خوداس خورد اور خوش بر وزن بس اور خوہلہ (کج) لیکن چونکہ واؤ میں ضمہ کی بو ہے اس لیے جس طرح خوش آتش کا قافیہ اور خورد ورد کا قافیہ ہے، اسی طرح کبھی کبھی خوش کا قافیہ ہش اور خورد کا قافیہ برد بھی آتا ہے۔ اور اگر واؤ معدولہ کے بعد یائے تحتانی ہو تو جانو کہ ماقبل اس کا مکسور ہے: جیسے خویش اور خوید بروزن عید (کچی کھیتی)۔ اور خوید بروزنِ بعید جو مستعمل ہوا ہے، وہ جدا لغت ہے۔ مگر اسی کا مترادف ہے بلکہ خید بدون واؤ کے بھی اس معنی میں آیا ہے۔

بعض کلموں میں دو واؤ پڑھے جاتے ہیں اور ایک واؤ لکھا جاتا ہے۔ جیسے طاوس اور کاوس اور چاوش اور سیاوش۔ بعض جگہ واؤ نسبت کے معنی بھی دیتا ہے جیسے ہندو یعنی ہند کا رہنے والا اور ریشو یعنی بڑی داڑھی والا اور شاشو یعنی پیشاب بار بار کرنے والا۔ اور کہیں زائدہ بھی آتا ہے۔ جیسے برومند اور تنومند۔ اور کہیں الف سے بدلا جاتا ہے جیسے فروغ اور فراغ بمعنی روشنی، اور کوس اور کاس (نقارہ)۔ اور کہیں بائے تازی سے جیسے نوشتن اور نبشتن۔ اور کہیں بائے عجمی سے جیسے وام اور پام۔ اور کہیں شین معجمہ سے جیسے خدیو اور خدیش (خداوند)۔ اور کہیں فے سے جیسے یاوہ اور یافہ (بیہودہ)۔ اور کبھی میم سے جیسے وایہ اور مایہ (حاجت) اور پروا سیدن اور پرماسیدن (کسی چیز پر ہاتھ پھیرنا)۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے ہوز اور ہیز (آوازِ تند) اور انگور اور انگیر۔

ہ

اس حرف کو ہائے ہوز کہتے ہیں۔ فارسی میں اس کی دو قسمیں ہیں: ملفوظہ جیسے مہ اور زہ

اور زرہ اور گرہ کی ہے (ہ) اور غیر ملفوظہ جیسے اندیشہ اور پیشہ اور آبلہ کی ہے (ہ)۔ اور اس کو ہائے مختفی بھی کہتے ہیں۔ کلمے کے آخر کی ہائے ملفوظہ جمع کی حالت میں اپنے حال پر رہتی ہے: جیسے مہان اور کہان اور زرہ ہا اور گرہ ہا۔ اور کاف تصغیر کے ملنے سے مفتوح ہو جاتی ہے، جیسے رہک اور زرہک۔ ہائے ملفوظہ زائدہ بھی آتی ہے: کبھی اول میں جیسے میان اور ہمیان (کمر) اور کبھی وسط میں جیسے رستم اور رہتم اور زردشت اور زردہشت۔ اور کبھی آخر میں جیسے دیباہ اور شناہ۔

جس اسم جامد کے آخر میں ہائے ملفوظہ ہو، اور اس سے پہلے الف ہو، اگر وہ اسم بغیر الف کے بھی برتا گیا ہے تو جانو کہ وہ ہے (ہ) اصلی ہے: جیسے چاہ اور کاہ اور ماہ اور راہ اور چہ اور کہ اور مہ اور رہ۔ ہاں مگر ایک لفظ داہ (کنیز) کہ اس میں باوجودیکہ ہے (ہ) اصلی ہے مگر اس کا الف کبھی حذف نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اسم بغیر الف کے نہیں برتا گیا تو جانو کہ وہ ہے (ہ) زائدہ ہے جیسے دیباہ اور دوتاہ اور برناہ اور اشناہ (دونوں کے معنی شناوری)۔ اور بعضے لفظ ایسے ہیں کہ ان کی ہے (ہ) کو اصلی بھی کہہ سکتے ہیں اور زائدہ بھی، جیسے گواہ اور گیاہ اور پادشاہ اور کلاہ اور سیاہ، کیونکہ یہ الفاظ بغیر الف کے بھی آتے ہیں اور بغیر ہے (ہ) کے بھی، جیسے گوا اور گیا اور پادشا اور کلا اور سیا اور گوہ اور گیہ اور پادشہ اور کلہ اور سیہ۔

ازرقی: زمرد و گیہ سبز ہر دو ہمرنگند

کمال: ز صبح تیغ تو گردد بیک نفس رسوا
اگرچہ ساز و خصمت شب سیا پردہ

حافظ: وام حافظ بگو کہ باز دہد
کردۂ اعتراف و ما گوہیم

ان تینوں سندوں سے ثابت ہے کہ گیہ بغیر الف کے اور سیا بغیر ہے (ہ) کے اور گوہ بغیر الف کے گیاہ اور سیاہ اور گواہ کے معنی میں آئے ہیں۔ باقی الفاظ مشہور ہیں، سند کے محتاج نہیں۔

ہائے مختفی ہمیشہ آخر کلمات میں آتی ہے اور جمع الف اور نون کے ساتھ آتی ہے۔ اس میں کاف فارسی سے بدل جاتی ہے، جیسے بندہ اور بندگان اور خواجہ اور خواجگان۔ اور جو جمع ہائے ہوز اور الف کے ساتھ آتی ہے اس میں حذف کی جاتی ہے، جیسے جامہ اور جامہا اور خامہ اور خامہا۔ اور اضافت میں ہمزہ سے بدل جاتی ہے، جیسے جامۂ من اور خامۂ من۔ اور تصغیر کی حالت

میں اور یائے مصدری کے ملنے سے بھی کاف فارسی کے ساتھ بدل جاتی ہے، جیسے جامہ اور جامگی اور بندہ اور بندگی اور خواجہ اور خواجگی۔ اور کبھی نسبت کے معنی میں رہتی ہے، جیسے دندان اور دندانہ (یعنی مشابہ بہ دندان) اور دست اور دستہ (یعنی مشابہ بدست)۔ اور زائد بھی آتی ہے، جیسے خان اور خانہ اور جان اور جانہ۔ اور بعض جگہ جن کلموں کا حرف اخیر حذف کیا گیا ہے، وہاں ماقبل حرف محذوف کا فتحہ ظاہر کرنے کے لیے بھی ہائے مختفی کو آخر میں لاتے ہیں جیسے برہمن اور برہمہ اور کوکن اور کوکہ۔

ہائے ہوز کئی حرفوں سے بدلی جاتی ہے۔ کبھی الف سے جیسے ہرمزد اور ارمزد (نام ستارہ) اور ہیچ اور ایچ اور کبھی بائے تازی سے جیسے کوہہ اور کوبہ (موج) اور ہندخ اور بندخ (چالاک گھوڑا)۔ اور کبھی بائے فارسی سے جیسے کوہ اور کوپ (پہاڑ)۔ اور کبھی جیم تازی سے جیسے ناگاہ اور ناگاج اور ماہ اور ماج۔ اور کبھی خائے معجمہ سے جیسے ہلالوش اور خلالوش (آشوب وغوغا) اور ہستو اور خستو (معترف) اور ہیز اور خیز (مخنث)۔ اور کبھی دال مہملہ سے جیسے شنبہ اور شنبد (ہفتے کا پہلا دن) اور زین کوبہ اور زین کودہ (قربوس) اور کبھی سین مہملہ سے جیسے راہ اور راس (دستہ)۔ اور کبھی غین معجمہ سے جیسے ملہم اور ملغم (مرہم)۔ اور کبھی کاف تازی سے جیسے پوتہ اور پوتک (خزانہ) اور پروانہ اور پروانک (پتنگا)۔ اور کبھی لام سے جیسے چاہ زنخ اور چال زنخ۔ اور کبھی میم سے جیسے باسرہ اور باسرم (جو زمین کھیتی کے لیے سنواری جائے) اور پناہ اور پنام (تعویذ)۔ اور یائے نسبت کے ملنے سے واؤ سے بھی بدل جاتی ہے، لیکن یہ قاعدہ عربی سے ماخوذ ہے؛ جیسے کرہ اور کروی اور تنہ اور تنوی۔ اور کبھی یائے تحتانی سے جیسے راہگاں اور رایگان (سہل و مفت) اور شاہگان اور شایگان (سزاوار و لائق و خوب) اور فربہ اور فربی اور بدرہ اور بدری (تھیلی) اور دُردہ اور دُردی (تلچھٹ)۔

ی

اس حرف کو مثناۃ تحتانی کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں؛ یائے معروف جیسے لفظ آری کی 'یے' اور یائے مجہول جیسے لفظ کسے کی 'یے'۔ جس طرح عربی میں یائے تحتانی نسبت کے معنی دیتی ہے، اسی طرح فارسی میں یائے معروف نسبت کے لیے آتی ہے۔ لیکن عربی میں مشدد ہوتی ہے، فارسی میں ساکن؛ جیسے رومی اور زنگی اور ایرانی اور ہندی۔ یائے نسبت فارسی میں اکثر اُسی

طور پر آتی ہے جس طرح عربی میں آتی ہے: مثلاً لفظ ہرا کہ ایک شہر کا نام ہے۔ جب اس میں یائے نسبت ملائیں گے تو ہروی ہو جائے گا۔ یعنی الف ہرا کا واؤ سے بدل جائے گا۔ یہی دستور عربی کا ہے۔ ہاں کہیں کہیں فارسی میں اصول عربی کے خلاف بھی آئی ہے؛ جیسا کہ اسی حصے کے تیسرے باب میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

اور کبھی یائے معروف آخر اسما میں زائدہ بھی آتی ہے، جیسے ارمغان اور ارمغانی اور زبان اور زبانی۔ یہ کچھ فارسی اسموں کی خصوصیت نہیں بلکہ فارسی والوں نے عربی لفظوں میں بھی اس کی زیادتی جائز رکھی ہے: جیسے غلط اور غلطی اور فضول اور فضولی۔ اور کبھی وسط کلمات میں بھی زائدہ آتی ہے جیسے کارگر اور کاریگر اور گلگر اور گلیگر (گلکار)۔ اور کبھی اسم جامد یا اسم فاعل یا اسم مفعول یا صفتِ مشبہ کے آخر میں مل کر مصدر کے معنی بھی دیتی ہے؛ جیسے بندگی اور خواجگی اور بزرگی اور شناسندگی اور ساختگی اور دانائی اور گویائی۔

یائے تحتانی تین حرفوں سے بدل جاتی ہے: کبھی دال مہملہ سے جیسے رویند اور رووند اور بنیاد اور بنداد اور کبھی لام سے جیسے نال اور نای (بمعنی نے) اور کبھی ہائے ہوز سے جیسے رویندہ اور روہندہ اور خوی اور خوۃ (پسینا)۔

تنبیہ: یہاں تک حروفِ تہجی کے احکام لفظی، جو علم صرف کے متعلق تھے، بیان کیے گئے اور احکام معنوی دوسرے حصے کے تیسرے باب میں بیان کیے جائیں گے۔

دوسرا باب

مصدر اور مشتق کے بیان میں

جو کلمے مصدر سے علاقہ رکھتے ہیں ان کی بارہ قسمیں ہیں:

حاصل مصدر۔ ماضی ۔ مستقبل۔ مضارع۔ حال۔ امر۔ نہی۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ صفتِ مشبہ۔ ظرف۔ آلہ۔ مصدر اور متعلقات مصدر کا حال جدا جدا بیان کیا جاتا ہے۔

مصدر:

مصدر وہ کلمہ ہے جس میں کچھ تغیر و تبدل کرنے سے ایسے کلمے پیدا ہوں جو معنی مصدری کے سوا اَور معنوں پر بھی دلالت کریں؛ مثلاً کردن مصدر ہے، اس میں سے جب نون حذف کیا تو 'کرد' رہا۔ 'کرد' میں ایک تو معنی مصدری کا پرتو ہے، یعنی اُس کا ترجمہ 'کرنا' تھا۔ اس کا ترجمہ 'کیا' ہے۔ دوسرے ایک زمانہ بھی اس سے مفہوم ہوتا ہے جو مصدر سے نہیں ہوتا۔ اِس اعتبار سے عربی والے مصدر کو مشتق مِنہُ اور جو کلمے اس سے نکلتے ہیں ان کو مشتق کہتے ہیں۔

فارسی مصدروں کے آخر ہمیشہ دال مفتوح یا تائے مفتوح اور نون ساکن ہوتا ہے۔ لیکن وہ نون ساکن جن کے حذف کرنے سے صیغۂ ماضی باقی رہ جائے اور جو کلمہ ایسا نہ ہو وہ مصدر نہیں، جیسے گردن اور اردن (کفگیر) اور آبستن (حاملہ عورت) ان لفظوں کو مصدر نہیں کہہ سکتے، کیونکہ ان کا نون گرانے سے صیغۂ ماضی باقی نہیں رہتا۔ ہاں زدن اور کردن اور رفتن اور نشستن کو مصدر کہیں گے کیونکہ ان کا نون گرانے سے فعل ماضی باقی رہ جاتا ہے: یعنی زد اور کرد اور رفت اور نشست۔

دوسری پہچان مصدر کی یہ ہے کہ اس کا ترجمہ ہندی زبان میں کیا جائے تو اس ترجمے

کے اخیر میں ہمیشہ نون اور الف ہو؛ جیسے زدن کا ترجمہ مارنا اور کردن کا ترجمہ کرنا اور سوختن کا ترجمہ جلانا اور نشستن کا ترجمہ بیٹھنا۔

مصدروں کے وزن فارسی میں غیرمحدود ہیں۔ ان کی تفصیل کتبِ لغت سے طلب کرنی چاہیے۔ اصول فارسی سے جس قدر مصدر کا بیان علاقہ رکھتا ہے، وہ یہ ہے کہ مصدر کی ماہیت اور اس سے اور صیغے نکالنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔ سو یہاں اسے قدر بیان کیا جائے گا، اور مشتقاتِ سماعی کے ساتھ میں کچھ مصادرِ متعارفہ بھی لکھے جائیں گے۔

مصدر کی دو قسمیں ہیں: لازمی اور متعدی۔ لازمی وہ ہے جو فاعل پر ہی تمام ہو جائے مفعول کو نہ چاہے۔ اور جب فاعل کو اس کے ماضی کے ساتھ لائیں اور اس کا ترجمہ ہندی زبان میں کریں تو فاعل کے آگے لفظ 'نے' آ کر نہ پڑے۔ جیسے آمدن اور رفتن اور استادن اور نشستن۔ دیکھو ان چاروں مصدروں کا مضمون نرے فاعل ہی پر تمام ہو جاتا ہے، مفعول کو نہیں چاہتا اور ان کے ماضی کے ساتھ جو فاعل لایا جاتا ہے ترجمہ ہندی میں اس کے آگے لفظ 'نے' آ کر نہیں پڑتا مثلاً زید آمد زید آیا اور عمرو رفت عمرو گیا اور وقت شد وقت گیا اور یار برگشت یار پھر گیا۔

متعدی وہ مصدر ہے جو فاعل پر تمام نہ ہو بلکہ مفعول کو بھی چاہے۔ اور جب فاعل کو اس کے ماضی کے ساتھ لائیں اور اس کا ترجمہ ہندی زبان میں کریں تو فاعل کے آگے اکثر لفظ ''نے'' آ کر پڑے جیسے زدن اور کشتن اور دیدن اور دانستن۔ دیکھو ان چاروں مصدروں کا مضمون بدون مفعول کے ناتمام ہے۔ یعنی جب تک ''زید زد'' اور ''عمرو کشت'' اور ''یار دید'' اور ''دل دانست'' میں یہ ذکر نہ کیا جائے کہ کس کو مارا یا کس کو مار ڈالا یا کیا دیکھا یا کیا جانا، تب تک ان مصدروں کے معنی تمام نہ ہوں گے۔

ہاں مگر بعضے مصدر متعدی ایسے بھی ہیں جن کے ہندی ترجمے میں یہ بات نہیں پائی جاتی جیسے آوردن اور بردن مثلاً ''نخل بار آورد'' اور ''زید عمرو را از راہ برد'' اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ درخت پھل لایا اور زید عمرو کو راہ سے لے گیا۔ پہلے جملے میں فاعل درخت ہے اور دوسرے میں زید۔ دونوں کے ساتھ لفظ ''نے'' نہیں آیا۔ لیکن کوئی مصدر متعدی ایسا نہیں جو فاعل ہی پر تمام ہو جائے اور مفعول کو نہ چاہے۔

متعدی کی تین قسمیں ہیں؛ ایک وہ جس کو واضع نے متعدی ہی وضع کیا ہے، جیسے کردن

اور خوردن اور آوردن اور بردن۔ دوسرے وہ جس کی وضع لازمی ہو۔ پھر اس میں کچھ تصرف کر کے متعدی بنا لیا ہو۔ جیسے ترسیدن سے ترساندن اور ترسانیدن۔ تیسرے جو اصل وضع کی رو سے ایک مفعول کو چاہتا ہو، پھر اس میں کچھ تصرف کیا تو دو مفعولوں کو چاہنے لگا۔ جیسے شستن سے شویانیدن اور دوزیدن سے دوزانیدن۔

بعضے مصدر ایسے بھی ہیں جن کو واضع نے لازمی اور متعدی دونوں معنی کے لیے وضع کیا ہے۔ جیسے کشادن: کھلنا اور کھولنا اور ریختن: گرنا اور گرانا۔ ایسے مصدر کو مصدر مشترک کہتے ہیں۔

مصدر کی ایک قسم ہے جس کو مصدر مرکب کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مصدر کے ساتھ کسی حرف یا اسم کو ملا کر بولیں اور اس سے ایک معنی خاص مراد لیں؛ کہیں تو ظاہر قیاس کے موافق جیسے گوش کردن: سننا اور کہیں اس کے خلاف جیسے تن زدن: چپ ہو رہنا۔ اس قسم کے مصدروں کو مصطلحات فارسی کہتے ہیں اور ان کی گنتی حد شمار سے زیادہ ہے۔

مصادرِ مفرد اس کثرت سے مستعمل نہیں جو مصادر مرکب مستعمل و متعارف ہیں۔ ''بحار عجم'' اور ''مصطلحات الشعرا'' میں اس قسم کے مصدروں کو بہت ڈھونڈ ڈھونڈ کے لکھا ہے۔ ایسے مصدروں سے بھی ماضی اور مضارع وغیرہ مشتق ہوتے ہیں۔ یہاں اشتقاق کا طریقہ یہ ہے کہ حرف یا اسم جو مصدر کے ساتھ ملا ہوا ہے، اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور مصدر سے ہر صیغہ انھی قاعدوں کے موافق جو مصادر مفردہ کے بیان میں ذکر کیے جائیں گے، بنا لیں۔ مثلاً گوش کردن سے ماضی: گوش کرد، گوش کردند، گوش کردی، گوش کردید، گوش کردم، گوش کردیم۔ مضارع: گوش کند، گوش کنند، گوش کنی، گوش کنید، گوش کنم، گوش کنیم، اور امر: گوش کن، گوش کنید اور نہی: گوش مکن، گوش مکنید، اور اسم فاعل: گوش کنندہ، گوش کنندگان اور اسم مفعول: گوش کردہ، گوش کردگان، اور سب مصدروں کو اسی پر قیاس کر لو۔

فارسی والوں نے بعضے مصدر یا مشتقات ایسے بھی برتے ہیں جو عربی مصدروں سے بنائے گئے ہیں؛ جیسے طلب سے طلبیدن اور طلبید اور طلبد اور بطلب اور مطلب اور طلبندہ اور طلبیدہ۔ اور رقص سے رقصیدن اور رقصید اور رقصد اور برقص اور مرقص اور رقصندہ۔ طلوع سے طلوعیدن اور سیر سے بسیر اور مے سیر اور تمیز سے تمیزد۔ بعضے لوگوں نے ظرافت کی راہ سے عربی یا فارسی کے اسمائے جامد سے بھی بعضے مصدر گھڑ لیے ہیں، مگر ان کا اتباع اَور کو جائز نہیں جیسے ملک سے

مکیدن اور مدینہ سے مدنیدن اور ابا بکرؓ سے ابا بکریدن اور عمرؓ سے عمریدن (یعنی مکہ اور مدینہ اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کی زیارت کرنی) اور طواف سے طوفیدن اور مکر سے مکریدن اور دیر سے دیریدن اور چراغ سے چراغیدن۔ اگرچہ یہ سب گھڑے ہوئے مصدر ہیں لیکن اول کے دو مصدر بلکہ فہم سے فہمیدن بھی مع جملہ مشتقات کے فارسی میں بہت مستعمل ہیں اور اصلی مصدروں کی طرح فصیح گنے جاتے ہیں۔ اخیر کے آٹھ مصدر نرے مجذوب کی بڑ ہیں اور بیچ کا ایک مصدر اور باقی مشتقات بہت کم مستعمل ہیں۔

مصدر لازمی کو متعدی یا متعدی کو دوسرے درجے کا متعدی بنانا یا مصدر مفرد کو مرکب بنانا یا عربی مصدروں سے فارسی مصدر یا مشتق بنانا یا اسم جامد سے اشتقاق کرنا محض سماع پر موقوف ہے۔ قیاس کو ان میں سے کسی بات میں دخل نہیں۔

اگر اسم جامد سے مصدر کے معنی لیا چاہیں تو اس کا دستور کلی یہ ہے کہ اس کے اخیر میں یائے معروف بڑھائیں اور حرف اخیر کو کسرہ دیں: جیسے بزرگ سے بزرگی اور خرم سے خرمی۔ اور اگر آخر میں ہائے مختفی ہو تو کاف فارسی سے بدل لیں: جیسے بندہ اور بندگی اور خواجہ اور خواجگی۔ اور اگر الف یا واؤ ہو تو ایک ہمزہ مکسور اور بڑھائیں: جیسے گدا اور گدائی اور بدخو اور بدخوئی۔

مصدر متعدی کی دو قسمیں ہیں: معروف، مجہول۔ معروف اُس مصدر کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف مسند ہو سکے جیسے بردن اور آوردن کیونکہ یہ دونوں مصدر کسی لے جانے والے یا لانے والے کی طرف مسند ہو سکتے ہیں۔ اور مجہول اُس مصدر کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف مسند نہ ہو سکے: جیسے بردہ شدن اور آوردہ شدن، کیونکہ یہ دونوں مصدر کسی لے جانے والے اور لانے والے کی طرف مسند نہیں ہو سکتے، بلکہ مفعول یعنی اس چیز کی طرف جس کو کوئی لے جائے یا جس کو کوئی لائے، مسند ہو سکتے ہیں۔ مصدر لازمی ہمیشہ معروف ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مفعول کی طرف مسند ہونے کی لیاقت ہی نہیں، بلکہ مصدر مجہول یوں بنتا ہے کہ مصدر معروف کے اسم مفعول پر لفظ شدن بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے کشتن سے کشتہ شدن اور گفتہ سے گفتہ شدن اور دیدن سے دیدہ شدن اور دانستہ سے دانستہ شدن۔ اور مجہول سے اور صیغے اسی طرح بنتے ہیں جس طرح مصدر مرکب سے بنتے ہیں۔ چنانچہ آگے فعل مجہول کی بحث میں اس کی صورت خاطر نشیں کی جائے گی۔

حاصل مصدر:

فاعل سے فعل صادر ہوتے وقت جو اس پر ایک حالت طاری ہوتی ہے، جو کلمہ اس حالت پر دلالت کرے اس کو حاصل مصدر کہتے ہیں۔ اور اس معنی کے لیے ہر زبان میں الفاظ موضوع ہوتے ہیں۔ مثلاً عربی میں ''خلط'' مصدر ہے اور ''خلطہ'' حاصل مصدر۔ اور فارسی میں اسی معنی پر پیوستن مصدر ہے اور پیوند حاصل مصدر۔ اور ہندی میں اسی معنی پر ملنا مصدر ہے اور میل اور ملاپ اور ملاؤ حاصل مصدر۔

اگرچہ حاصل مصدر ماخوذ مصدر ہی سے ہوتا ہے، مگر اس کے اشتقاق کرنے کا کوئی قیاسی طریقہ نہیں پایا جاتا، بلکہ ہر مصدر کے حاصل مصدر دریافت کرنے کے لیے اہل زبان سے سننے کی حاجت پڑتی ہے۔ لیکن زبان دانوں نے جو تفحص کیا تو یہ معلوم ہوا کہ حاصل مصدر کے صیغے کئی طور پر آتے ہیں۔ ایک یہ کہ صیغۂ امر کے آخر میں شین معجمہ لائیں اور امر کے آخر کو کسرہ دیں؛ جیسے مثلاً صیغۂ امر آرزیدن سے ارز اور بخشیدن سے بخش اور خاریدن سے خار اور خلیدن سے خل آتا ہے۔ جب ان چاروں کے آخر میں شین معجمہ بڑھایا اور ان کے حرف اخیر کو کسرہ دیا تو ارزش اور بخشش اور خارش اور خلش ہوگیا۔ بعضوں کے کلام میں اسی حاصل مصدر کے شین کا ماقبل مفتوح بھی دیکھا گیا ہے مگر بہت کم، اور وہ بھی بہ ضرورت۔ بات وہ ہی ہے جو اوپر لکھی گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ اسم فاعل یا اسم مفعول یا صفت مشبہ کے آخر یائے تحتانی لائیں اور اس سے پہلے ہائے ہوز ہو تو اس کو کاف فارسی مکسور سے بدلیں، اور الف ہو تو الف کے بعد ایک ہمزۂ مکسور بڑھا دیں جیسے رخشندگی اور افتادگی اور توانائی۔

تیسرے، محض صیغۂ ماضی بھی حاصل مصدر کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے؛ جیسے آمد اور آورد اور گفت اور کرد اور دوخت اور افتاد اور دید اور دانست اور پرداخت اور شناخت۔

چوتھے، محض صیغۂ امر بھی حاصل مصدر کے معنی دیتا ہے؛ جیسے ساز اور سوز اور گداز اور ستیز اور آمیز اور گریز اور پرواز اور بخش۔

پانچویں، کبھی ایک باب کے ماضی اور امر مل کر بھی حاصل مصدر کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے گفتگو اور جستجو اور شست شو اور کشت کار۔

چھٹے، کہیں ایک باب کے ماضی کو مکرر لانا بھی حاصل مصدر کے معنی دیتا ہے؛ جیسے ''آمد آمد''۔

ساتویں، کہیں ایک باب کے امر کی تکرار بھی یہی فائدہ دیتی ہے؛ جیسے کاو کاو اور نمانما اور خار خار بمعنی کاوش و نمائش و خارش۔

آٹھویں، کبھی ایک باب کی ماضی اور دوسرے باب کا امر مل کر دونوں بابوں کے حاصل مصدر کے معنی دیتے ہیں، جیسے جست و خیز لیکن ایسی جگہ واؤ عاطف لانا ضروری نہیں جیسے رست خیز بغیر حرف عطف کے آتا ہے۔

نویں، کبھی دو بابوں کی ماضیاں مل کر دونوں کے حاصل مصدر کا فائدہ دیتی ہیں؛ جیسے آمد و رفت اور آمد و شد۔ یہاں بھی واؤ عاطفہ لانا بہتر ہے۔ اور آمد شد بھی آیا ہے۔

دسویں، دو بابوں کے امر مل کر بھی دونوں کے مصدر کی جگہ آتے ہیں جیسے پرس و جو۔

گیارہویں، ماضی کے آخر میں لفظ ''ار'' زیادہ کرنے سے بھی حاصل مصدر بن جاتا ہے۔ جیسے کردار اور گفتار اور رفتار اور دیدار۔

ماضی:

ماضی اُس کلمے کو کہتے ہیں جس کی ہیأت زمانۂ گذشتہ پر اور مادہ معنی مصدری پر دلالت کرے۔ سمجھدار لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس تعریف سے لفظ 'دوش' اور 'دیروز' اور 'پار' اور سوا ان کے اسمائے زمان، جو زمانۂ گذشتہ پر دلالت کرتے ہیں، نکل گئے، کیونکہ ان اسموں کا مادہ اور ہیأت دونوں زمانۂ گذشتہ ہی پر دلالت کرتے ہیں۔ (مادہ حرفوں کی ذات سے مراد ہے اور ہیأت وہ جو حرکات اور سکنات سے حرفوں کو عارض ہو: مثلاً درد اور دود کا مادہ واحد ہے اور ہیأتیں مختلف)۔

فارسی میں ماضی کا صیغہ کئی صورت سے آتا ہے، اور متاخرین نے اس کو چھ قسموں میں حصر کیا ہے اور ہر قسم کا ایک جدا نام رکھا ہے: ماضی مطلق، ماضی قریب، ماضی بعید، ماضی احتمالی، ماضی استمراری، ماضی تمنائی (جس کو ماضی ناتمام بھی کہتے ہیں)۔

ماضی مطلق: وہ ماضی ہے جس سے یہ مفہوم ہو کہ فاعل سے یہ کام اب سے پہلے ہو

چکا۔ گھڑی بھر پہلے ہوا ہو یا ایک برس پہلے؛ جیسے آمد آیا اور آورد لایا اور رفت گیا اور دانست جانا۔ اس ماضی کا صیغہ صرف مصدر کا نون گرانے سے بن جاتا ہے۔ جیسے آمدن سے آمد اور آوردن سے آورد اور رفتن سے رفت اور دانستن سے دانست۔ اور کبھی اس کے آخر میں پائے مختفی بھی بڑھا دیتے ہیں: مثلاً آمد کی جگہ آمدہ اور آورد کی جگہ آوردہ اور رفت کی جگہ رفتہ اور دانست کی جگہ دانستہ۔

ماضی کی پانچ قسمیں جو باقی رہیں وہ سب ماضی مطلق سے بنتی ہیں۔

ماضی قریب: وہ ماضی جس سے یہ مفہوم ہو کہ فاعل سے یہ کام ابھی ہوا ہے۔ اس کے بنانے کا دستور یہ ہے کہ ماضی مطلق کے آخر میں پائے ہوز ملائیں اور اس کے ماقبل کو فتحہ دیں اور اس کے آگے حرف رابط بڑھائیں: جیسے آمد سے آمدہ است اور آورد سے آوردہ است اور رفت سے رفتہ است اور دانست سے دانستہ است۔

ماضی بعید: وہ ماضی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ فاعل سے یہ کام اب سے بہت پہلے ہو چکا۔ اس کے بنانے کا طریقہ وہی ہے جو ماضی قریب میں بیان کیا گیا مگر اتنا فرق ہے کہ جہاں اُس میں لفظ است آتا ہے وہاں اس میں بودن کا صیغہ ماضی یعنی بود آتا ہے جیسے آمد سے آمدہ بود اور آورد سے آوردہ بود اور رفت سے رفتہ بود اور دانست سے دانستہ بود۔

ماضی احتمالی: وہ ماضی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ فاعل یہ کام اب سے پہلے شاید کر چکا ہو۔ اس کے بنانے کا ضابطہ یہ ہے کہ جہاں ماضی قریب میں ''است'' اور ماضی بعید میں ''بود'' آتا ہے، اس ماضی میں وہاں ''باشد'' لانا چاہیے۔ جیسے آمد سے آمدہ باشد اور آورد سے آوردہ باشد اور رفت سے رفتہ باشد اور دانست سے دانستہ باشد۔

ماضی استمراری: وہ ماضی ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ فاعل اب سے پہلے یہ کام برابر کر رہا تھا۔ اس کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ ماضی مطلق پر لفظ ''می'' یا ''ہمی'' بڑھائیں جیسے آمد سے می آمد یا ہمی آمد اور آورد سے می آورد اور ہمی آورد اور رفت سے می رفت اور ہمی رفت اور دانست سے می دانست اور ہمی دانست۔

ماضی تمنائی: وہ ماضی ہے جس پر حرف تمنا لانے سے مفہوم ہو کہ فاعل اب سے پہلے یہ کام کرتا تو اچھا تھا۔ اس کے بنانے کا ردیہ یہ ہے کہ ماضی مطلق کے آخر میں یائے مجہول

بڑھائیں جیسے آمد سے آمدے اور آورد سے آوردے اور رفت سے رفتے اور دانست سے دانستے۔ اور جو کہ بغیر حرف تمنا یا حرف شرط وغیرہ کے اس ماضی کے معنی ناتمام رہتے ہیں، اس لیے اس کو ماضی ناتمام بھی کہتے ہیں۔

فائدہ: اکثر ماضی تمنائی ماضی استمراری کے صیغے پر اور ماضی استمراری ماضی تمنائی کے صیغے پر ہی آتے ہیں؛ مثلاً ''زید کاش براہ آمدے'' اور ''براہ مے آمد'' دونوں طرح بولنا درست ہے۔ اور ''زید بسوئے من مے دید'' اور ''بسوئے من دیدے'' دونوں محاورے صحیح ہیں۔

مستقبل:

مستقبل اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی ہیأت زمانۂ آیندہ پر دلالت کرے۔ یعنی جس سے یہ مفہوم ہو کہ فاعل یہ کام آیندہ کرے گا۔ اس کے بنانے کا قانون یہ ہے کہ ماضی مطلق یا مصدر پر خواستن کا مضارع یعنی لفظ خواہد بڑھائیں۔ جیسے آمدن سے خواہد آمد اور خواہد آمدن اور آوردن سے خواہد آورد یا خواہد آوردن اور رفتن سے خواہد رفت اور خواہد رفتن اور دانستن سے خواہد دانست یا خواہد دانستن۔

مضارع:

مضارع اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی ہیأت کبھی زمانۂ حال پر اور کبھی زمانۂ استقبال پر دلالت کرے، یعنی جس سے یہ مفہوم ہو کہ فاعل یہ کام اب کر رہا ہے یا آیندہ کرے گا۔ جیسے آمدن سے آید اور رفتن سے رود اور آوردن سے آرد اور دانستن سے داند۔

مضارع اگرچہ ماخوذ مصدر سے ہوتا ہے لیکن اس کے بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ آج تک کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔ اور ہم جو مضارع کو مصدر سے ماخوذ ٹھہراتے ہیں یہ بھی بہ ضرورت ہے، کیونکہ ہر زبان میں مصدر اصل ہے اور مضارع فرع، ورنہ اکثر بابوں میں جو دیکھتے ہیں تو مصدر فارسی کو مضارع سے کچھ مناسبت نہیں پاتے؛ جیسے دیدن کو بیند سے اور گشتن کو گردد سے اور کردن کو کند سے اور گفتن کو گوید سے کچھ مناسبت نہیں۔

مضارع میں کوئی امر قیاسی اس کے سوا نہیں پایا جاتا کہ اس کے آخر میں ہمیشہ دال مہملہ ماقبل مفتوح ہوتی ہے۔ اور اول میں ایک 'دیدن' و 'بینڈ' کے سوا اور ہر باب میں مصدر کے اول کا حرف ہوتا ہے۔ اس کے سوا مضارع کی معرفت محض اہل زبان کی بول چال سننے پر موقوف ہے۔ اس لیے ہم اَور مؤلفوں کی طرح مضارع کے اصول لکھنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ ہاں! مگر جہاں مصادر و مشتقات سماعیہ لکھے جائیں گے، وہاں ہر مصدر کے ساتھ اس کا مضارع بھی لکھا جائے گا۔ اور جہاں جہاں مصدر اور ماضی کے حرف مضارع اور امر میں دوسرے حرفوں سے بدلے جاتے ہیں ان کا ذکر پہلے باب میں اپنے اپنے موقع پہ کیا گیا۔

حال:

حال اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی ہیأت زمانۂ حال پر دلالت کرے؛ یعنی جس سے یہ مفہوم ہو کہ فاعل یہ کام اب کر رہا ہے۔ اس کے بنانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ جس طرح ماضی مطلق پر لفظ مے یا ہمے بڑھانے سے ماضی استمراری بنتی ہے، اسی طرح مضارع پر لفظ مے یا ہمے بڑھانے سے حال کا صیغہ بنتا ہے جیسے آید سے مے آید یا ہمے آید اور آرد سے مے آرد یا ہمے آرد اور رود سے مے رود یا ہمے رود اور داند سے می داند یا ہمے داند۔

فائدہ: حال کا صیغہ فعلِ مستقبل کے معنی بھی دیتا ہے بلکہ مستقبل کی جگہ حال کا استعمال بعضے جگہ نہایت فصیح گنا جاتا ہے؛ جیسے: ''فردا بخانۂ جناب می آیم'' یعنی خواہم آمد اور ''امشب تاسحر خواب نمی کنم'' یعنی نخواہم کرد اور ''بامداد بوطن باز می گردم'' یعنی باز خواہم گشت۔

تنبیہ: جس قسم کی ماضی یا مستقبل یا مضارع یا حال پر حرف نفی یعنی نون مفتوح لایا جائے گا اُس کو ماضی منفی اور مستقبل منفی اور مضارع منفی اور حال منفی کہیں گے۔ اور نہیں تو مثبت مثلاً: آمد اور آمدہ است اور آمدہ بود اور آمدہ باشد اور مے آمد اور آمدے ماضی مثبت کی قسمیں ہیں، اور خواہد آمد اور خواہد آمدن مستقبل مثبت ہے، اور آید مضارع مثبت ہے، اور می آید حال مثبت ہے، اور نیامد اور نیامدہ است اور نیامدہ بود اور نیامدہ باشد اور نمے آمد اور نیامدے ماضی منفی کی قسمیں ہیں اور نخواہد آمد اور نخواہد آمدن مستقبل منفی ہے، اور نیاید مضارع منفی ہے اور نمے آید حال منفی ہے۔

جس طرح فعل منفی پر نون نفی آتا ہے، اسی طرح فعل مثبت پر بائے زائدہ لے آتے ہیں۔ ان دونوں حرفوں کے آنے سے جس فعل کے اول کا حرف الف ہوگا، وہ یائے تحتانی سے بدلا جائے گا: جیسے آمد اور بیامد اور نیامد اور آورد اور بیاورد اور نیاورد اور افروخت اور بیفروخت اور نیفروخت اور اندود اور بیندود اور نیندود۔ نون نفی ہر صیغے کے اول لایا جاتا ہے۔ پس جس صیغے کے اول کوئی علامت بڑھائی گئی ہے، وہاں حرفِ نفی اُس علامت پر داخل ہوگا، نہ اصل صیغے پر، مگر بضرورت: مثلاً ماضی استمراری اور مستقبل اور حال کو حالتِ نفی میں بلاضرورت یوں نہیں بولتے کہ مے نیامد اور خواہد نیامد اور مے نیاید بلکہ یوں بولیں گے کہ نمی آمد اور نخواہد آمد اور نمی آید۔

امر:

امر اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی ہیأت طلب پر دلالت کرے یعنی جس سے یہ مفہوم ہو کہ متکلم کسی سے کچھ کام مانگتا ہے۔

امر کے پانچ صیغے یعنی واحد غائب، جمع غائب، جمع حاضر، واحد متکلم، جمع متکلم مضارع مثبت کے پانچوں صیغوں کی صورت پر آتے ہیں؛ مثلاً آید اور آیند اور آئید اور آیم اور آئیم جیسے مضارع مثبت کے صیغے ہیں، ویسے ہی امر کے صیغے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ امر کے صیغوں پر بائے زائدہ کا ہونا نہایت فصیح گنا جاتا ہے، بلکہ امر سے حذف نہیں کی جاتی مگر بضرورت اور مضارع پر نہیں لائی جاتی مگر بہ ضرورت۔ اور ہندی میں بھی یہ پانچوں صیغے مضارع اور امر کے یکساں آتے ہیں۔ لیکن جہاں مضارع کا موقع ہوتا ہے وہاں مضارع کے معنی لیے جاتے ہیں اور جہاں امر کا محل ہوتا ہے وہاں امر کے معنی لیے جاتے ہیں مثلاً: ''من اگرچہ بہ تنہا می روم اما میدانم کہ زید از پس من بیاید''۔ اس جملے میں من بیاید مضارع کے معنی دیتا ہے۔ اور ''من بمکہ می روم ہر کہ خواہد ہمراہ من بیاید'' اس جملے میں بیاید امر کے معنی دیتا ہے۔ اسی طرح ہندی میں ''میں اگرچہ تنہا جاتا ہوں مگر یقین ہے کہ کوئی دم میں زید بھی آئے''۔ اس جملے میں 'آئے' مضارع کے معنی دیتا ہے اور ''میں حج کو جاتا ہوں، جس کا جی چاہے میرے ساتھ آئے'' یہاں 'آئے' امر کے معنی دیتا ہے۔

رہا ایک صیغہ یعنی واحد امر حاضر، سو وہ صیغہ واحد مضارع حاضر کی یائے خطاب حذف

کرنے سے بنتا ہے اور اُس پر بھی بائے زائدہ الانی نہایت فصیح ہے، یہاں تک کہ بغیر ضرورت کے حذف کرنی گویا ناجائز ہے؛ جیسے آئی سے بیا اور آوری سے بیاور اور روی سے برو اور دانی سے بداں۔

بعض جگہ صیغہ واحد مضارع حاضر واحد امر حاضر کے معنی دیتا ہے۔ لیکن دونوں کے موارد استعمال میں فرق ہے۔ سو انشاء اللہ تعالیٰ تیسرے حصے میں مفصل بیان کیا جائے گا۔

امر مستمر: وہ امر ہے جس سے یہ مفہوم ہو کہ متکلم مخاطب کو کسی کام کی مداومت کا حکم کرتا ہے۔ اور اس کا ایک ہی صیغہ آتا ہے؛ یعنی واحد حاضر اور وہ صیغہ امر واحد حاضر پر لفظ 'مے' بڑھانے سے بن جاتا ہے؛ جیسے کن سے مے کن اور داں سے مے داں اور دہ سے مے دہ، بخش سے می بخش (کن اور دان اور دہ اور بخش کے معنی کر اور جان اور دے اور بخش۔ اور میداں اور میدہ اور می بخش کے معنی کرتا رہ اور جانتا رہ اور دیتا رہ اور بخشتا رہ)۔

بعض ابواب میں ماضی احتمالی بھی امر مستمر کے معنی دیتی ہے؛ جیسے: ''پرورده باشد'' (پالتا رہے وہ) ''پرورده باشند'' (پالتے رہیں وہ) ''پرورده باشی'' (پالتا رہیو تو) پرورده باشید (پالتے رہوتم) پرورده باشم (پالتا رہوں میں) پرورده باشیم (پالتے رہیں ہم) اور کبھی اس معنی کے لیے ماضی احتمالی پر بھی لفظ 'مے' بڑھا دیتے ہیں اور یہ زیادہ فصیح ہے۔ جیسے: ''مے پرورده باشد، مے پرورده باشند، مے پرورده باشی، مے پرورده باشید، مے پرورده باشم، مے پرورده باشیم'' اور صیغہ واحد امر حاضر مستمر جس طرح می پرورده باشی اور پرورده باشی آتا ہے، اسی طرح می پرورده باش اور پرورده می باش بھی آتا ہے۔

فائدہ: مضارع اور امر کے صیغوں پر جو بائے موحدہ زائدہ آتی ہے اس کے پڑھنے کا دستور یہ ہے کہ جہاں اصل صیغے کا پہلا حرف مضموم ہو یا 'ب' اور 'ف' اور 'م' اور 'و' ان چاروں حرفوں میں سے کوئی حرف ہو تو بائے زائدہ مضموم پڑھی جائے گی؛ جیسے بکند اور بکن اور بپند اور بپیں اور بفرماید اور بفرما اور بمالد اور بمال اور بورزد اور بورز اور اگر ان چاروں حرفوں کے سوا کوئی اور حرف مفتوح ہو یا مکسور تو بائے زائدہ مکسور پڑھی جائے گی جیسے بیا اور بزن اور بدہ اور بگیر۔

نہی:

نہی اُس فعل کو کہتے ہیں جس کی ہیأت منع پر دلالت کرے۔ یعنی جس سے یہ مفہوم ہو

کہ متکلم کسی کو کسی بات سے روکتا ہے۔

نہی کے چار صیغے یعنی واحد غائب، جمع غائب، واحد متکلم، جمع متکلم، مضارع منفی کے چاروں صیغوں کی صورت پر آتے ہیں۔ مثلاً: نیاید اور نیایند اور نیایم اور نیائیم جیسے مضارع منفی کے صیغے ہیں ویسے ہی نہی کے صیغے ہیں۔ اور ہندی میں بھی یہ چاروں صیغے مضارع اور نہی کے یکساں آتے ہیں۔ لیکن جہاں مضارع کا موقع ہوتا ہے وہاں مضارع کے معنی لیے جاتے ہیں اور جہاں نہی کا قرینہ ہوتا ہے وہاں نہی کے معنی لیے جاتے ہیں۔ مثلاً ''بخدا کہ زید بر راہ راست نیاید'' اس جملے میں نیاید مضارع منفی کے معنی دیتا ہے اور ''زید را بگو کہ دیگر بخانہ ما نیاید''۔ اس جملے میں نیاید نہی کے معنی دیتا ہے۔ اسی طرح ہندی میں ''یقین ہے کہ زید سیدھی راہ پر نہ آئے'' اس جملے میں 'نہ آئے' مضارع منفی کے معنی دیتا ہے اور ''زید سے کہہ دو کہ ہمارے ہاں پھر نہ آئے'' اس جملے میں نہ آئے نہی کے معنی دیتا ہے۔

رہے دو صیغے یعنی واحد حاضر اور جمع حاضر، سو پہلا ان میں سے اس طرح بنتا ہے کہ مضارع واحد حاضر کے اول میم نہی لائیں اور آخر سے یائے خطاب کو حذف کریں جیسے آئی سے میا اور آری سے میار اور رَوی سے مَرَو اور دانی سے مداں۔ اور دوسرا حرف مضارع جمع حاضر کے اول میم نہی لانے سے بن جاتا ہے۔ جیسے آئید سے میائید اور روید سے مروید اور آرید سے میآرید اور دانید سے مدانید۔ اور بعض جگہ ان دونوں صیغوں کے معنی میں مضارع منفی بھی برتا جاتا ہے؛ جیسے نیائی بمعنی میا اور نیائید بمعنی میائید۔ لیکن نفی کو نہی جگہ استعمال کرنا بلاوجہ جائز نہیں۔ چنانچہ تیسرے حصے میں مذکور ہوگا۔

تنبیہ: قیاس یوں چاہتا تھا کہ فعل کی چھ قسمیں جو مذکور ہوئیں ان میں سے ہر ایک قسم کے اٹھارہ اٹھارہ صیغے ہوتے، کیونکہ فاعل کی دو قسمیں ہیں مذکر، مؤنث، اور ان دونوں کی تین تین قسمیں ہیں: متکلم، حاضر، غائب، اور ان تینوں کی بھی تین تین قسمیں ہیں: واحد، تثنیہ، جمع۔ دو کو تین میں ضرب دیا تو چھ ہوئے۔ چھ کو تین میں ضرب دیا تو اٹھارہ ہوگئے مگر فارسی والے جو مذکر اور مؤنث میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے اور تثنیہ اور جمع کو ایک سمجھتے ہیں اس لیے بارہ بارہ صیغے ہر قسم میں سے کم ہوگئے اور ہر قسم کے چھ چھ صیغے باقی رہے۔ لیکن ماضی تمنائی جس کو ماضی ناتمام بھی کہتے ہیں اس کے کل تین صیغے اہلِ زبان سے سنے گئے ہیں یعنی واحد غائب جمع غائب واحد متکلم

مثلاً آمدن سے آمدے، آمدندے اور آوردن سے آوردے اور آوردندے اور آوردمے۔ اور تین صیغے جو باقی رہے ان کی جگہ ماضی استمراری برتی جاتی ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ ہر قسم کے چھ صیغوں میں سے ایک صیغہ واحد غائب اصل ہے اور باقی پانچوں صیغے اسی سے بنتے ہیں۔ اور ان کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر غائب میں جمع غائب کے لیے نون ساکن اور دال ساکن اور واحد حاضر کے لیے یائے معروف اور جمع حاضر کے لیے یائے مجہول اور دال ساکن اور واحد متکلم کے لیے میم ساکن اور جمع متکلم کے لیے یائے مجہول اور میم ساکن ملانا چاہیے۔ مثلاً آمدن سے ماضی مطلق کا واحد غائب آمد ہے، اس کا جمع غائب آمدند ہوا۔ اور واحد حاضر آمدے اور جمع حاضر آمدید اور واحد متکلم آمدم اور جمع متکلم آمدیم۔ اَور سب قسموں کو اس پر قیاس کر لو۔ ہاں مگر ماضی قریب میں ان سب علامتوں پر ایک الف اور بڑھایا جاتا ہے۔ مثلاً آمدہ است واحد غائب ہے، آمدہ اند جمع غائب ہوا اور آمدہ ای واحد حاضر اور آمدہ اید جمع حاضر اور آمدہ ام واحد متکلم اور آمدہ ایم جمع متکلم۔

اسم فاعل:

اسم فاعل وہ کلمہ ہے جس کی ہیأت اُس ذات پر دلالت کرے جس سے کوئی فعل واقع ہوا ہو۔ اس کے بنانے کا دستور یہ ہے کہ امر حاضر کا صیغہ واحد جو بائے زائدہ سے معرّا ہو، اس کے حرفِ اخیر کو مکسور کر کے نون ساکن میں ملائیں اور دال مہملہ مفتوح مع ہائے مختفی آخر میں لائیں، جیسے آر سے آرندہ اور دار سے دارندہ اور رو سے روندہ اور دان سے دانندہ۔ اور اگر امر کا حرف اخیر الف یا واؤ مدّہ ہو تو اس کے بعد یائے تحتانی بڑھا کر کسرہ اس کو دیں، جیسے 'آ' سے 'آیندہ' اور 'جو' سے 'جویندہ'۔ اور اگر یائے مدہ ہو تو اس کو حذف کریں، جیسے: 'زی' سے 'زندہ'۔ اسم کے ساتھ صیغۂ واحد حاضر یا صیغۂ نہی واحد حاضر ملانے سے بھی اسم فاعل بن جاتا ہے۔ پس اگر صیغۂ امر مصدر متعدی سے مشتق ہے تو اس کے بنانے کا قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ امر سے پہلے وہ اسم لائیں جو اس باب کے اسم فاعل کا مفعول ہو کر مضاف الیہ پڑ سکے، جیسے جاں گسل اور حوصلہ فرسا اور زہرہ گداز اور دل کشا یعنی گسلندۂ جاں اور فرسایندۂ حوصلہ اور گدازندۂ زہرہ اور کشایندۂ دل۔ اور اگر صیغۂ امر لازمی یا صیغہ نہی ہے تو اس کے بنانے کا کوئی دستور کلی نہیں۔ جو لفظ اہل زبان

سے سنے گئے ہیں ان کے سوا اور نہیں بنا سکتے۔ جیسے خود رو اور سبک رو اور تیز رو اور سبک خیز وغیرہ۔ اور کس مرنجاں اور ہیچمداں اور ہیچ مخرام اور کہنہ مشو وغیرہ۔ اور بعض جگہ اسم کو صیغۂ واحد غائب ماضی مطلق کے ساتھ ترکیب دے کر بھی اسم فاعل بنا لیا جاتا ہے، جیسے داد آفرید (نام باری تعالیٰ) بمعنی داد آفریں۔

اسمِ مفعول:

اسمِ مفعول وہ کلمہ ہے جس کی ہیأت اُس ذات پر دلالت کرے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا ہو۔ اس کے بنانے کا دستور یہ ہے کہ ماضیٔ مطلق کے حرفِ اخیر کو فتحہ دیں، خواہ وہ ماضی معروف ہو خواہ مجہول، اور اُس میں ہائے مختفی ملائیں، جیسے آورد سے آوردہ اور آوردہ شد سے آوردہ شدہ، اور کرد سے کردہ اور کردہ شد سے کردہ شدہ۔

اسمِ مفعول ہمیشہ مصدر متعدی ہی سے بنتا ہے، لازمی سے نہیں بنتا۔ پس آمدہ اور رفتہ اور خاستہ اور جستہ وغیرہ جو مصادر لازمی سے اسمِ مفعول کی صورت کے کلمے آتے ہیں اور صفت کے معنی دیتے ہیں، اُن کو صفت مشبّہ کہنا چاہیے، اسمِ مفعول نہ سمجھنا چاہیے۔ بخلاف اسمِ فاعل کے کہ وہ لازمی اور متعدی دونوں سے بنتا ہے، جیسے آیندہ اور آرندہ۔

بعضے ابواب کے ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب بھی اسمِ مفعول کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے: آبشت بمعنی آبشتہ جس کا مصدر آبشتن (چھپانا) ہے۔ اور آرد بمعنی آردہ جس کا مصدر آردن (پیسنا) ہے۔ بعض ابواب سے صیغۂ واحد حاضر بھی اسمِ مفعول کے معنی میں آیا ہے۔ جیسے پسندیدن سے پسند بمعنی پسندیدہ اور کبھی تکرار امر کی بھی مفعولیت کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے پاش پاش بمعنی پاشیدہ۔ جس طرح اسم کے ساتھ امر یا نہی یا ماضی کا صیغہ ملنے سے اسمِ فاعل بنتا ہے، اسی طرح اسمِ مفعول بھی بنتا ہے، جیسے زہر آلای اور عبیر آلای اور ناز پرور اور دست آموز بمعنی آلودۂ زہر اور آلودۂ عبیر اور پروردۂ ناز اور آموختۂ دست۔ اور جیسے کس مخر اور ہیچ مخر اور ہیچ میرز وغیرہ اور جیسے ماہ آفرید (نام کنیزک ایرج اور منوچہر بمعنی آفریدۂ ماہ)۔

تنبیہ: جس طرح مصدر متعدی کبھی معروف ہوتا ہے اور کبھی مجہول، اسی طرح جو فعل اُس مصدر سے مشتق ہوتے ہیں وہ بھی کبھی معروف ہوتے ہیں کبھی مجہول۔ ان کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مصدر مجہول دو جزوں سے مرکب ہوتا ہے۔ ایک مصدر معروف کا اسمِ مفعول اور

دوسرا لفظ شدن، جیسا کہ مصدر کی بحث میں بیان کیا گیا ہے، اب جو اس سے اور کلمے بنائے جائیں گے ان سب میں مصدر معروف کا اسم مفعول اپنے حال پر رہے گا اور لفظ 'شدن' میں بعینہ وہ تصرف کیے جائیں گے جو مصدر معروف کے اشتقاق میں کیے جاتے ہیں۔ یعنی ماضی مطلق میں مصدر کا نون گرانا اور ماضی قریب میں ہائے ہوز اور 'است' بڑھانا اور ماضی بعید میں 'است' کی جگہ 'بوذ' لانا وعلی ہذا القیاس۔ مثلاً 'آوردن' کا مجہول 'آوردہ شدن' ہے تو اس کی ماضی 'آوردہ شد' یا 'آوردہ شدہ است' یا 'آوردہ شدہ بوذ' یا 'آوردہ مے شد' یا 'آوردہ شدہ باشد' یا 'آوردہ شدے ہوگی۔ اور مستقبل آوردہ خواہد شد اور مضارع آوردہ شود اور حال آوردہ میشورد اور امر آوردہ شو اور نہی آوردہ مشو۔

صفتِ مشبّہ:

اُس صفت کو کہتے ہیں جو موصوف کے کسی وصفِ ذاتی یا وصفِ طبعی یا وصفِ لازمی پر دلالت کرے۔ جیسے گویا بمعنی ناطق اور جنباں بمعنی متحرک اور دانا بمعنی عالم، لیکن ہماری مراد یہاں صفت مشبّہ سے وہ اوزان ہیں جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے قیاسی وزنوں کے سوا فارسی میں صفت کے معنی پر اہل زبان سے سنے گئے ہیں اور ان کے اشتقاق کا کوئی قاعدۂ کلیہ نہیں پایا جاتا۔ سو جاننا چاہیے کہ وہ کئی طور پر آتے ہیں۔ بعضے صیغۂ امر کے آخر میں الف بڑھانے سے بنے ہیں جیسے دانا اور گویا اور شکیبا اور فریبا اور دوشا (چارپایہ دودھ دوہنے کے قابل) اور خوانا (جو خط پڑھنے میں آئے)۔ اور بعضے امر کے آخر میں الف اور نون بڑھانے سے بنے ہیں؛ جیسے جنباں اور فروزاں اور پریشاں اور گریزاں اور طپاں اور غلطاں۔ اور بعضے امر کے آخر میں ہائے مختفی بڑھانے سے بنے ہیں، جیسے رنجہ بمعنی آزردہ اور شگوفہ جس کا مصدر شگوفیدن (پھٹ جانا) ہے۔ اور بعضے امر کے آخر میں واؤ اور نون ملانے سے بنتے ہیں جیسے گردوں بمعنی گردندہ۔ اور بعضے خود امر ہی کے وزن پر آئے ہیں جیسے وزدیدن سے وزد (چور) اور خشکیدن سے خشک اور آژیدن (ہوشیار ہونا) سے آژبر (ہوشیار)۔ اور بعضے ماضی مطلق کے آخر میں ہائے مختفی ملانے سے بنے ہیں۔ جیسے آشفتہ اور تفتہ اور پراگندہ اور آزردہ (جو کہ آرزدن لازمی سے مشتق ہے) اور بعضے خود ماضی مطلق ہی کے وزن پر آئے ہیں، جیسے تفت اور آشفت بمعنی تفتہ و آشفتہ۔ سوا ان کے جو اور کوئی وزن آیا ہوگا، وہ آگے چل کر مصدروں کی فہرست میں مذکور ہو جائے گا۔

تنبیہ: جس طرح نون نفی فعلوں پر آتا ہے، اسی طرح صفات یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ پر بھی آتا ہے۔ مگر اتنا فرق ہے کہ فعلوں پر نون اکیلا آتا ہے اور صفتوں پر الف کے ساتھ مل کر، جیسے ناشناسندہ اور نادانستہ اور ناشکیبا۔ اور کبھی حرف 'نا' آ کر صفتِ مشبہ کا حرف اخیر گرا دیتا ہے، جیسے نادان اور ناشناس اور ناشکیب کہ اصل میں نادانا اور ناشناسا اور ناشکیبا تھا۔ اور بعضی جگہ لفظ 'بے' کہ یہ بھی نفی کا ایک حرف ہے، صفت پر نفی کے لیے لایا جاتا ہے، جیسے بے ساختہ۔ اور کہیں الف مفتوح بھی صفت پر آ کر نفی کا فائدہ دیتا ہے، جیسے اَجُنْباں بمعنی غیر متحرک لیکن یہ بہت کم ہے بلکہ عجب نہیں کہ لغت ژند و پاژند کی طرح متروک ہو۔

ظرف:

اُس کلمے کو کہتے ہیں جو اُس چیز پر دلالت کرے جس میں فعل واقع ہوا ہو۔ فارسی میں ایسے کلمے کا اشتقاق مصدر سے بہت کم سنا گیا ہے۔ شاید کل زبان فارسی میں ایسے دو چار لفظ ہوں جیسے دوشیدن سے دوشہ اور دوشینہ (جس میں دودھ دوہا جائے)۔ اور شاریدن (پانی جھرنا) سے شار (جھرنا)۔

آلہ:

اُس کلمے کو کہتے ہیں جو اُس چیز پر دلالت کرے جس کے سبب سے فعل واقع ہو۔ اس کا حال بھی ظرف کا سا ہے۔ شاید اس کے دو چار وزن ظرف سے زیادہ پائے جائیں جیسے پیمودن سے پیمانہ (ناپنے کا آلہ) اور دوختن سے دوزینہ اور دوزنہ (سینے کا آلہ یعنی سوئی) اور آژیدن (چکی راہنا) سے آژینہ (آسیا رہ) اور استردن سے استرہ اور پرویزیدن (چھاننا) سے پرویز اور پرویزن (چھلنی)۔ اور کبھی اسم فاعل وغیرہ کی طرح آلہ مرکب بھی ہوتا ہے، جیسے ترشی پالا بمعنی کفگیر حلوائیاں (یعنی ترشی صاف کرنے کا اوزار)۔

تنبیہ: یہاں تک کل مشتقات کی حقیقت اور ان کے بنانے کے قاعدے اور صیغے بیان کیے گئے۔ اب جاننا چاہیے کہ بعضے اُن میں قیاسی ہیں اور بعضے سماعی۔ جو کہ قیاسیات کی معرفت کے واسطے ایک دو نمونے لکھ دینے کافی ہیں اس لیے ہم یہاں دو پوری پوری گردانیں ایک لازمی ایک متعدی لکھ کر پھر سماعیات کی فہرست بیان کریں گے۔

صرف کبیر

آمدن — آنا

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
	فارسی	اردو	فارسی	اردو	فارسی	اردو	فارسی	اردو	فارسی	اردو	فارسی	اردو
بحث اثبات فعل ماضی مطلق	آمد	آیا	آمدند	آئے	آمدی	آیا تو	آمدید	آئے تم	آمدم	آیا میں	آمدیم	آئے ہم
بحث نفی فعل ماضی مطلق	نیامد	نہ آیا	نیامدند	نہ آئے	نیامدی	نہ آیا تو	نیامدید	نہ آئے تم	نیامدم	نہ آیا میں	نیامدیم	نہ آئے ہم
بحث اثبات فعل ماضی قریب	آمدہ است	آیا ہے	آمدہ اند	آئے ہیں	آمدۂ	آیا ہے تو	آمدہ اید	آئے ہو تم	آمدہ ام	آیا ہوں میں	آمدہ ایم	آئے ہیں ہم
بحث نفی فعل ماضی قریب	نیامدہ است	نہیں آیا	نیامدہ اند	نہیں آئے	نیامدۂ	نہیں آیا تو	نیامدہ اید	نہیں آئے ہو تم	نیامدہ ام	نہیں آیا ہوں میں	نیامدہ ایم	نہیں آئے ہم
بحث اثبات فعل ماضی بعید	آمدہ بود	آیا تھا	آمدہ بودند	آئے تھے	آمدہ بودی	آیا تھا تو	آمدہ بودید	آئے تھے تم	آمدہ بودم	آیا تھا میں	آمدہ بودیم	آئے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی بعید	نیامدہ بود	نہیں آیا تھا	نیامدہ بودند	نہیں آئے تھے	نیامدہ بودی	نہیں آیا تھا تو	نیامدہ بودید	نہیں آئے تھے تم	نیامدہ بودم	نہیں آیا تھا میں	نیامدہ بودیم	نہیں آئے تھے ہم
بحث اثبات فعل ماضی احتمالی	آمدہ باشد	آیا ہوگا	آمدہ باشند	آئے ہونگے	آمدہ باشی	آیا ہوں گا تو	آمدہ باشید	آئے ہوگے تم	آمدہ باشم	آیا ہوں گا میں	آمدہ باشیم	آئے ہونگے ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث نفی فعل ماضی احتمالی	نیامدہ باشد	نہ آیا ہوگا	نیامدہ باشند	نہ آئے ہونگے	نیامدہ باشی	نہ آیا ہوگا تو	نیامدہ باشید	نہ آئے ہوگے تم	نیامدہ باشم	نہ آیا ہونگا میں	نیامدہ باشیم	نہ آئے ہونگے ہم
بحث اثبات فعل ماضی استمراری	مے آمد	آتا تھا	مے آمدند	آتے تھے	مے آمدی	آتا تھا تو	مے آمدید	آتے تھے تم	مے آمدم	آتا تھا میں	می آمدیم	آتے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی استمراری	نمے آمد	نہیں آتا تھا	نمے آمدند	نہیں آتے تھے	نمے آمدی	نہ آتا تھا تو	نمے آمدید	نہ آتے تھے تم	نمے آمدم	نہیں آتا تھا میں	نمے آمدیم	نہیں آتے تھے ہم
بحث اثبات فعل ماضی تمنائی	آمدے	آتا	آمدندے	آتے	×	×	×	×	آمدے	آتا میں	×	×
بحث نفی فعل ماضی تمنائی	نیامدے	نہ آتا	نیامدندے	نہ آتے	×	×	×	×	نیامدے	نہ آتا میں	×	×
بحث اثبات فعل مستقبل	خواہد آمد	آئے گا	خواہند آمد	آئیں گے	خواہی آمد	آئے گا تو	خواہید آمد	آؤ گے تم	خواہم آمد	آؤنگا میں	خواہیم آمد	آئیں گے ہم
بحث نفی فعل مستقبل	نخواہد آمد	نہیں آئے گا	نخواہند آمد	نہیں آئینگے	نخواہی آمد	نہ آئے گا تو	نخواہید آمد	نہ آؤ گے تم	نخواہم آمد	نہ آؤنگا میں	نخواہیم آمد	نہیں آئیں گے ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث اثبات فعل مضارع	آید	آئے	آیند	آئیں	آئی	آئے تو	آئید	آؤ تم	آیم	آؤں میں	آئیم	آئیں ہم
بحث نفی فعل مضارع	نیاید	نہ آئے	نیایند	نہ آئیں	نیائی	نہ آئے تو	نیائید	نہ آؤ تم	نہ آیم	نہ آؤں میں	نیائیم	نہ آئیں ہم
بحث اثبات فعل حال	مے آید	آتا ہے	مے آیند	آتے ہیں	می آئی	آتا ہے تو	مے آئید	آتے ہو تم	مے آیم	آتا ہوں میں	مے آئیم	آتے ہیں ہم
بحث نفی فعل حال	نمے آید	نہیں آتا ہے	نمے آیند	نہیں آتے ہیں	نمی آئی	نہیں آتا تو	نمی آئید	نہیں آتے ہو تم	نمی آیم	نہیں آتا میں	نمی آئیم	نہیں آتے ہم
بحث امر	بیاید	آئے	بیایند	آئیں	بیا	آ	بیائید	آؤ	بیایم	آؤں میں	بیائیم	آئیں ہم
بحث نہی	نیاید	نہ آئے	نیایند	نہ آئیں	میا	نہ آ	میائید	نہ آؤ	نیایم	نہ آؤں میں	نیائیم	نہ آئیں ہم
بحث اسم فاعل	آیندہ	آنے والا	آیندگاں	آنے والا	×	×	×	×	×	×	×	×

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث اثبات فعل ماضی مطلق معروف	آورد	لایا	آوردند	لائے	آوردے	لایا تو	آوردید	لائے تم	آوردم	لایا میں	آوردیم	لائے ہم
بحث نفی فعل ماضی مطلق معروف	نیاورد	نہ لایا	نیاوردند	نہ لائے	نیاوردے	نہ لایا تو	نیاوردید	نہ لائے تم	نیاوردم	نہ لایا میں	نیاوردیم	نہ لائے ہم
بحث اثبات فعل ماضی مطلق مجہول	آوردہ شد	لایا گیا	آوردہ شدند	لائے گئے	آوردہ شدی	لایا گیا تو	آوردہ شدید	لائے گئے تم	آوردہ شدم	لایا گیا میں	آوردہ شدیم	لائے گئے ہم
بحث نفی فعل ماضی مطلق مجہول	نیاوردہ شد	نہ لایا گیا	نیاوردہ شدند	نہ لائے گئے	نیاوردہ شدی	نہ لایا گیا تو	نیاوردہ شدید	نہ لائے گئے تم	نیاوردہ شدم	نہ لایا گیا میں	نیاوردہ شدیم	نہ لائے گئے ہم
بحث اثبات فعل ماضی قریب معروف	آوردہ است	لایا ہے	آوردہ اند	لائے ہیں	آوردۂ	لایا ہے تو	آوردہ اید	لائے ہو تم	آوردہ ام	لایا ہوں میں	آوردہ ایم	لائے ہیں ہم
بحث نفی فعل ماضی قریب معروف	نیاوردہ است	نہیں لایا	نیاوردہ اند	نہیں لائے	نیاوردۂ	نہیں لایا تو	نیاوردہ اید	نہیں لائے تم	نیاوردہ ام	نہیں لایا میں	نیاوردہ ایم	نہیں لائے ہم
بحث اثبات فعل ماضی قریب مجہول	آوردہ شدہ است	لایا گیا ہے	آوردہ شدہ اند	لائے گئے ہیں	آوردہ شدۂ	لایا گیا ہے تو	آوردہ شدہ اید	لائے گئے ہو تم	آوردہ شدہ ام	لایا گیا ہوں میں	آوردہ شدہ ایم	لائے گئے ہیں ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث نفی فعل ماضی قریب مجہول	نیاوردہ شدہ است	نہیں لایا گیا	نیاوردہ شدہ بودند	نہیں لائے گئے	نیاوردہ شدہ	نہیں لایا گیا تو	نیاوردہ شدہ اید	نہیں لائے گئے ہو تم	نیاوردہ شدہ ام	نہیں لایا گیا میں	نیاوردہ شدہ ایم	نہیں لائے گئے ہم
بحث اثبات فعل ماضی بعید معروف	آوردہ بود	لایا تھا	آوردہ بودند	لائے تھے	آوردہ بودی	لایا تھا تو	آوردہ بودید	لائے تھے تم	آوردہ بودم	لایا تھا میں	آوردہ بودیم	لائے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی بعید معروف	نیاوردہ بود	نہیں لایا تھا	نیاوردہ بودند	نہیں لائے تھے	نیاوردہ بودی	نہیں لایا تھا تو	نیاوردہ بودید	نہیں لائے تھے تم	نیاوردہ بودم	نہ لایا تھا میں	نیاوردہ بودیم	نہیں لائے تھے ہم
بحث اثبات فعل ماضی بعید مجہول	آوردہ شدہ بود	لایا گیا تھا	آوردہ شدہ بودند	لائے گئے تھے	آوردہ شدہ بودی	لایا گیا تھا تو	آوردہ شدید بودید	لائے گئے تھے تم	آوردہ شدہ بودم	لایا گیا تھا میں	آوردہ شدہ بودیم	لائے گئے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی بعید مجہول	نیاوردہ شدہ بود	نہیں لایا گیا تھا	نیاوردہ شدہ بودند	نہیں لائے گئے	نیاودہ شدہ بودی	نہیں لایا گیا تو	نیاورد: شدہ بودید	نہیں لائے گئے تم	نیاوردہ شدہ بودم	نہیں لایا گیا میں	نیاوردہ شدہ بودیم	نہیں لائے گئے ہم
بحث اثبات فعل ماضی احتمالی معروف	آوردہ باشد	لایا ہوگا	آوردہ باشند	لائے ہونگے	آوردہ باشی	لایا ہوگا تو	آوردہ باشید	لائے ہوگے تم	آوردہ باشم	لایا ہونگا میں	آوردہ باشیم	لائے ہونگے ہم
بحث نفی فعل ماضی احتمالی معروف	نیاوردہ باشد	نہ لایا ہوگا	نیاوردہ باشند	نہ لائے ہونگے	نیاوردہ باشی	نہیں لایا ہوگا تو	نیاوردہ باشید	نہیں لائے ہوگے تم	نیاوردہ باشم	نہیں لایا ہونگا میں	نیاوردہ باشیم	نہیں لائے ہونگے ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث اثبات فعل ماضی احتمالی مجہول	آوردہ شدہ باشد	لایا گیا ہوگا	آوردہ شدہ باشند	لائے گئے ہونگے	آوردہ شدہ باشی	لایا گیا ہوگا تو	آوردہ شدہ باشید	لائے گئے ہوئے تم	آوردہ شدہ باشم	لایا گیا ہونگا میں	آوردہ شدہ باشیم	لائے گئے ہونگے ہم
بحث نفی فعل ماضی احتمالی مجہول	نیاوردہ شدہ باشد	نہ لایا گیا ہوگا	نیاوردہ شدہ باشند	نہیں لائے گئے ہونگے	نیاوردہ شدہ باشی	نہیں لایا گیا ہوگا تو	نیاوردہ شدہ باشید	نہیں لائے گئے ہوئے تم	نیاوردہ شدہ باشم	نہیں لایا گیا ہونگا میں	نیاوردہ شدہ باشیم	نہیں لائے ہوئے ہونگے ہم
بحث اثبات فعل ماضی استمراری معروف	ے آورد	لاتا تھا	ے آوردند	لاتے تھے	ے آوردی	لاتا تھا تو	ے آوردید	لاتے تھے تم	ے آوردم	لاتا تھا میں	می آوردیم	لائے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی استمراری معروف	نمے آورد	نہیں لاتا تھا	نمے آوردند	نہیں لاتے تھے	نمے آوردی	نہیں لاتا تھا تو	نمے آوردید	نہیں لاتے تھے تم	نمے آوردم	نہیں لاتا تھا میں	نمے آوردیم	نہیں لاتے تھے ہم
بحث اثبات فعل ماضی استمراری مجہول	آوردہ میشد	لایا جاتا تھا	آوردہ میشدند	لائے جاتے تھے	آوردہ میشدی	لایا جاتا تھا تو	آوردہ میشدید	لائے جاتے تھے تم	آوردہ میشدم	لایا جاتا تھا میں	آوردہ میشدیم	لائے جاتے تھے ہم
بحث نفی فعل ماضی استمراری مجہول	آوردہ نمے شد	نہیں لایا جاتا تھا	آوردہ نمے شدند	نہیں لائے جاتے تھے	آوردہ نمے شدی	نہیں لایا جاتا تھا تو	آوردہ نمے شدید	نہیں لائے جاتے تھے تم	آوردہ نمے شدم	نہیں لایا جاتا تھا میں	آوردہ نمے شدیم	نہیں لائے جاتے تھے ہم
بحث اثبات فعل ماضی تمنائی معروف	آوردے	لاتا	آوردندے	لاتے	×	×	×	×	آوردے	لاتا میں	×	×

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث نفی فعل ماضی تمنائی معروف	نیاوردے	نہ لاتا	نیاوردندے	نہ لاتے	×	×	×	×	نیاوردے	نہ لاتا میں	×	×
بحث اثبات فعل ماضی تمنائی مجہول	آوردہ شدے	لایا جاتا	آوردہ شدندے	لائے جاتے	×	×	×	×	آوردہ شدے	لایا جاتا میں	×	×
بحث نفی فعل ماضی تمنائی مجہول	نیاوردہ شدے	نہ لایا جاتا	نیاوردہ شدندے	نہ لائے جاتے	×	×	×	×	نیاوردہ شدے	نہ لایا جاتا میں	×	×
بحث اثبات فعل مستقبل معروف	خواہد آورد	لائے گا	خواہند آورد	لائیں گے	خواہی آورد	لائے گا تو	خواہید آورد	لاؤ گے تم	خواہم آورد	لاؤں گا میں	خواہیم آورد	لائیں گے ہم
بحث نفی فعل مستقبل معروف	نخواہد آورد	نہ لائے گا	نخواہند آورد	نہیں لائیں گے	نخواہی آورد	نہ لائے گا تو	نخواہید آورد	نہ لاؤ گے تم	نخواہم آورد	نہ لاؤں گا میں	نخواہیم آورد	نہ لائیں گے ہم
بحث اثبات فعل مستقبل مجہول	آوردہ خواہد شد	لایا جائے گا	آوردہ خواہند شد	لائیں جائیں گے	آوردہ خواہی شد	لایا جائے گا تو	آوردہ خواہید شد	لائے جاؤ گے تم	آوردہ خواہم شد	لایا جاؤں گا میں	آوردہ خواہیم شد	لائے جائیں گے ہم
بحث نفی فعل مستقبل مجہول	آوردہ نخواہد شد	نہ لایا جائے گا	آوردہ نخواہند شد	نہیں لائے جائیں گے	آوردہ نخواہی شد	نہ لایا جائے گا تو	آوردہ نخواہید شد	نہ لائے جاؤ گے تم	آوردہ نخواہم شد	نہ لایا جاؤں گا میں	آوردہ نخواہیم شد	نہ لائے جائیں گے ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث اثبات فعل مضارع معروف	آرد	لائے	آرند	لائیں	آری	لائے تو	آرید	لاؤ تم	آرم	لاؤں میں	آریم	لائیں ہم
بحث نفی فعل مضارع معروف	نیارد	نہ لائے	نیارند	نہ لائیں	نیاری	نہ لائے تو	نیارید	نہ لاؤ تم	نیارم	نہ لاؤں میں	نیاریم	نہ لائیں ہم
بحث اثبات فعل مضارع مجہول	آوردہ شود	لایا جائے	آوردہ شوند	لائے جائیں	آوردہ شوی	لایا جائے تو	آوردہ شوید	لائے جاؤ تم	آوردہ شوم	لایا جاؤں میں	آوردہ شویم	لائے جائیں ہم
بحث نفی فعل مضارع مجہول	نیاوردہ شود	نہ لایا جائے	نیاوردہ شوند	نہ لائے جائیں	نیاوردہ شوی	نہ لایا جائے تو	نیاوردہ شوید	نہ لائے جاؤ تم	نیاوردہ شوم	نہ لایا جاؤں میں	نیاوردہ شویم	نہ لائے جائیں ہم
بحث اثبات فعل حال معروف	ے آرد	لاتا ہے	ے آرند	لاتے ہیں	ے آری	لاتا ہے تو	ے آرید	لاتے ہو تم	ے آرم	لاتا ہوں میں	می آریم	لاتے ہیں ہم
بحث نفی فعل حال معروف	نمے آرد	نہیں لاتا	نمے آرند	نہیں لاتے	نمے آری	نہیں لاتا تو	نمے آرید	نہیں لاتے تم	نمے آرم	نہیں لاتا میں	نمے آریم	نہیں لاتے ہم
بحث اثبات فعل حال مجہول	آورد میشود	لایا جاتا ہے	آوردہ میوشند	لائے جاتے ہیں	آوردہ میشوی	لایا جاتا ہے تو	آوردہ میشوید	لائے جاتے ہو تم	آوردہ میشوم	لایا جاتا ہوں میں	آوردہ میشویم	لائے جاتے ہیں ہم

نام بحث	واحد غائب		جمع غائب		واحد حاضر		جمع حاضر		واحد متکلم		جمع متکلم	
بحث نفی فعل حال مجہول	آوردہ نمے شود	نہیں لایا جاتا	آوردہ نمے شوند	نہیں لائے جاتے	آوردہ نمے شوی	نہیں لایا جاتا تو	آوردہ نمی شوید	نہیں لائے جاتے تم	آوردہ نمے شوم	نہیں لایا جاتا میں	آوردہ نمے شویم	نہیں لائے جاتے ہم
بحث امر معروف	بیارد	لائے	بیارند	لائیں	بیار	لا	بیارید	لاؤ	بیارم	لاؤں میں	بیاریم	لائیں ہم
بحث امر مجہول	باوردہ شود	لایا جائے	بیاوردہ شوند	لائے جائیں	بیاوردہ شو	لایا جا	بیاوردہ شوید	لائے جاؤ	بیاوردہ شوم	لایا جاؤں میں	بیاوردہ شویم	لائے جائیں ہم
بحث نہی معروف	نیارد	نہ لائے	نیارند	نہ لائیں	میار	نہ لا	میارید	نہ لاؤ	نیارم	نہ لاؤں میں	نیاریم	نہ لائیں ہم
بحث نہی مجہول	نیاوردہ شود	نہ لایا جائے	نیاوردہ شوند	نہ لائے جائیں	میاوردہ شو	نہ لایا جا تو	میاوردہ شوید	نہ لائے جاؤ تم	نیاوردہ شوم	نہ لایا جاؤں میں	نیاوردہ شویم	نہ لائے جائیں ہم
بحث اسم فاعل	آرندہ	لانے والا	آرندگاں	لانے والے	×	×	×	×	×	×	×	×
بحث اسم مفعول	آوردہ	لایا ہوا	آوردگاں	لائے ہوئے	×	×	×	×	×	×	×	×

تنبیہ: اس نقشے میں وہ پوری گردانیں ایک لازمی اور ایک متعدی بطور نمونے کے لکھی گئیں۔ مشتقاتِ قیاسیہ کی معرفت کے لیے یہی دو گردانیں کافی ہیں۔

اب ہم چند مصدر متعارف، جو اکثر برتے جاتے ہیں، فارسی فرہنگوں سے چن کر لکھ دیتے ہیں۔ اور ہر مصدر کے بعد حاصل مصدر اور اس کے بعد اس مصدر کا متعدی اور پھر صفت مشبہ اور اس کے آگے مضارع لکھا جائے گا، کیونکہ یہ چاروں قسمیں سماعی ہیں۔ ہر باب سے ان کی معرفت میں اہل زبان سے سننے کی حاجت پڑتی ہے، لیکن ان چاروں قسموں میں سے جو جس باب سے نہیں آیا وہ نہیں لکھا۔ اور جہاں ایک قسم کے کئی وزن آئے ہیں، وہ سب وزن بھی لکھے گئے ہیں اور مزید امتیاز کے لیے حاصل مصدر کے بعد 'حص' اور وزن متعدی کے بعد 'عد' اور صفت مشبہ کے بعد 'صف' اور مضارع کے بعد 'ضع' لکھ دیا گیا تاکہ ناواقف لوگ دھوکا نہ کھائیں۔ اور ظرف و آلہ کے وزن بھی اگرچہ سماعی ہیں لیکن جوکہ وہ گنتی کے چند لفظ ہیں اس لیے ان کا لکھنا نہ لکھنا برابر سمجھ کر چھوڑ دیا۔

فہرستِ مصادر[1] و مشتقاتِ سماعیہ:

آراستن، آرائیدن، آرستن: (سنوارنا) آرائش (حص) آراید (ضع)۔

آرامیدن، آرمیدن: (قرار پکڑنا) آرام، آرامش، آرمش (حص) آرامد (ضع)۔

آروغیدن: (ڈکار لینا) آروغ (حص) آروغد (ضع)۔

ارزیدن: (قیمت پانا) ارزش، ارز (حص) ارزاں (صف) ارزد (ضع)۔

آزاردن، آزردن: (ستانا) آزار، آزارش (حص) آزارد (ضع)۔

آزمودن: (جانچنا) آزمائش (حص) آزماید (ضع)۔

آسانیدن: (آرام پانا) آسانی (حص) آساند (ضع)۔

آسودن: (آرام پانا) آسائش آسائی، آسا (حص) آساید (ضع)۔

۱۔ اصل متن میں تمام مصادر مسلسل لکھے گئے تھے۔ قاری کی سہولت کے لیے ہر مصدر اور اس کے مشتقات کو الگ سطر سے شروع کیا گیا ہے۔ (مرتب)

استادن، ایستادن، ستادن: (کھڑا ہونا) استادہ (صف) استد، ایستد (ضع)۔

آشامیدن: (پینا) آشام (حص) آشامد (ضع)۔

آشوبیدن: (برہم کرنا) آشوب (حص) آشوبد (ضع)۔

آشوریدن، آشوردن: (برہم کرنا) آشور (حص) آشورد (ضع)۔

آشفتن: (پریشان کرنا، پریشان ہونا) آشفتگی (حص) آشوبد (ضع)۔

آغشتن: (لتھڑنا) آغارد (ضع)۔

آغازیدن: (شروع کرنا) آغاز (حص) آغازد (ضع)۔

افتادن، اوفتادن، فتادن: (گر پڑنا) افتاد، افتادگی، فتادگی (حص) افتادہ (صف)۔ رفتد، اوفتد (ضع)۔

افراختن، فراختن، افرازیدن، افراشتن: (بلند کرنا) افراز، فراز (حص) افرازد، فرازد (ضع)۔

افروختن، افروزیدن: (روشن کرنا، روشن ہونا) فروغ، فراغ (حص)، افروزانیدن، فروزانیدن (عد) فروزاں (صف) افروزد، فروزد (ضع)۔

آفریدن: (پیدا کرنا) آفرینش (حص) افریدگار (صف) آفریند (ضع)۔

افزودن، فزودن: (زیادہ ہونا، زیادہ کرنا) افزائش، فزائش (حص) افزوں، فزوں (صف) افزاید، فزاید (ضع)۔

افسردن، فسردن: (ٹھٹھرنا) افسردگی (حص) فسراندن (عد) افسردہ (صف) افسرد، فسرد (ضع)۔

افشاردن، افشردن: (نچوڑنا) فشار (حص) افشرد (ضع)۔

افشاندن، افشانیدن، فشاندن: (بکھیرنا) افشاں (حص) افشاند، فشاند (ضع)۔

افگندن، فگندن: (ڈالنا) فگند (ضع)۔

آگندن: (بھرنا)۔

آلودن، آلائیدن: (آسودہ ہونا، آلودہ کرنا) آلائش، آلودگی (حص) آلودہ (صف) آلاید (ضع)۔

آماسیدن : (سُوجنا) آماس (حص) آماسد (ضع)۔

آمدن : (آنا) آمد (حص) آید (ضع)۔

آمرزیدن : (بخشنا) آمرزش (حص) آمرزگار (صف) آمرزد (ضع)۔

آموختن : (سیکھنا، سکھانا) آموزش (حص) آموزگار (صف) آموزد (ضع)۔

آمودن : (سنوارنا، بھرنا) آموی، آمای (حص) آماید (ضع)۔

آمیختن : (ملنا، ملانا) آمیزش، آمیز، آمیزہ، آمیغ (حص) آمیزد (ضع)۔

انباردن، انباشتن، انباریدن : (پاٹنا) انبارش (حص) انبارد (ضع)۔

انجلامیدن : (آخر ہونا) انجام (حص) انجامد (ضع)۔

انداختن : (ڈالنا) انداز (حص) اندازد (ضع)۔

اندودن، اندائیدن : (لیپنا) اندائش (حص) انداید (ضع)۔

اندوختن، اندوزیدن : (جمع کرنا) اندوزد (ضع)۔

اندیشیدن : (سوچنا) اندیشہ (حص) اندیشد (ضع)۔

انگاشتن، انگاردن، انگاریدن : (گمان کرنا) انگارہ (حص) انگارد (ضع)۔

انگیختن، انگیریدن : (اٹھانا) انگیزش، انگیز (حص) انگیزد (ضع)۔

آوردن : (لانا) آورد (حص) آورد، آرد (ضع)۔

آوریدن : (حملہ کرنا) آورید (حص) آوَرَد (ضع)۔

آویختن : (لٹکنا، لٹکانا، لپٹنا) آویزش، آویز، آویخ (حص) آویزہ، آویزاں (صف) آویزد (ضع)۔

آہیختن : (تلوار کھینچنا) آہیخ (ضع)۔

باریدن : (برسنا) بارش (حص) باراں (صف) بارد (ضع)۔

باختن، بازیدن : (ہارنا، کھیلنا) بازی (حص) بازاں (صف) بازد (ضع)۔

باشیدن : (ہونا) بارش (حص) باشد (ضع)۔

بافتن : (بُننا) بافت (حص) بافد (ضع)۔

بالیدن : (بڑھنا) بالش (حص) بالاں، بالا (صف) بالد (ضع)۔

بخشودن: (گناہ بخشنا) بخشائش (حص) بخشاید (ضع)۔

بخشیدن: (دینا) بخشش (حص) بخشد (ضع)۔

بُردن: (لے جانا) برد (حص) بَرَد (ضع)۔

برشتن: (بھوننا) بریاں (صف)۔

بُریدن: (کاٹنا) بُرِش (حص) بُراں (صف) بُرد (ضع)۔

بستن: (باندھنا، بند کرنا) بندش (حص) بندد (ضع)۔

بسیچیدن: (ارادہ کرنا) بسیچ (حص) بسیچد (ضع)۔

بودن: (ہو جانا، ہونا، رہنا) بودش، بود (حص) بُود (ضع)۔

بوسیدن: (چومنا) بوس، بوسہ (حص) بوسد (ضع)۔

بوئیدن: (سونگھنا، بودینا) بُوی (حص) بویاں، بویا (صف) بوید (ضع)۔

بیختن، بیختن: (چھاننا) بیزد (ضع)۔

پاشیدن: (چھڑکنا) پاشد (ضع)۔

پالودن، پالائیدن: (صاف کرنا) پالاد (حص) پالاید (ضع)۔

پاسیدن: (نگہبانی کرنا) پاسداد، پاس (حص)۔

پائیدن: (دیر تک رہنا) پای، پایاب (حص) پاید (ضع)۔

پختن: (پکانا) پخت (حص) پزد (ضع)۔

پدرامیدن: (سنوارنا) پدرام (حص) پدرامد (ضع)۔

پزیرفتن، پذرفتن: (قبول کرنا، استقبال کرنا) پذیرائی، پزیرش (حص) پزیرا، پزیرہ (صف) پذیرد (ضع)۔

پُریدن: (بھر جانا) پُری (حص) پُرد (ضع)۔

پریدن: (اُڑنا) پرواز (حص) پَرّاں (صف) پَرَد (ضع)۔

پریشیدن: (پریشان ہونا) پریشانی (حص) پریشان (صف) پریشد (ضع)۔

پراگندن: (بکھیرنا، پھیلانا) پراگندگی (حص)۔ پراگند (ضع)۔

پرداختن: (مشغول ہونا، سنوارنا، خالی کرنا) پرداخت، پرداز (حص) پردازد (ضع)۔

پرستیدن : (پُوجنا) پرستش (حس) پرستار (صف) پرستد (ضع)۔

پُرسیدن : (پُوچھنا) پرسش، پُرسہ، بازپرس (حس) پرساں (صف)۔

پروردن، پروریدن : (پالنا) پرورش، پرَوَرْد (حس) پرورانیدن (عد) پروردگار (صف) پروَرَد (ضع)۔

پرہیزیدن : (بچنا) پرہیز (حس) پرہیزگار (صف) پرہیزد (ضع)۔

پژمردن : (کُملانا) پژمردگی (حس) پژمردہ (صف) پژمُرَد (ضع)۔

پسندیدن : (پسند کرنا) پسند (حس) پَسَنْدَد (ضع)۔

پناہیدن : (پناہ دینا) پناہ (حس) پناہد (ضع)۔

پنداشتن : (گمان کرنا) پندار (حس) پندار (ضع)۔

پوشیدن : (چھپانا، چھپنا) پوشش (حس) پوشاک (صف) پوشد (ضع)۔

پوئیدن : (دوڑنا) پویہ پو (حس) پویاں (صف) پوید (ضع)۔

پیچیدن : (لپٹنا، لپیٹنا) پیچش، پیچ (حس) پیچاں (صف) پیچد (ضع)۔

پیراستن : (چھانٹنا) پیرائش (حس) پیراید (ضع)۔

پیمودن : (ناپنا) پیمائش (حس) پیماید (ضع)۔

پیوستن، پیوندیدن : (ملنا) پیوند (حس) پیوندد (ضع)۔

تافتن، تابیدن : (تپنا، چمکنا) تاب، تابش (حس) تاباں (صف) تابد (ضع)۔

تاختن : (چھاپا مارنا، گھوڑا دوڑانا) تگ و تاز، ترکتاز، تاخت (حس) تازد (ضع)۔

تفسیدن : (گرم ہونا) تفس (حس) تفسیدہ (صف) تفسد (ضع)۔

تپیدن : (تڑپنا) تپش، تپاک، تاپاک (حس) تپاں (صف) تپد (ضع)۔

تراویدن : (ٹپکنا) تراوش (حس) تراوَد (ضع)۔

ترازیدن، طرازیدن : (سنوارنا) طراز (حس) ترازد (ضع)۔

تراشیدن : (چھیلنا) تراش، تراشہ (حس) تراشد (ضع)۔

ترسیدن : (ڈرانا) ترس (حس) ترساں (صف)۔

ترساندن، ترسانیدن : (عد) ترسد (ضع)۔

تفتن: (گرم ہونا) تاب، تابش (حص) تفت (صف) تفسد[1] (ضع)

تنیدن: (تننا) تند (ضع)۔

توانستن: (کرسکنا) تواں (حص) توانا (صف) تواند (ضع)۔

توختن: (بدلا لینا) توخت (حص) توزد (ضع)۔

جَستن، جہیدن: (کودنا) جست وخیز (حص) جہانیدن (عد) جہاں (صف) جہد (ضع)۔

جُستن، جوئیدن: (ڈھونڈنا) جست، جستجو (حص) جویا (صف) جوید (ضع)۔

جُنبیدن: (ہلنا، ہلانا) جنبش، جنبک، جنباں (حص) جنبانیدن (عد) جنباں (صف) جنبد (ضع)۔

جوشیدن: (اُبلنا، اُبالنا) جوش، جوشش، جوشاک (حص) جوشانیدن (عد) جوشد (ضع)۔

چسپیدن: (چپکنا) چسپیدگی (حص) چسپانیدن (عد) چسپاں (صف) چسپد (ضع)۔

چفسیدن: (چپکنا) چفسد (ضع)۔

چَریدن: (چرنا) چَر (حص) چرانیدن (عد) چاروا (صف) چرد (ضع)۔

چَربیدن: (غالب ہونا) چربش، چربی، چربک (حص) چرب (صف) چربد (ضع)۔

چَرویدن: (تدبیر کرنا) چارہ (حص) چرود (ضع)۔

چشیدن: (چکھنا) چاشنی (حص) چشانیدن (عد) چشد (ضع)۔

چکیدن: (ٹپکنا) چک، چکش (حص) چکانیدن (عد) چکاں (صف) چکد (ضع)۔

چلیدن: (چلنا) چالش، چال (حص) چلَد (ضع)۔

چمیدن: (ناز سے چلنا) چمش، چم چام، چمچم (حص) چمد (ضع)۔

چیدن: (چننا) چیند (ضع)۔

خاریدن: (کھجلانا) خارش، خار خار (حص) خارد (ضع)۔

خاستن: (اُٹھنا) خیز (حص) خیزد (ضع)۔

خائیدن: (چبانا) خاش، خای، خائش (حص) خاید (ضع)۔

---

[1] [illegible]

خراشیدن: (چھیلنا) خراش، خریش (حص) خراشد (ضع)۔

خرامیدن: (ناز سے چلنا) خرامش، خرام (حص) خراماں (صف) خرامد (ضع)۔

خروشیدن: (چیخنا) خروش (حص) خروشاں (صف) خروشد (ضع)۔

خریدن: (مول لینا) خرید (حص) خریدار (صف) خرد (ضع)۔

خزیدن: (گھسنا) خزد (ضع)۔

خستن: (زخمی کرنا، زخمی ہونا) خستگی (حص) خستہ (صف)۔

خُسپیدن، خفتن، خفتیدن: (سونا) خفت (حص) خسپاندن، خفتاندن (عد) خسپد، خفتد (ضع)۔

خُسکیدن: (سوکھنا) خشکی (حص) خشک (صف) خسکد (ضع)۔

خلیدن: (چبھنا) خلش (حص) خلانیدن (عد) خلد (ضع)۔

خمیدن: (ٹیڑھا ہونا) خم (حص) خمانیدن (عد) خمیدہ (صف) خمد (ضع)۔

خُنبانیدن: (تالی بجانا) خنبک (حص) خنبد (ضع)۔

خندیدن: (ہنسنا) خندہ (حص) خندانیدن (عد) خنداں (صف) خندد (ضع)۔

خوابیدن: (سونا) خواب (حص) خوابانیدن (عد) خوابیدہ (صف) خوابد (ضع)۔

خواستن: (چاہنا) خواہش وخواست (حص) خواستگار، خواستار، خواہاں (صف) خواہد (ضع)۔

خواندن: (پڑھنا، بولنا) نوشت خواند (حص) خوانا (صف) خواند (ضع)۔

خوردن: (کھانا پینا) خورش، خوراک، خورونوش (حص) خورانیدن (عد) خورد (ضع)۔

خوشیدن: (سوکھنا) خوشانیدن (عد) خوشہ (صف) خوشد (ضع)۔

خیدن، خیانیدن: (بھگونا) خید (ضع)۔

دادن: (دینا) داد، دہش (حص) دادار (صف) دہد (ضع)۔

داشتن: (رکھنا) داشت، دارش، دارا (صف) دارد (ضع)۔

دانستن: (جاننا) دانست، دانش (حص) دانا (صف) داند (ضع)۔

درخشیدن، درفشیدن: (چمکنا) درخش (حص) درخشاں (صف) درفشاں (صف) درخشد درفشد (ضع)۔

درودن : (کاٹنا) دُرود، درو (حس) درود (ضع)۔

دریدن : (پھاڑنا، چیرنا) درو دوز (حس) دَرَد (ضع)۔

دُزدیدن : (چُرانا) دُزدی (حس) دُزد (صف) دُزدد (ضع)۔

دمیدن : (پھونکنا، اُگنا، سورج نکلنا) دم (حس) دَمَد (ضع)۔

دوختن، دوزیدن : (سینا) دوخت (حس) دوزد (ضع)۔

دوشیدن : (دودھ دوہنا) دوشا (حس) دوشد (ضع)۔

دویدن : (دوڑنا) دو، دوش، دوادو (حس) دواندن، دوانیدن (عد) دواں (صف) دَوَد (ضع)۔

دیدن : (دیکھنا) دید، دیدار، بینش (حس) بینا (صف) بیند (ضع)۔

راندن : (ہانکنا) راند (ضع)۔

ربودن : (اُچکنا) ربا، ربودگی (حس) رباید (ضع)۔

رخشیدن : (چمکنا) رُخش (حس) رخشاں (صف) رخشد (ضع)۔

رستن، رہیدن : (چھوٹنا) رہائی (حس) رہانیدن (عد) رہا (صف) رہد (ضع)۔

رُستن، روئیدن : (اُگنا، اُگانا) رُستنی، رویا (صف) روید (ضع)۔

رسیدن : (پہنچنا) رس، رسائی (حس) رساندن، رسانیدن (عد) رسا (صف) رسد (ضع)۔

رشتن ریسیدن : (کاٹنا) رشت (حس) ریسد (ضع)۔

رفتن : (جانا، چلنا) روش، رفتار (حس) رواں (صف) رَوَد (ضع)۔

رقصیدن : (ناچنا) رقص (حس) رقصاں (صف) رقصد (ضع)۔

رمیدن : (بدکنا) رم، رمیدگی، رمش (حس) رماندن (عد) رَمَد (ضع)۔

رنجیدن : (آزردہ ہونا) رنج، رنجش (حس) رنجانیدن، رنجاندن (عد) رنجہ (صف) رنجد (ضع)۔

رُفتن : (جگہ صاف کرنا) رُفت و روب (حس) روبد (ضع)۔

ریختن : (بکھیرنا، ڈالنا) ریزش، ریز (حس) ریزاں (صف) ریزد (ضع)۔

ریدن : (ہگنا) رید (ضع)۔

زادن، زائیدن : (جنتا) زاد، زائش (حص) زاید (ضع)۔

زدن : (مارنا) زد، زدوگیر (حص) زناں (صف) زند (ضع)۔

زدودن، زدائیدن : (جلا کرنا) زداید (ضع)۔

زیبیدن : (پھبنا) زیب، زیبائی (حص) زیبا (صف) زیبد (ضع)۔

زیستن : (جینا) زیست، زی، زندگی، زندگانی (حص) زید (ضع)۔

ژاژیدن : (بکنا) ژاژ (حص) ژاژد (ضع)۔

ژولیدن : (الجھنا) ژول، ژولیدگی (حص) ژولیدہ (صف) ژولد (ضع)۔

ساختن، سازیدن : (کرنا، بنانا، موافقت کرنا) ساخت، ساز، سازش، ساختگی (حص) سازگار (صف) سازد (ضع)۔

سائیدن، سودن : (پیسنا) سائش (حص) ساید (ضع)۔

سپردن، سپاردن : (سونپنا، طے کرنا) سپارش، سپار (حص) سپرد (ضع)۔

سپوختن، سپوزیدن : (نکالنا) سپوز (حص) سپوزد (ضع)۔

ستادن، ستاندن، ستدن : (لینا) ستد، ستاں (حص) ستاند (ضع)۔

ستردن، استردن : (مونڈنا) استرد (ضع)۔

ستودن : (سراہنا) ستائش (حص) ستاید (ضع)۔

ستیہیدن : (لڑنا) ستیز (حص) ستیزد (ضع)۔

سختن : (تولنا) سُخت (حص) سنجد (ضع)۔

سرشتن : (گوندھنا) سرشت (ضع)۔

سرائیدن، سرودن : (گانا) سرائش، سرود (حص) سراید (ضع)۔

سزیدن : (لائق ہونا) سزا (حص) سزاوار (صف) سزد (ضع)۔

سُفتن، سفتیدن : (پرونا) سُفتد (ضع)۔

سکنجیدن : (کھانسنا) سکنج (حص) سکنجد (ضع)۔

سگالیدن : (سوچنا) سگالش، سگال (حص) سگالد (ضع)۔

سنجیدن : (تولنا) سنجیدنی (حص) سنجد (ضع)۔

سوختن : (جلنا، جلانا) سوزش، سوز (حص) سوزاں (صف) سوزد (ضع)۔

شاشیدن : (موتنا) شاشہ، شاش (حص) شاشد (ضع)۔

شائستن : (لائق ہونا) شائستگی (حص) شایاں (صف) شاید (ضع)۔

شپلیدن : (سیٹی بجانا) شپیل (حص) شپلد (ضع)۔

شُدن : (ہونا، جانا) شُد (حص) شود (ضع)۔

شیاریدن : (ہَل چلانا) شیار (حص) شیارد (ضع)۔

شُستن : (دھونا) شُست وشُو (حص) شوید (ضع)۔

شکستن : (توڑنا، ٹوٹنا) شکست، شکن، شکستگی (حص) شکند (ضع)۔

شگافتن : (چیرنا) شگاف (حص) شگافد (ضع)۔

شگوفیدن : (پھٹ جانا) شگوفہ (حص) شگوفد (ضع)۔

شگُفتن : (کھِلنا) شگفتگی (حص) شگفد (ضع)۔

شِگِفتن : (تعجب کرنا) شِگفت (حص)۔

شکیبیدن : (صبر کرنا) شکیب، شکیبائی (حص) شکیبا (صف) شکیبد (ضع)۔

شکوہیدن : (ڈرنا) شکوہ (حص) شکوہد (ضع)۔

شمردن : (گننا) شُمار (حص) شمارد (ضع)۔

شناختن : (پہچاننا) شناخت، شناسائی (حص) شناسیدن، شناساندن (عد) شناسا (صف) شناسد (ضع)۔

شنفتن، شنودن : (سننا)۔

شنیدن : (سننا، سونگھنا) شنید، شنوائی (حص) شنوانیدن (عد) شنوا (صف) شنود (ضع)۔

شوریدن : (پریشان کرنا) شورش، شور (حص) شورانیدن (عد) شورد (ضع)۔

غرویدن : (شور کرنا) غریو (حص) غریود (ضع)۔

غلطیدن : (غوطہ کھانا) غلطاں (صف) غلطد (ضع)۔

غنودن : (اونگھنا) غنودگی (حص) غنود (ضع)۔

فاژیدن : (جمائی لینا) فاژ (حص) فاژد (ضع)۔

فراختن، افراشتن، فرازیدن، مخفف افراختن و افراشتن و افرازیدن:

فراموشیدن: (بھلانا) فراموشی (حص) فراموش (صف) فراموشد (ضع)۔

فرستادن: (بھیجنا) فرستد (ضع)۔

فرسودن، فرسائیدن: (پرانا ہونا) فرسودگی (حص) فرسودہ (صف) فرساید (ضع)۔

فروختن، فروشیدن: (بیچنا) فروخت (حص) فروشد (ضع)۔

فرمودن: (حکم کرنا) فرمائش، فرمان (حص) فرماید (ضع)۔

فریبیدن، فریفتن: (دھوکا دینا) فریب، فریبش (حص) فریبا (صف) فریبد (ضع)۔

فریوریدن: (دین میں ثابت قدم ہونا) فریوری (حص) فریور (صف)۔

فزودن[1] بمعنی افزودن ـــ فسردن بمعنی افسردن: () (حص) (ضع)۔

فسوسیدن: (افسوس کرنا، استہزا کرنا) فسوس (حص) فسوسد (ضع)۔

فشاردن[2]، فشردن بمعنی افشاردن و افشردن۔

فگندن[3] بمعنی افگندن۔

کافتن، کاویدن: (کھودنا) کاوش، کاوکاو، کاواک (حص) کاوانیدن (عد) کاود (ضع)۔

کاستن، کاہیدن: (گھٹنا، گھٹا) کاست، کاہش (حص) کاہد (ضع)۔

کاشتن، کِشتن: (بونا) کاشت، کِشت (حص) کارد (ضع)۔

کردن: (کرنا، بنانا) کرد، کردار، کنش (حص) کردگار (صف) کند (ضع)۔

گشادن، کشودن: (کھلنا، کھولنا) گشاد، کشائش، کشاوی (حص) کشاید (ضع)۔

کُشتن: (مار ڈالنا) کشتن، کشتار (حص) کشد (ضع)۔

کشیدن: (کھینچنا، کھنچنا) کشش، کشتار (حص) کشد (ضع)

کشیدن: (کھینچنا، کھنچنا) کشش، کشاکش، کشمکش، کشید (حص) کشانیدن (عد) کشد (ضع)۔

کندن: (کھودنا) کند (ضع)۔

کوفتن، کوبیدن: (کوٹنا) کوفت، کوبش، کوب (حص) کوباں (صف) کوبد (ضع)۔

۱، ۲، ۳۔ تفصیل حرف الف میں دیکھیں۔ (مرتب)

کوشیدن : (کوشش کرنا)، کوشش، کوش (حص) کوشد (ضع)۔

گادن، گائیدن : (جماع کرنا) گاید (ضع)۔

گداختن : (پگھلنا، پگھلانا) گداز، گداخت، گدازش (حص) گدازد (ضع)۔

گذاردن : (ادا کرنا، پار ہونا) گذارش، گذار (حص) گذارا (صف) گذارد (ضع)۔

گذشتن : (گزرنا، گذشت، گذر) (حص) گذرانیدن (عد) گذرد (ضع)۔

گرائیدن : (رغبت کرنا) گرایش، گرائے (حص) گراید (ضع)۔

گردیدن : (پھرنا) گردش (حص) گردانیدن (عد) گردوں (صف) گردد (ضع)۔

گرفتن : (لینا، پکڑنا) گرفت، گیرائے (حص) گیرا (صف) گیرد (ضع)۔

گرویدن : (گردن جھکانا) گرو (حص) گرود (ضع)۔

گریستن، گرستن : (رونا) گریہ (حص) گریانیدن (عد) گریاں (صف) گرید (ضع)۔

گزیدن : (کاٹ کھانا) گزند (حص) گزاں (صف) گزد (ضع)۔

گزیردن : (علاج کرنا) گزیر (حص) گزیرد (ضع)۔

گزیدن : (چننا) گزیدگی (حص) گزیند (ضع)۔

گساردن : (کھانا پینا) گسارد (ضع)۔

گستردن، گستریدن : (بچھا) گسترد (ضع)۔

گسستن، گسلیدن، گسیختن : (توڑنا) گسلا (ضع)۔

گشتن : (پھرنا) گشت (حص) گرداں (صف) گردد (ضع)۔

گفتن : (کہنا) گفت، گفتار، گفتگو، گویائی (حص) گویا (صف) گوید (ضع)۔

گماشتن : (معیّن کرنا) گمارد (ضع)۔

گنجیدن : (سمانا) گنجاں، گنج، گنجا، گنجائی، گنجائش (حص) گنجانیدن (عد) گنجد (ضع)۔

گواریدن : (پچنا) گوار (حص) گوارا (صف) گوارد (ضع)۔

گوزیدن : (پادنا) گوز (حص) گوزد (ضع)۔

لافیدن، لائیدن : (بیہودہ بکنا) لاف، لائی، لابہ (حص) لافد، لاید، لابد (ضع)۔

لغزیدن : (پھسلنا) لغزش، پالغز (حص) لغزاں (صف) لغزد (ضع)۔

ماسیدن : (دہی جمانا) ماست (صف)۔

مالیدن : (ملنا) مالش، گوشمال (حس) مالاں (صف) مالد (ضع)۔

ماندن : (رہنا، ٹھہرنا، تھکنا، چھوٹنا) ماند بود، ماند، ماندگی (حس) ماندہ (صف) ماند (ضع)۔

مانستن : (مانند ہونا) مانا (حس) مانا (صف) ماند (ضع)۔

مُردن : (مرنا) میراندن (عد) مردہ (صف) میرد (ضع)۔

مزیدن : (چوسنا) مزد (ضع)۔

مکیدن : (چوسنا) مکد (ضع)۔

موئیدن : (رونا) مویہ (حس) مویاں (صف) موید (ضع)۔

میختن، میزیدن : (موتنا) میخ، میزک (حس) میزد (ضع)۔

نازیدن : (اترانا) نازش، ناز (حس) نازاں (صف) نازد (ضع)۔

نالیدن : (رونا) نالش، نالہ (حس) نالاں (صف) نالد (ضع)۔

نشستن : (بیٹھنا) نشست (حس) نشاندن، نشانیدن (عد) نشیند (ضع)۔

نکوہیدن : (ملامت کرنا) نکوہش (حس) نکوہشگر (صف) نکوہد (ضع)۔

نگاریدن، نگاشتن : (لکھنا) نگار، نگارش (حس) نگارد (ضع)۔

نگریدن، نگریستن، نگرستن : (تکنا) نگرش، نگرانی (حس) نگراں (صف) نگرد (ضع)۔

نمودن : (دیکھانا کرنا، دکھائی دینا) نمود، نُمائش، نُمانُما (حس) نمودار (صف) نماید (ضع)۔

نواختن، نوازیدن : (بجانا، نوازنا) نوازش، نواخت (حس) نوازد (ضع)۔

نوردیدن، نوشتن : (لپیٹنا) نورد (حس) نوردد (ضع)۔

نوشتن، نبشتن : (لکھنا) نوشت (حس) نویسد (ضع)۔

نوشیدن : (پینا) نوشانوش، نوش (حس) نوشانیدن (عد) نوشد (ضع)۔

نہادن : (رکھنا) نہاد (حس) نہد (ضع)۔

نہفتن : (چھپانا) نہفت (حس) نہاں (صف)۔

نیوشیدن : (سننا) نیوشا (صف) نوشد (ضع)۔

ورزیدن : (مشق کرنا) ورزش (حس) ورزد (ضع)۔

وزیدن : (ہوا کا چلنا) وزد (ضع)۔

ہراسیدن : (ڈرنا) ہراس (حص) ہراساں (صف) ہراسد (ضع)۔

ہشتن ، ہلیدن : (چھوڑ دینا) ہلد (ضع)۔

یارستن : (ہوسکنا) یارا (حص) یار (صف) یارد (ضع)۔

یافتن : (پانا) یافت (حص) یابد (ضع)۔

تیسرا باب

جامد کے بیان میں

جامد: اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے کوئی کلمہ مشتق نہ ہو، جیسے مرد اور زن۔ جامد کی اصلی صورت میں بھی مصدر کی طرح تغیرات ہوتے ہیں۔ لیکن اول تو مصدر سے کم ہوتے ہیں، دوسرے مصدر کے تغیرات اکثر قیاسی ہیں اور بعضے سماعی، اور جامد کے تغیرات اکثر سماعی ہیں اور بعضے قیاسی جیسے تثنیہ و جمع اور تذکیر و تانیث اور نسبت اور تصغیر اور ادغام، اور سماعی جیسے نقل اور تحریک اور زیادت اور تشدید اور ابدال اور بدل البدل اور قلب اور امالہ اور حذف اور تفریس اور تعریب اور اشباع اور ترخیم۔ سو ہم دونوں قسم کے تغیرات کو جدا جدا بیان کرتے ہیں۔

تثنیہ: یعنی وہ کلمہ جو ایک جز کے دو ہونے پر دلالت کرے۔ فارسی میں جس طرح فعل کا تثنیہ اور جمع ایک طور پر آتا ہے، اسی طرح اسم کا تثنیہ اور جمع ایک طرح پر آتا ہے۔ تثنیہ کے لیے عربی زبان کی طرح فارسی میں کوئی جدا صیغہ مقرر نہیں اور ضرورت کے وقت اہل عجم واحد پر لفظ ''دو'' بڑھا کر اُس سے صیغۂ تثنیہ کا کام لیتے ہیں۔ جیسے دو مرد یا دو زن یا دو اسپ یا دو کتاب۔

جمع: یعنی وہ کلمہ جو ایک چیز کے متعدد ہونے پر دلالت کرے۔ فارسی میں اسم جمع بنانے کا دستور یہ ہے کہ جو اسم جاندار چیزوں پر دلالت کرتے ہیں، ان کی جمع اکثر الف اور نون کے ساتھ آتی ہے؛ جیسے مرداں اور زناں اور گوسفنداں اور اسپاں۔ اور کبھی الف اور نون کے ساتھ نہیں آتی، بلکہ ہائے ہوز اور الف کے ساتھ آتی ہے؛ جیسے ''مارہا'' لیکن یہ بہت کم ہے۔ مگر خود لفظ جان اور آدمی اور جانوروں کے اعضا کی جمع اکثر ہائے ہوز اور الف کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے:

بوئے جاں باد اگر از کوئے تو آرد چہ عجب
رفتہ جاں ہائے عزیزاں ہمہ برباد آں جا

اور اسی طرح دست ہا اور پاہا اور سرہا اور دیدہ ہا اور دل ہا اور دندان ہا اور دماغہا اور شانہ ہا اور بازو ہا اور جبیں ہا اور پشت ہا اور شکمہا وغیرہ۔ اور کبھی الف اور نون کے ساتھ بھی آتی ہے: جیسے دستاں بجائے دست ہا۔ اور بعضے اعضا کی جمع دونوں طرح برابر آتی ہے۔ جیسے چشمہا اور چشماں اور ابرو ہا اور ابرواں اور مژہ ہا اور مژگاں اور لب ہا اور لباں۔ اور جو اسم غیر ذوی الروح پر دلالت کرتے ہیں، ان کی جمع اکثر ہائے ہوز اور الف کے ساتھ آتی ہے: جیسے سنگ ہا اور چوب ہا اور خانہ ہا اور تخت ہا اور کلاہ ہا۔ اور کبھی الف اور نون کے ساتھ بھی آتی ہے: جیسے درختاں لیکن یہ بہت کم ہے۔

ہائے مختفی الف و نون جمع کے ملنے سے کاف فارسی کے ساتھ بدل جاتی ہے: جیسے بندہ اور بندگاں اور فرزانہ اور فرزانگاں اور خواجہ اور خواجگاں۔ اور ہائے ہوز کے ملنے سے اپنے حال پر رہتی ہے، جیسے آبلہ ہا اور حوصلہ ہا اور پارہ ہا اور ریزہ ہا۔

بعضے اسم ایسے ہیں کہ کبھی واحد کے معنی دیتے ہیں اور کبھی جمع کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے لفظ مردم کہ مرد اور مرداں دونوں کی جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ مرداں کے جگہ تو ظاہر ہے اور مرد کی جگہ جیسے: ''سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت و مردم شد'' اور بعضے ایسے اسم ہیں کہ بدون ملنے علامت جمع کے ہمیشہ جمع کے معنی دیتے ہیں: جیسے گروہ اور انجمن اور قوم وغیرہ۔ لیکن ان دونوں قسموں کے اسموں کو جمع نہیں کہہ سکتے۔

تانیث و تذکیر: جس طرح عربی میں فعل مذکر اور اسم مذکر میں علامت تانیث کے ملنے سے فعل مؤنث اور اسم مؤنث بن جاتا ہے، اسی طرح فارسی میں کوئی علامت تانیث نہیں، لیکن ضرورت کے وقت مذکر اور مؤنث میں تفرقہ کرنے کے لیے فارسی کا دستور یہ ہے کہ ذوی العقول میں صرف مؤنث کے لیے اسم کے ساتھ لفظ زن ملا دیتے ہیں: جیسے مثلاً قاتل کی جگہ صرف کشندہ اور قاتلہ کی جگہ زنِ قاتلہ و زنِ کشندہ اور جمیل کی جگہ صرف خوبرو اور جمیلہ کی جگہ زن خوبرو۔ حیوانات میں صرف مؤنث کی جگہ لفظ ''مادہ'' اسم کے ساتھ ملا دیتے ہیں: مثلاً مذکر کے لیے محض اسپ اور مؤنث کے لیے مادہ اسپ بولتے ہیں۔

بعضے زبان دانوں نے لفظ نورچشم اور برخوردار اور صاحبزادہ وغیرہ میں یائے تانیث ملا کر لڑکی کے لیے نورچشمی اور برخورداری اور صاحبزادی استعمال کیا ہے۔ اگرچہ یہ بات اہل زبان کے محاورے کے خلاف ہے، لیکن کثرت استعمال سے یہ مخالفت نہیں رہی۔

بعضے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فارسی میں کہیں کہیں حرف میم بھی علامت تانیث کے لیے آیا ہے، جیسے تیر (برگزیدہ) اور تیرم (زن برگزیدہ) اور بیگ اور بیگم اور خان اور خانم۔ چنانچہ بعض محققین نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ لیکن اگر یہ قیاس ٹھیک بھی ہو تو حرف میم عموماً علامت تانیث نہیں ٹھہر سکتا، بلکہ ہر جگہ اہل زبان سے سننے کی حاجت پڑے گی۔

نسبت : یعنی اسم کے آخر میں کوئی ایسا حرف ملانا جس سے وہ اسم اُس شے پر دلالت کرنے لگے جو اُس کی طرف منسوب ہے۔ جیسے رومی اور زنگی۔ دیکھو یہاں روم اور زنگ یائے تحتانی کے ملنے سے اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ اُس شخص پر دلالت کرتے ہیں جو روم و زنگ کے ساتھ منسوب ہے۔

فارسی میں کئی حرف ہیں جو نسبت کا فائدہ دیتے ہیں۔

رائے مہملہ : جیسے 'مَل' شراب کو اور 'نَس' سائے کو اور انگشت انگلی کو کہتے ہیں اور 'مَلر' شراب خانے یعنی خانہ منسوب بہ شراب اور 'نَسر' سائبان یعنی سائے والی چیز اور 'انگشتر' انگوٹھی یعنی اُنگلی کے ساتھ علاقہ رکھنے والی چیز۔

شین معجمہ : جیسے گند بدبو کو کہتے ہیں اور گندش گندک کو کہتے ہیں یعنی بدبو والی چیز۔

کاف تازی: جیسے گندک یعنی منسوب بہ گند۔

میم : جیسے نیلم نام جواہر یعنی رنگ میں نیل سا۔

نون : جیسے جوش حلقے کو اور درز جھری کو اور ریم چرک کو کہتے ہیں، اور جوشن پیراہن آہنیں یعنی حلقوں والی چیز اور درزن سوئی یعنی جس کو درز کے ساتھ نسبت ہے۔ اور ریمن چرکیں یعنی منسوب بہ ریم۔

واو : جیسے ہندو، یعنی منسوب بہ ہند اور ریشو یعنی داڑھی والا۔

یائے تحتانی : جیسے ہندی اور رومی اور عربی اور عجمی وغیرہ۔

یا و نون : جیسے سیمین اور مشکین اور عنبرین اور سندلین۔

الف و کاف: جیسے فغاک جیسے جوان خوبرو منسوب بہ فغ (بت) اور مغاک (گڑھا) یعنی منسوب بہ مغ (عمق)۔

الف و نون و ہائے ہوز: جیسے ماہانہ اور سالانہ اور روزانہ اور شکرانہ اور جرمانہ اور سلامانہ۔

یائے نسبت کبھی حذف بھی کی جاتی ہے۔ جیسے:

ز من مصر باید نہ زر خواستن
سخن چون زر مصری آراستن

دیکھو یہاں پہلے مصرع میں مصر سے مراد تیغ مصری ہے۔ یائے نسبت جس طرح فارسی میں آتی ہے اسی طرح عربی میں آتی ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ فارسی میں ساکن ہوتی ہے اور عربی میں مُشدّد۔

عربی میں الحاق یائے نسبت کے لیے جو قواعد کلیہ مقرر ہیں، فارسی والوں کو بھی اُن قاعدوں کا جاننا ضروری ہے، کیونکہ فارسی والے بھی کلمات میں یائے نسبت اُنھی قاعدوں کے موافق لاحق کرتے ہیں۔ دوسرے سینکڑوں اسم جو یائے نسبت کے ساتھ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں مستعمل و متعارف ہیں اُن کی ماہیت جاننی بھی ضروری ہے، اس لیے ہم چند قواعد ضروریہ صرف عربی کی کتابوں سے یہاں نقل کیے دیتے ہیں۔

قاعدہ: جس کلمے کے آخر میں تائے تانیث ہوگی وہ یائے نسبت کے آنے سے گر جائے گی۔ جیسے کوفہ اور بصرہ اور مکہ اور کوفی اور بصری اور مکی۔

قاعدہ: تثنیہ کا الف اور نون اور جمع اور عشرات اعداد کا واوٗ اور نون بھی یائے نسبت کے ملنے سے حذف ہو جاتا ہے؛ جیسے ملوان اور قاسطون اور عشرون اور ملوی اور قاسطی اور عشری۔ ہاں اگر ان لفظوں کو کسی آدمی یا کسی شہر وغیرہ کا علَم ٹھہرا لیں تو الف اور نون یا واوٗ اور نون حذف نہ کیے جائیں گے۔ اُس وقت ملوانی اور قاسطونی اور عشرونی کہنا چاہیے۔

قاعدہ: جس کلمے کے آخر میں یائے مشدّد تین حرفوں کے بعد یا تین سے زیادہ کے بعد واقع ہوئی ہو، وہ ''یے'' یائے نسبت کے ملنے سے گر جائے گی۔ جیسے شافعی اور کرسی کہ یائے نسبت کے ملنے سے بھی شافعی اور کرسی ہی رہے گا۔

قاعدہ: جس کلمے میں چوتھا ضمہ کے بعد واؤ ہو وہ بھی یائے نسبت کے ملنے سے گر جائے گا۔ مثلاً: کسی کا نام ''ضربوا'' رکھیں اور اُس میں یائے نسبت ملائیں تو ''ضَرَبِی'' رہ جائے گا۔

قاعدہ: جہاں یائے مشدد کی دوسری یے مکسور ہو اور اُس کے آگے کوئی حرف صحیح واقع ہو وہ بھی یائے نسبت کے آنے سے گر جائے گی؛ جیسے سیّد اور مُہَیِّم (سرگشتہ کرنے والا) اور سیدی اور مہیمی۔

قاعدہ: جو کلمہ فعیل اور فعَیّل کے وزن پر آئے اور اس کے آخر میں یائے مشدد ہو یا فَعیلۃ کے وزن پر آئے اور تائے تانیث سے پہلے یائے مشدد ہو، وہاں یائے مشدد کے پہلے یے گرائی جائے گی۔ اور دوسری یے واؤ سے بدلی جائے گی، اور کلمے کا دوسرا حرف مفتوح کیا جائے گا۔ جیسے غنی اور غنَوی اور قُصَیّ (نام مرد) اور قُصَوی اور تحیہ اور تَحَوِی۔ اور اگر یائے مشدد کی جگہ پہلا حرف یائے ساکن اور دوسرا حرف صحیح ہو تو یائے ساکن کو حذف کریں اور حرفِ صحیح کو کسرہ دیں اور کلمے کے دوسرے حرف کو مفتوح کریں جیسے مَدِینَۃ اور مَدَنی اور حَذِیفَۃ اور حَذَفی۔

قاعدہ: جس کلمۂ سہ حرفی کے بیچ کا حرف مکسور ہو اور اس کا ماقبل مکسور نہ ہو تو وہ یائے نسبت کے ملنے سے مفتوح ہو جائے گا۔ جیسے نَمِر (پلنگ) اور نَمَرِی۔ اور ماقبل بھی مکسور ہو تو کسرہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں۔ جیسے اِبِل اور اِبِلی اور اِبَلی۔

قاعدہ: جس کلمۂ سہ حرفی کے آخر میں یائے تحتانی حرفِ مسکور یا یائے تحتانی کے بعد واقع ہو، وہ یائے نسبت کے ملنے سے واؤ ہو جائے گی اور اس کے ماقبل کو فتحہ دیں گے: جیسے عَمی (اندھا) اور عَمَوِی اور حَیّ اور حَیَوِی اور کلمۂ چہار حرفی میں گر جائے گی، یا واؤ سے بدلی جائے گی، او. ماقبل کو فتحہ دیا جائے گا؛ جیسے قاضِی اور قاضی اور قاضَوِی، اور اس سے زیادہ کلمے میں ہمیشہ گرائی جائے گی۔ جیسے مُشترِی اور مشترَی۔

قاعدہ: کلمۂ سہ حرفی کے آخر کا الف یائے نسبت کے ملنے سے واؤ ہو جائے گا؛ جیسے فَتی اور فَتَوِی اور کلمۂ چہار حرفی میں اُس الف کا گرانا بھی جائز اور واؤ سے بدلنا بھی جائز جیسے اعشٰے اور اَعشِی اور اَعشَوِی اور کلمۂ پنج حرفی میں ہمیشہ گرایا جائے گا؛ جیسے حُبارٰی اور حُبارِی۔

قاعدہ: الفِ ممدودہ کے بعد اگر ہمزہ اصلی ہے تو یائے نسبت کے ملنے پر باقی رہے

گا۔ جیسے قُرّاء اور قُرّائی اور اگر تانیث کے لیے ہے تو واؤ ہو جائے گا؛ جیسے حمراء اور حمراوی اور اگر نہ اصلی ہے نہ تانیث کے لیے تو دونوں باتیں جائز ہیں۔ جیسے کِساؤ اور کِسائی اور کِساوی۔

قاعدہ: جو اسم کسی حرف کے گرنے سے دوحرفی رہ گیا ہو، نسبت کے وقت اُس حرف کو پھیر لانا کہیں واجب ہے کہیں جائز کہیں ممتنع۔ واجب جیسے اَخ اور اَخوی اور عِدۃ اور وَعدی اور جائز جیسے دَم اور دَمی اور دَموی اور ممتنع جیسے سَہ (اس کی اصل ستہ تھی، یعنی حلقۂ دُبر) اور سَہی۔

قاعدہ: جمع مُکَسّر (یعنی جس میں واحد کا وزن ٹوٹ جائے) اگر کسی چیز یا کسی گروہ کا نام ہو تو اس میں بے تکلف یائے نسبت ملا لو؛ جیسے مدائن (نام شہر) اور مدائنی اور انصار اور انصاری۔ اور ایسے نہ ہو تو یائے نسبت اُس کے واحد میں ملانی چاہیے۔ مثلاً اگر مساجد میں یائے نسبت ملائیں گے تو مسجدی بولیں گے، نہ مَساجِدی۔

قاعدہ: مرکب غیر اضافی اگر کسی کا نام ہو تو نسبت کے وقت اُس کا دوسرا جز گرانا چاہیے۔ جیسے بعلبک (نام قلعہ مرکب از بعل و بک) اور بَعلی۔

قاعدہ: مرکب اضافی اگر کنیت ہے یا اُس کا دوسرا جز نہایت معروف ہے اور مشہور ہے تو نسبت میں اس کا پہلا جز گرانا چاہیے۔ جیسے ابن زبیر اور زبیری اور ابو حنیفہ اور حنفی اور عبدالرسول اور رسولی اور نہیں تو دوسرا جز گرانا چاہیے، جیسے امرءالقیس اور امرئی۔

فائدہ: بعضے لفظوں میں الحاق یائے نسبت ان قاعدوں کے خلاف بھی واقع ہوا ہے۔ جیسے رَی اور رازی اور مَرْو اور مَرْوَزی اور ہند اور ہندوانی اور عبدالقیس اور عبقی اور عبدالشمس اور عبشمی اور عبدالدار اور عبدری۔ اور ان کے سوا اور الفاظ بھی ہیں۔

تصغیر: یعنی اسم کے آخر میں ایسا حرف ملانا جس سے اُس چیز کی قلتِ مقدار یا حقارت یا تعظیم یا محبوب ہونا سمجھا جائے۔ جو حرف تصغیر کا فائدہ دیتے ہیں اُن میں سے ایک کاف تازی ہے؛ جیسے مردک اور جیم فارسی جیسے طاقچہ اور ماچہ اور کوچہ اور واؤ جیسے پسرو (یعنی چھوٹا لڑکا)، جیم فارسی اور واؤ جن لفظوں کے ساتھ سنے گئے ہیں اُن کے سوا اور کہیں مستعمل نہیں ہو سکتے۔ ہاں مگر کاف تازی یائے نسبت کی طرح ہر اسم کے ساتھ مل سکتا ہے۔ کاف تازی کے ملانے سے کبھی مُصغر کی چھوٹائی جتانی منظور ہوتی ہے جیسے آب پانی اور آبک قطرۂ آب، اور کبھی تحقیر جیسے مردک

یعنی مرد خوار و ذلیل اور کبھی تعظیم جیسے مام بمعنی مادر اور مامک بمعنی مادر بزرگ اور باب پدر اور بابک پدر بزرگوار اور کبھی اظہار شفقت جیسے طفلک پیارا لڑکا اور فرزندک پیارا بیٹا۔

ادغام: یعنی دو حرف قریب المخرج یا متحد المخرج کو ایک مخرج میں پڑھنا جیسے شب بو کو شبو اور شب پر اور شپر پڑھنا۔

نقل: یعنی متحرک کی حرکت ساکن کو دینی جیسے گلستاں اور سنبلستاں اور نیستاں کہ اصل میں ان کا سین مکسور اور اس کا ماقبل ساکن ہے۔

تحریک: یعنی ساکن کو متحرک کرنا جیسے پہَن اور بَرسات کہ ان کی اصل میں ہائے ہوز اور رائے مہملہ ساکن ہے اور استعمال ان کا حرکت کے ساتھ بھی ہے۔

زیادت: یعنی اصل لفظ میں کچھ بڑھا دینا جیسے شناہ کو آشناہ اور ارمغان کو ارمغانے۔ کر لینا۔

تشدید: یعنی ساکن کو مشدّد پڑھنا جیسے زرہ فیل کو زرّہ فیل اور خم کمند کو خمّ کمند اور کثری اور کجی کو کژّی اور کجّی اور کری اور پری کو کرّی اور پرّی کر لینا۔

قلب: یعنی اصل لفظ کی ترتیب کو بدل ڈالنا جیسے استراباد (نامِ شہر) کو استارباد اور بلغور (آشِ گندم و جو) کو برغول اور درویزہ کو دریوزہ اور پلارک (فولادِ جوہردار) کو پرالک اور شبانگہ کو شباہنگ اور زردہشت (نامِ حکیم) کو رزدہشت اور ہوشمند کو ہشومند اور ہوشیار کو ہشیوار اور کسلیدہ کو سگلیدہ اور چشم کو چمش اور چشمہ کو چمشہ اور دست فال (بوہنی) کو دست الاف کر لیتے ہیں۔

اِبدال: یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل ڈالنا، اور اُس کی مثالیں پہلے باب میں جابجا مذکور ہیں۔

بدل البدل: یعنی پہلے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا اور پھر دوسرے حرف کو تیسرے حرف سے بدل ڈالنا: جیسے بایہ اور وایہ اور مایہ (حاجت) اور ژند باف اور ژندواف اور ژندلاف (بلبلِ ہزار داستاں) اور سبارک اور سپاروک اور ساروک (کبوتر)۔

امالہ: یعنی الف کو یائے مجہول سے بدلنا جیسے آرمان اور ایرمان اور آزار اور آزیر اور آباد اور آبید۔

حذف : یعنی اصل لفظ میں سے کوئی حرف گرا دینا جیسے آستین اور آستن اور ارسطاطالیس اور سطاطالیس اور ہنوز اور نوز اور فروردین اور فردین۔

تفرلیس : یعنی عربی یا ہندی اسموں میں خلاف وضع اپنی طرف سے تصرف کرنا۔ کبھی متحرک کو ساکن کر کے جیسے عجلہ بسکون جیم اور صبر بسکون با (نام درخت) اور غرق بسکون را اور سبلت بسکون با اور حرکت اور برکت اور یرقان بسکون رائے مہملہ کہ اصل میں جیم مفتوح اور بائے مکسور اور رائے مکسور اور بائے مفتوح اور رائے مفتوح کے ساتھ ہیں۔ اور کبھی ساکن کو متحرک کر کے جیسے عَفو بضمۂ فا اور شَفَقت بفتحۂ فا اور قَرَن بفتحۂ را اور عَطَشان (تشنہ) بفتحۂ طا اور حَدَثان (حادثہ) بفتحۂ دال اور لُطَف بفتحۂ طا کہ اصل میں یہ سب حرف ساکن ہیں۔

کبھی مشدد کو مخفف کر کے جیسے غَم اور ہَم بسکونِ میم اور سَد اور قَد بسکونِ دال اور زقوم بتخفیف قاف اور سجِل بسکونِ لام اور نَیت اور کیفیت اور خاصیت اور ہَدیہ بتخفیفِ یا اور مشاطہ بتخفیف شین کہ اصل میں یہ سب حرف مشدد ہیں۔ اور کبھی کوئی حرف اصل لفظ میں بڑھا کر جیسے رَواق اور مَحَافہ اور مسلمان اور فضولی اور غلطی اور سلامتی اور زیادتی اور حضوری کہ اصل میں رَوق اور محَفہ اور مُسلم اور فضول اور غلط اور سلامت اور زیادت اور حضور ہیں۔

کبھی صیغۂ جمع کو واحد ٹھہرا کر جیسے ابدال اور ایام اور مشایخ اور آثار اور ملائک اور حور اور صُم اور بکم اور ارمان اور نیران اور القاب اور عجائب اور طلائع اور آمال اور وقایع اور مداخل اور منازل، بدیل اور یوم اور شیخ، اور اثر اور مَلک اور حورا اور اَصم اور اَبکم اور رکن اور نار اور لَقب اور عجیبہ اور طلیعہ (ہراول) اور اَمَل اور وَقیعہ اور مدخل اور منزل کی جگہ مستعمل ہیں۔

کبھی اصل لفظ سے کچھ گرا کر جیسے عجوبہ اور مواسا اور مدارا اور محاکا اور مفاجا اور محابا اور مکافا اور شقاق اور مغیلاں اور بُتحق اور بُونصر اور بوجہل اور بلیس اور میر، اعجوبہ اور مواسات اور مدارات اور محاکات اور مفاجات اور محابات اور مکافات اور شقائق اور ام غیلان اور ابواسحٰق اور ابونصر اور ابوجہل اور ابلیس اور امیر کی جگہ مستعمل ہیں۔

کبھی امالہ کر کے جیسے عتاب کی جگہ عتیب اور کتاب کی جگہ کتیب اور حساب کی جگہ حسیب اور حجاب کی جگہ حجیب اور مزاج کی جگہ مزیج اور اقبال کی جگہ اقبیل برتا گیا ہے۔

ہندی لفظوں کو فارسی میں اس طرح برتتے ہیں کہ جو حرف ہندی زبان کے ساتھ

مخصوص ہیں ان کو کسی مناسب حرف کے ساتھ بدل لیتے ہیں۔ یا گرا دیتے ہیں، جیسے ستارہ کی جگہ کتارہ اور سکھڑ کی جگہ سکڑ اور جھگڑ کی جگہ جگڑ اور گھڑیال کی جگہ گریال اور چوکھنڈی کی جگہ چوکنڈی۔ اور کہیں بلاضرورت بھی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیتے ہیں: جیسے جمنا کی جگہ جون۔

تعریب: یعنی فارسی لفظوں کو عربی الفاظ کی صورت بنانا جیسے زلفیں اور نزاکت اور تگدی (دریوزہ گری) اور مطلا اور مشدد اور تحرّمز (اپنے تئیں حرامزادہ ظاہر کرنا) اور تکشّمز (اپنے تئیں کشمیری ظاہر کرنا) اور مُزَیَّب اور افاغنہ اور براہمہ اور پروانجات اور نزوات اور نہنگ البحر اور پلنگ الجبل اور انا الیار اور ذوا تخو رشیدین وغیر ذلک۔

اشباع: یعنی حرکت کو اتنا کھینچنا کہ واو یا الف یا یے پیدا ہو جائے؛ جیسے بم کو بام اور نُہ کو نوہ اور وَہ کو واہ اور سخن کو سخون اور گلخن کو گولخن اور چابک کو چابوک اور کابک کو کابوک اور گجرات کو گوجرات اور پیرامن کو پیرامون اور ہژدہم کو ہیژدہم کر لیتے ہیں۔

ترخیم: یعنی لفظ کے آخر سے ایک یا ایک سے زیادہ حرف گرا دینے۔ جیسے چشم زخم کی جگہ چش زخ اور گوزن کی جگہ گوز اور چون و چرا کی جگہ چون و چہ اور نریمان کی جگہ نر اور جزیرہ کی جگہ جز اور غشی کی جگہ غش استعمال کیا گیا ہے۔

فائدہ: اگر کئی لغت (لفظ) ایک معنی پر دلالت کریں تو ان کو ایک دوسرے کا مترادف کہتے ہیں۔ جیسے دُزد اور لائی تلچھٹ کو کہتے ہیں۔ پس درد لائی کا مترادف اور لائی، درد کا مترادف ہے۔ اور اگر ایک لفظ کئی معنوں پر دلالت کرے تو اس کو مشترک کہتے ہیں؛ جیسے دام جال کو بھی کہتے ہیں اور چار پائے کو بھی کہتے ہیں۔ پس لفظ دام کو مشترک کہیں گے۔

اگر ایک لفظ کے ایسے دو معنی ہوں کہ ایک دوسرے کی ضد ہو تو اس کو ضد کہتے ہیں۔ جیسے 'فراز' بستہ اور کشادہ دونوں کو کہتے ہیں۔ پس لفظ فراز کو ضد کہیں گے۔

اور جو لفظ کبھی بغیر اپنے ہم وزن کے نہ برتا جائے اس کو تبع کہتے ہیں۔ جیسے تار و مار اور ترت و مرت اور تال و مال (تینوں کے معنی پریشان) اور شیب اور تیب بروزن سیب (سرگشتہ) دیکھو نرا تار یا نرا مار یا نرا ترت یا نرا مرت اور اسی طرح باقی چاروں لغت (لفظ) کبھی جدا مستعمل نہیں ہوتے۔

خاتمہ علم صرف کے سوالات میں

۱۔ بتاؤ مطلق حرف اور حرف تہجی میں کیا فرق ہے؟

۲۔ بتاؤ لفظ غور کا واؤ معروف ہے یا مجہول ہے یا مدہ ہے یا لین؟

۳۔ بتاؤ مصدر اور ماضی کی خے مضارع اور امر میں کون کون سے حرف سے بدلتی ہے؟

۴۔ بتاؤ مصدر اور ماضی کا سین مضارع اور امر میں کون کون سے حرف سے بدلتا ہے؟

۵۔ بتاؤ مصدر اور ماضی کا شین مضارع اور امر میں کون کون سے صرف سے بدلتا ہے؟

۶۔ بتاؤ دال مہملہ کو ذال معجمہ سے کب بدلتے ہیں؟

۷۔ بتاؤ لفظ طہورث اگر فارسی ہے تو اس میں طائے مہملہ اور تائے مثلثہ کہاں سے آئے؟

۸۔ بتاؤ لفظ گندک میں کاف تازی کیا فائدہ دیتا ہے؟

۹۔ بتاؤ جیم تازی لغت ژند و پاژند میں آیا ہے یا نہیں؟

۱۰۔ بتاؤ لفظ دوست میں تائے فوقانی اصلی ہے یا زائدہ؟

۱۱۔ بتاؤ جیم فارسی تعریب میں کون سے حرف سے بدلا جاتا ہے؟

۱۲۔ بتاؤ صد اور شصت اور طپیدن اور طلا اور طراز اور طپانچہ اور طشت حالانکہ فارسی کے لفظ ہیں پھر ان میں صاد مہملہ اور طائے مہملہ کہاں سے آئے؟

۱۳۔ بتاؤ لفظ انگشتر اور شنار میں رائے مہملہ اصلی ہے یا زائدہ؟ اور جو دونوں جگہ اصلی یا زائدہ ہے تو دونوں میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

۱۴۔ بتاؤ مصدر اور حاصل مصدر میں کیا فرق ہے؟

۱۵۔ بتاؤ مصدر متعدی سے کون سے ایسے کلمے مشتق ہوتے ہیں جو لازمی سے نہیں ہوتے؟

۱۶۔ بتاؤ اسم اور فعل میں وہ کون سے معنی مشترک ہیں۔ جو حرف میں نہیں پائے جاتے؟

۱۷۔ بتاؤ حاصل مصدر کے وزن سماعی ہیں یا قیاسی؟

۱۸۔ بتاؤ اگر مصدر لازمی سے اسم مفعول کے وزن پر کوئی صیغہ مشتق ہوا ہو تو اس کا کیا نام رکھیں؟

۱۹۔ بتاؤ لفظ دزد اور خشک اور تفت اور گردوں اور افزوں کا ہے کے صیغے ہیں؟

۲۰۔ بتاؤ جبکہ گردن اور آبستن کے آخر میں دن اور تن آیا ہے، پھر ان کو مصدر کیوں نہیں کہتے۔

۲۱۔ بتاؤ لفظ پیمانہ مشتق ہے یا جامد؟

۲۲۔ بتاؤ لفظ ورثا کا وزن سماعی ہے یا قیاسی؟

۲۳۔ بتاؤ مضارع کو مشتق سماعی کہیں یا قیاسی؟

۲۴۔ بتاؤ نہی کا فائدہ کون کون سے حرف دیتے ہیں؟

۲۵۔ بتاؤ نون نفی اور یائے زائدہ کے آنے سے فعل کے حرفوں میں کہیں کچھ تغیر آتا ہے یا نہیں؟

۲۶۔ بتاؤ امر مستمر کون سے امر کو کہتے ہیں؟

۲۷۔ بتاؤ ماضی اور امر کا وزن اپنے خاص معنوں کے سوا کبھی کسی اور معنی کے لیے بھی آتا ہے یا نہیں؟

۲۸۔ بتاؤ ماضی احتمالی اپنے معنی کے سوا کبھی کسی اور فعل کے معنی بھی دیتی ہے یا نہیں؟

۲۹۔ بتاؤ ماضی استمراری کا صیغہ کسی اور ماضی کی جگہ بھی برتا جاتا ہے؟

۳۰۔ بتاؤ ماضی تمنائی کو ماضی ناتمام کیوں کہتے ہیں؟

۳۱۔ بتاؤ وہ کون سا فعل ہے جس میں مصدر بعینہ آتا ہے؟

۳۲۔ بتاؤ مضارع اور امر کے صیغوں میں کیا فرق ہے؟

۳۳۔ بتاؤ وہ کون سی خصوصیت ہے جو ہر مصدر میں پائی جاتی ہے؟

۳۴۔ بتاؤ وہ کون سی بات ہے جو ہر مضارع میں پائی جاتی ہے؟

۳۵۔ بتاؤ ماضی ناتمام کا صیغۂ جمع متکلم کیا ہے؟

۳۶۔ بتاؤ حرفِ نفی فعل پر کس جگہ لانا چاہیے؟

۳۷۔ بتاؤ 'گوش نخواہی کردن' کیا صیغہ ہے؟

۳۸۔ بتاؤ 'تن ہے زن' کیا صیغہ ہے؟

۳۹۔ 'آمد شد' کون سے مصدر کا حاصل مصدر ہے؟

۴۰۔ بتاؤ لفظ آوردہ اسم مفعول کے سوا اور بھی کوئی صیغہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۴۱۔ بتاؤ حرکت کو کھینچ کر پڑھنے کا کیا نام ہے؟

۴۲۔ بتاؤ قلب کی کیا تعریف ہے؟

۴۳۔ بتاؤ نقل کس کو کہتے ہیں؟

۴۴۔ بتاؤ نسبت کا فائدہ کون کون سے حرف دیتے ہیں؟

۴۵۔ بتاؤ لفظ داعی میں یائے نسبت ملائیں گے تو کیا ہو جائے گا؟

۴۶۔ بتاؤ لفظ جُو دِیّ میں یائے نسبت ملائیں گے تو کیونکر پڑھیں گے؟

۴۷۔ بتاؤ لفظ بُصْرِی میں یائے نسبت کے ملانے کا کیا فائدہ ہے؟

۴۸۔ بتاؤ لفظ جُدّہ یائے نسبت کے ملنے سے کیا ہو جائے گا؟

۴۹۔ عبدالشمس کا عبشمی اور ابنِ زبیرؓ کا زبیری نسبت کے کون سے قاعدے سے بنا؟

۵۰۔ بتاؤ تفریس کی کتنی صورتیں ہیں؟

۵۱۔ بتاؤ لفظ زلفین اور تخرمز میں تفریس ہوئی ہے یا تعریب؟

۵۲۔ بتاؤ امامہ کس کو کہتے ہیں؟

۵۳۔ بتاؤ کاف تصغیر کیا کیا فائدہ دیتا ہے؟

۵۴۔ جس قاعدے سے روشن کو روش اور زخم کو زخ کر لیتے ہیں اس کا کیا نام ہے؟

۵۵۔ جس قاعدے سے وہ کو واہ اور چابک کو چابوک کر لیتے ہیں اس کا کیا نام ہے؟

۵۶۔ بتاؤ اِبدال اور بدل البدل میں کیا فرق ہے؟

۵۷۔ بتاؤ لفظ کاروبار میں جو لفظ بار ہے اس کو جدا بھی استعمال کر سکتے ہیں؟

۵۸۔ بتاؤ لفظ خشب کو خم اور شب کو سُم کرنا ابدال ہے یا ادغام اور ابدال ہے تو کون سا حرف کون سے حرف سے بدلا گیا ہے؟

۵۹۔ بتاؤ جہار جو ایک ہندی لفظ ہے، اگر فارسی میں لایا جائے تو کیونکر لایا جائے؟

۶۰۔ بتاؤ کاف کے سوا اور کون کون سے حرف تصغیر کا فائدہ دیتے ہیں؟

دوسرا حصہ

علمِ نحو کے بیان میں

مقدّمہ

نحو: وہ علم ہے جس سے جملوں کی ترکیب اور اجزائے جملہ کے حالات اور اُن کی کسوتی معلوم ہو۔

لفظ: وہ جو زبان سے بولا جائے۔

مفرد: وہ لفظ جو اکیلا ہو۔

کلمہ: وہ لفظ مفرد جو کچھ معنی رکھتا ہو۔

اسم: وہ کلمہ جو اپنے معنی پر آپ دلالت کرے اور فاعل بننے کے قابل ہو۔

مُبتدا: وہ اسم جس کی شان سے یہ ہے کہ ہمیشہ جملہ کے سرے پر واقع ہو۔

خبر: وہ کلمہ جو مبتدا کی طرف نسبت کیا جائے جیسے "زید جواں مرد است"۔ اس جملے میں زید مبتدا ہے اور جواں مرد خبر۔

فاعل: وہ اسم جس کی طرف فعل معروف نسبت کیا جائے جیسے گفت زید۔ اس جملے میں گفت فعل معروف ہے اور زید فاعل۔

نائب فاعل: وہ اسم جس کی طرف فعل مجہول نسبت کیا جائے جیسے کشتہ شد زید۔ اس جملے میں کشتہ شد فعل مجہول ہے اور زید نائب فاعل۔

مفعول: یہ اُس چیز کا نام جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا۔

مفعولِ مطلق: اُس مصدر فارسی یا عربی کو کہتے ہیں کہ جو کسی اسم کی طرف مضاف یا کسی صفت کا موصوف ہو کہ کلام میں لایا جائے اور اُسی مصدر کو یا اُس کے مشتق کو اُسی جملے میں پہلے ذکر کر چکے ہوں۔

مفعول فیہ: اُس چیز کا نام جس میں فاعل کا فعل واقع ہو۔

حال: وہ اسم کہ جس سے فاعل یا نائب فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت سمجھی جائے۔

ذوالحال: وہ جس کی ہیئت حال سے سمجھی جائے جیسے ''زید خندہ زناں آمد''۔ اس جملے میں زید ذوالحال ہے اور خندہ زناں حال۔

استثنا: کسی چیز پر کوئی حکم لگانا اور پھر اُس حکم سے دوسری چیز کو نکالنا۔

مستثنیٰ مِنہ: وہ اسم جس سے استثنا کیا جائے۔

مستثنیٰ: وہ اسم جو مستثنیٰ مِنہ کے حکم سے نکالا گیا ہو۔ ''شب ہمہ مردمانِ قوم در مجلس حاضر بودند مگر زید'' اس جملے میں ''ہمہ مردمانِ قوم'' مستثنیٰ منہ اور اور زید مستثنیٰ ہے۔

منادیٰ: وہ اسم جس پر حرفِ ندا آئے۔

اسم اشارہ: وہ اسم جس سے کسی کی طرف اشارہ کیا جائے۔

موصول: وہ اسم جو بغیر صلہ کے تمام نہ ہو۔

صلہ: وہ جملہ جو موصول کے بعد آ کر اس کا ابہام رفع کرے۔

عطف: ایک حکم میں کئی چیزوں کو شریک کرنا حرف عطف کے واسطے سے۔

معطوف علیہ: وہ کلمہ جو اپنے شریکوں میں سب سے پہلے ذکر کیا جائے۔

معطوف: وہ جس پر حرف عطف لایا جائے اور معطوف علیہ کے بعد ذکر کیا جائے، مثلاً ''امروز زید و عمرو ازیں شہر بیروں شدند۔'' اس جملے میں زید معطوف علیہ ہے اور عمرو معطوف۔

ظاہر: وہ اسم جس کے لیے کوئی مرجع ٹھہرانا ضروری نہیں، جیسے زید اور مرد اور زن۔

مضمر: وہ اسم جس کے لیے کوئی مرجع قرار دینا ضرور ہو جیسے 'او' اور 'تو' اور 'من'۔ اور مضمر کو ضمیر بھی کہتے ہیں۔

بارز: وہ ضمیر جو زبان پر آئے جیسے 'او' اور 'تو' اور 'من' اور 'ایشاں' اور 'شما'۔

مستتر: وہ ضمیر جو دل ہی دل میں رہے، زبان پر نہ آئے۔ جیسے آمد اور آورد میں ایک چیز چھپی ہوئی ہے جو آمد اور آورد کا فاعل پڑتی ہے اور کبھی زبان پر نہیں آتی۔

مرجع: اُس شے کو کہتے ہیں جس کی طرف ضمیر پھیری جائے: جیسے ''زید آمد و او سوار بود۔'' اس جملے میں زید مرجع ہے اور 'او' ضمیر ہے کہ زید کی طرف پھرتی ہے۔

ظرف: وہ اسم جو کسی وقت یا کسی جگہ پر دلالت کرے۔ جیسے روز و شب اور نشیب و فراز۔

مظروف: وہ شے جو ظرف کے اندر ہو جیسے لفظ ''آبِ دریا'' میں آب مظروف ہے اور دریا ظرف۔

نکرہ: وہ اسم جو غیر معیّن چیز پر دلالت کرے جیسے مرد اور زن۔

معرفہ: وہ اسم جو معیّن چیز پر دلالت کرے جیسے اسحٰق اور یعقوب اور تو اور من۔

عَلَم: نام کو کہتے ہیں جیسے مکّہ اور مدینہ اور رستم اور فریدون۔

فعل: وہ کلمہ جو اپنے معنی پر آپ دلالت کرے اور فاعل بننے کے قابل نہ ہو: جیسے کرد اور رفت اور دید۔

فعلِ ناقص: وہ فعل جو فاعل کے ساتھ ایک خبر کو بھی چاہے، جیسے شد اور گشت۔

فعلِ قلب: وہ فعل جو دو مفعولوں کو چاہے۔ جیسے دانست اور پنداشت۔

فعلِ مشبّہ بحرف: وہ فعل جو دوسرے فعل میں مل کر اپنے معنی اُس میں کھپاوے: جیسے خواہد آمد میں خواہد اور آمدہ باشد میں باشد۔

حرف: وہ کلمہ جو اپنے معنی پر آپ دلالت نہ کر سکے۔ جیسے در اور بر۔

حرفِ بسیط: اکیلا حرف جیسے کریما میں الف اور بشکر میں بے۔

حرفِ مرکب: جو حرف کئی حرفوں سے مل کر بنا ہو جیسے در اور بر اور کاش اور اگر اور چون۔

حرفِ ندا: جو حرف منادی پر آئے جیسے اے اور ایا۔

حرفِ تنبیہ: جس حرف کے ساتھ کسی کو خبردار کیا جائے جیسے ہاں اور ہیں۔

حرفِ زائدہ: جو حرف کلام میں آکر کچھ معنی نہ دے جیسے بشکر اندرش میں لفظ اندر۔

حرفِ استثنا: جو مستثنیٰ پر لایا جائے جیسے مگر اور جز۔

حرفِ استدراک: جو اُس وہم کو مٹائے جو کلام سابق سے پیدا ہوا جیسے 'لیکن' اور 'و لے'۔

حرفِ تمنا: جس کے ساتھ اظہار تمنا کیا جائے جیسے لفظ کاش۔

حرفِ استفہام: جس کے ساتھ کسی سے کچھ پوچھا جائے، جیسے آیا۔

حرفِ شرط: جو شرط اور جزا پر لایا جائے جیسے اگر اور چو

حرفِ تشبیہ: جس کے ساتھ ایک چیز کو دوسری چیز کے مثل ٹھہرائیں، جیسے چون۔

حرفِ تردید: جس سے دو چیزوں میں منافاۃ سمجھی جائے جیسے 'یا'۔

حرفِ ربط: جو مبتدا اور خبر کا اتصال ظاہر کرنے کے لیے لایا جائے۔ جیسے 'است' اور 'اند'۔

حرفِ ایجاب: جو کسی امر کا اقبال کرتے وقت بولا جائے جیسے آرے اور بلے۔

مرکب: دو یا دو سے زیادہ کلموں سے ملے ہوئے لفظ کو کہتے ہیں۔

مرکبِ ناقص: اُس مرکب کو کہتے ہیں جس سے مخاطب کو کوئی خبر یا طلب نہ مفہوم ہو سکے۔

مرکبِ اضافی: اس مرکب کو کہتے ہیں جس میں اضافت پائی جائے۔

اضافت: اُس نسبت کو کہتے ہیں جیسے مثلاً لفظ غلامِ زید میں غلام کو زید کے ساتھ یا اسپ زید میں اسپ کو زید کے ساتھ ہے۔

مضاف: جیسے غلامِ زید اور اسپِ زید میں غلام اور اسپ کا لفظ مضاف واقع ہوا ہے۔

مضاف الیہ: جیسے غلامِ زید اور اسپ زید میں لفظ زید مضاف الیہ واقع ہوا ہے۔

مرکبِ وصفی: اُس مرکبِ ناقص کو کہتے ہیں جس میں صفت اور موصوف جمع ہوں۔

موصوف: جیسے غلامِ وفادار اور اسپِ تیز رفتار میں لفظ غلام اور لفظ اسپ موصوف واقع ہوا ہے۔

صفت: جیسے غلام وفادار اور اسپ تیز رفتار میں لفظ وفادار اور لفظ تیز رفتار صفت واقع

ہوا ہے۔

بدل : وہ اسم جو کسی اسم کی توضیح کے لیے اس کے بعد لایا جائے اور اُن دونوں میں ترکیب اضافی یا ترکیبِ توصیفی نہ ہو جیسے لفظ سید محمد تقی میں محمد تقی بدل ہے۔

مبدّل منہ : وہ اسم جس کی توضیح کے لیے بدل لایا جائے جیسے لفظ سید محمد تقی میں لفظ سید مبدل منہ ہے۔

تمیز : وہ اسم جو کسی مقدار کا ابہام رفع کرے جیسے ''دہ مرد'' اور ''بست درم'' میں لفظ 'مرد' اور لفظ 'درم' تمیز ہے۔

مرکبِ تام : وہ مرکب جس سے سامع کو کوئی خبر یا طلب مفہوم ہو اور اُس کو کلام اور جملہ بھی کہتے ہیں۔

جملۂ خبریہ : وہ جملہ جس میں مطابق واقعہ ہونے کی لیاقت ہو جیسے ''زید دانا است'' اور ''دانست زید''۔

جملۂ اسمیہ : وہ جملۂ خبریہ جس کا پہلا جز اسم ہو، جیسے ''زید دانا است۔''

جملۂ فعلیہ : وہ جملۂ خبریہ جس کا پہلا جز فعل ہو؛ جیسے ''دانست زید''۔

جملۂ انشائیہ : وہ جملہ جس میں مطابق واقعہ ہونے کی لیاقت نہ ہو جیسے ''بزن زید را''۔ اور ''آیا زید از سفر باز آمدہ است''۔

جملۂ شرطیہ : وہ جملہ ہے جس میں شرط اور جزا پائی جائے۔

شرط : جیسے ''اگر بخانۂ من بیاید منتے برمن نہادہ باشد''۔ اس جملہ میں ''اگر بخانۂ من بیاید'' شرط ہے۔

جزا : جیسے جملۂ مذکورہ میں ''منتے برمن نہادہ باشد'' جزا ہے۔

جملۂ ظرفیہ : وہ جملہ ہے جس کا پہلا جز ظرف ہو، جیسے ''نزدمن امانت زید است''۔

جملۂ قسمیہ : وہ جملہ ہے جس کا پہلا جز قسم واقع ہو؛ جیسے ''بخدا کہ از وعدۂ خود بر نہ گردم۔''

جملۂ معترضہ : جو کسی غرض کے لیے کسی ایک جملے یا کئی جملوں کے بیچ میں لایا جائے: جیسے ''پسر میرزا احمد قلی، دراز باد عمراو، جوانے پارسا است'' اس جملے میں ''دراز باد عمراو''

جملۂ معترضہ ہے۔

جملۂ مبیّنہ : جو کلامِ سابق کے اجمال کی تفصیل کرے جیسے: ''کلمہ سہ قسم است اسم و فعل و حرف''۔ یہاں اسم و فعل و حرف جملۂ مبینہ ہے۔

جملۂ مستانفہ : جو سوالِ مقدر کا جواب پڑے جیسے ''زید چرا نیاید؟ برائے مصلحتے نیامد'' اس عبارت میں ''برائے مصلحتے نیامد'' جملۂ مستانفہ ہے۔

پہلا باب

اِسموں کے بیان میں

تنبیہ:

اسم میں بعض خاصیتیں ایسی ہیں جو فعل و حرف میں نہیں پائی جاتیں۔ ازاں جملہ مبتدا اور فاعل اور نائب فاعل ہونا جیسے زید نویسندہ است اور نوشت زید اور نوشتہ شد نامۂ زید۔ ازاں جملہ مضاف اور مضاف الیہ ہونا جیسے غلام زید۔ ازاں جملہ یہ کہ حرف مفید معنی اسم ہی پر آتا ہے، فعل اور حرف پر نہیں آتا۔ جیسے در بازار اور برباِم اور از خانہ اور تادیہہ۔ اور فعل پر جو حرف آتا ہے یا تو زائدہ ہوتا ہے، جیسے درافتاد اور برشکست، یا وہاں اسم مقدر ہوتا ہے جیسے تا آمدیم باز نرفتیم یعنی از وقتیکہ آمدیم باز نرفتیم۔

ازاں جملہ یہ کہ واحد اور جمع ہونا اسم ہی کی صفت ہے۔ فعل اور حرف واحد اور جمع نہیں ہوتے جیسے مرداں اور زناں اور خانہ ہا اور کوچہ ہا۔ اور فعل کو جو واحد اور جمع کہتے ہیں، ضمیر فاعل کے اعتبار سے کہتے ہیں۔ اور ضمیریں اقسامِ اسم سے ہیں نہ اقسامِ فعل سے۔ مثلاً کرد کو جو صیغۂ واحد مذکر اور کردند کو صیغۂ جمع کہتے ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ کرد میں ضمیر واحد مستتر ہے اور کردند میں ضمیر جمع متصل ہے۔ اور جو یہ بات سمجھ میں نہ آئے تو یوں سمجھو کہ ہندی میں بعضے افعال ایسے ہیں کہ فاعل واحد و جمع کے لیے یکساں آتے ہیں۔ جیسے زید نے کیا اور زید کے بھائیوں نے کیا، اور تو نے کیا اور تم نے کیا اور میں نے کیا اور ہم نے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فعل کو واحد اور جمع[1] کہنا

---

[1] اصل مخطوطے میں جملہ یوں تھا "اس سے معلوم ہوا کہ فعل واحد اور جمع کو واحد اور جمع"۔ پہلے "جمع اور واحد" کو حذف دیا گیا۔ (مرتب)

صرف ضمیر فاعل کے اعتبار سے ہے، ورنہ ایک ہی لفظ واحد اور جمع کیونکر ہو سکتا ہے؟

ازاں جملہ تصغیر بھی اسم ہی کا خاصہ ہے۔ فعل اور حرف میں تصغیر نہیں ہوتی۔ جیسے مردک اور پسرک۔ ازاں جملہ حرف ندا اسم ہی پر آتا ہے، فعل اور حرف پر نہیں آتا، اور جہاں فعل پر آتا ہے وہاں اسم مقدر ہوتا ہے؛ جیسے: ''اے داشتہ در سایۂ ہم تیغ و قلم را''۔ یعنی اے آنکہ داشتہ الخ۔ ازاں جملہ حرف نسبت بھی اسم ہی کے اخیر میں لاحق ہوتا ہے؛ جیسے ایرانی اور ہندی وغیرہ۔ ازاں جملہ موصوف ہونا بھی اسم ہی کا خاصہ ہے، جیسے مردِ دانا اور زنِ کج رای اور بندۂ آزاد اور خداوند مہربان۔

یہاں تک اسم کے خواص بیان کیے گئے، اب اسم کے حالات اور اس کی قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

مُبتدا و خبر:

مبتدا: اُس اسم کو کہتے ہیں جس کی شان سے یہ ہو کہ ہمیشہ جملے کے سرے پر واقع ہو؛ جیسے زید جوانمرد است اور عمرو دادگر است۔ ان دونوں جملوں میں زید اور عمرو مبتدا واقع ہوئے ہیں۔ اور جو کلمہ مبتدا کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، اُس کو خبر کہتے ہیں۔ اور مبتدا کو مسند الیہ اور خبر کو مسند بھی کہتے ہیں۔ مبتدا کبھی خبر کے بعد بھی آ جاتی ہے جیسے ''بشکر اندرش مزید نعمت''۔ اس جملے میں ''مزید نعمت'' مبتدا ہے اور ''بشکر اندرش'' خبر۔ مگر ''مزید نعمت'' کو پیچھے ذکر کیا ہے۔ ایک مبتدا کی کئی خبریں بھی پڑ سکتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ حرف عطف بیچ میں لایا جائے۔ جیسے ''زید منصف و جوانمرد و دانا است''۔ مبتدا کی خبر کبھی جملہ میں پڑتی ہے، مگر جملۂ اسمیہ کم، جیسے:

عرضی! بکاوش آمدہ یارب مھل کہ من ــــ آنہا کہ در دلم چکد از گفتگو چکد

ترجمہ: (عرضی تحقیق حال کے لیے آیا ہے) الٰہی! ایسا نہ ہو کہ میں[1] جو کچھ میرے دل میں ٹپکتا ہے میری گفتگو سے ٹپک جائے۔ دیکھو یہاں لفظ من مبتدا اور دوسرا سارا مصرع خبر ہے۔

۱۔ اصل متن (صفحہ ۱۴۸) ''میں'' یہ لفظ یہاں زائد معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

اور جملہ فعلیہ[1] جیسے زید مے آید اور زید آمدہ باشد۔ مگر جب جملہ خبر واقع ہو تو ضرور ہے کہ اس میں ایک ضمیر بارز متصل یا منفصل ہو یا ضمیر مستتر ہو جو مبتدا کی طرف پھرتی ہو جیسے شعر مذکور میں ضمیر متکلم لفظ ''دلم'' میں موجود ہے۔ اور مے آید اور آمدہ باشد میں ضمیر مستتر ہے جو زید کی طرف پھرتی ہے اور اگر قرینہ موجود ہو تو ضمیر کا نہ لانا بھی جائز ہے۔ جیسے:

منکہ باشم عقلِ کل را ناوک اندازِ ادب مرغِ اوصافِ تو از اوجِ بیاں انداختہ

ترجمہ: میں کہ عقلِ کُل کا ادب سکھانے والا[2] ہوں، تیرے مرغِ اوصاف نے مجھ سے شخص کو اوجِ بیان سے گرا دیا۔

دیکھو یہاں دوسرے مصرع میں ضمیر منفصل (یعنی لفظ 'مرا' محذوف ہے کیونکہ انداختہ کا مفعول سوا اُس کے اور کوئی لفظ نہیں ٹھہر سکتا۔

مبتدا کی شان سے یہ بھی ہے کہ معرفہ ہو نکرہ نہ ہو جیسے ''زید دانا است'' اور ''مرد نادانست'' لیکن جب نکرہ کو کسی طرح کا تعین لگ جائے تو نکرہ بھی مبتدا پڑ سکتا ہے۔ جیسے ''بندۂ خوبرو بہتر است از خداوند زشت رو'' دیکھو یہاں بندہ اور خداوند دونوں نکرہ ہیں مگر خوبرو اور زشت رو کی قید سے اُن کا مبتدا ہونا جائز ٹھہرا۔

فاعل:

اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے پہلے ایک فعل معروف لایا جائے جو اُس کی طرف مسند ہو جیسے کرد زید اور گفت عمرو لیکن یاد رہے کہ یہ ترکیب نثر فارسی میں بہت کم آتی ہے، کیونکہ فارسی میں مسند الیہ کو بے ضرورت موخر نہیں کرتے۔ ہاں مگر نظم میں مسند الیہ کی تقدیم و تاخیر دونوں برابر ہیں۔ مثلاً اس مصرع میں: ''بر در آمد بندۂ بگریختہ'' مسند یعنی آمد مقدم ہے اور مسند الیہ یعنی بندۂ بگریختہ مؤخر ہے مگر یہاں یہ ترکیب بری نہیں معلوم ہوتی۔ اسی طرح اگر مسند الیہ کو مسند پر مقدم کر لیں تو بھی کچھ قباحت نہیں۔ مثلاً یوں کہیں: ع ''بندۂ بگریختہ باز آمدہ ست''۔ ہاں مگر نثر میں آمدہ کو

۱۔ اصل متن (صفحہ ۱۴۸) میں یہاں لفظ ''فعلیہ بھیت'' لکھا تھا جو بے معنی معلوم ہوتا ہے۔ (مرتب)

۲۔ اصل (صفحہ ۱۴۹) میں ''سکھانے کا والا ہوں'' لکھا تھا۔ (مرتب)

کو بندۂ بگریختہ پر مقدم کرنا رکاکت سے خالی نہیں۔ مثلاً ''آمدہ بندہ بگریختہ بردر'' یا ''آمد بر در بندۂ بگریختہ''۔ یہ دونوں ترکیبیں فصحا کی بول چال کے خلاف ہیں۔ ہر فعل کے لیے ایک فاعل ضرور ہے — ظاہر ہو یا مضمر — اور مضمر ضمیر بارز ہو یا مستتر۔ فاعل ظاہر جیسے مصرع مذکورہ میں آمد فعل ہے، بندۂ بگریختہ فاعل۔ اور ضمیر بارز جیسے: ''ہمہ از ماشنیدہ اند ایشاں''۔ یہاں شنیدہ اند فعل ہے اور ضمیر جمع غائب یعنی ایشاں فاعل ہے۔ اور ضمیر مستتر جیسے: ''میکشد جام وز کیفیت مے آگہ نیست'' یہاں میکشد فعل ہے اور اس میں ضمیر واحد غائب جو مستتر ہے وہ اس کا فاعل ہے۔ اور اس کا مرجع ذات معشوق ہے۔

فارسی میں فاعل مذکر ہو یا مونث ہو فعل ہمیشہ مذکر آئے گا کیونکہ اس زبان میں مؤنث کے لیے جدا فعل وضع نہیں کیا گیا۔ جیسے ''مرد آمد'' اور ''زن رفت''۔

فاعل ظاہر ہو یا مضمر اگر اہل عقل سے ہے تو واحد کے واسطے فعل واحد اور تثنیہ و جمع کے واسطے فعل جمع لایا جائے گا۔ جیسے ''میرود زید'' اور ''زید میرود'' اور ''میروند آں دو مرداں'' اور ''آں دو مرداں میروند''۔ اور ''میروند یاراں اور یاراں میروند''۔ اور اگر اہل عقل سے نہیں تو فعل ہمیشہ واحد ہی لایا جائے گا۔ جیسے تمام شد کتاب اور تمام شد آں ہر دو کتاب اور تمام شد آں ہمہ کتاب ہا۔ اور اسپ من بگریخت اور آں ہر دو اسپ بگریخت اور آں ہمیہ اسپ ہا بگریخت۔ لیکن جمع ذی روح کے لیے صیغۂ جمع لانا ہی جائز ہے مثلاً ''ہمہ اسپاں من بگریختند'' اور ''ہمہ اسپ ہای من بگریخت'' دونوں طرح بولنا جائز ہے۔ جہاں قرینہ موجود ہو وہاں فعل کو حذف کرنا اور فاعل کو ذکر کرنا یا فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنا جائز ہے۔ مثلاً ''کہ آمد؟'' اس کے جواب میں صرف ''زید'' کہہ دینا اور ''آیا زید آمدہ است'' اس کے جواب میں صرف ''آرے'' کہہ دینا کافی ہے۔ پہلی مثال میں فعل اور دوسری میں فعل اور فاعل دونوں محذوف ہیں۔

نائب فعل:

اُس اسم کو کہتے ہیں جس کی طرف فعل مجہول، جو اُس سے پہلے مذکور ہو، نسبت کیا جائے جیسے ''کشتہ شد زید'' اور ''نوشتہ شد کتاب''، یہ اسم اصل میں مفعول بہ ہوتا ہے لیکن جو کہ اس کا فاعل مذکور نہیں ہوتا اور فعل مجہول کا مسند الیہ واقع ہوتا ہے اس لیے اس کو فاعل کا قائم مقام

سمجھتے ہیں۔

جب قرینہ موجود ہو تو صرف فعل مجہول کو یا صرف نائب فاعل کو یا دونوں کو حذف کرنا جائز ہے جیسے مثلاً ''آں کیست کہ از دست زید کشتہ شد''۔ اس کے جواب میں مثلاً 'عمرو' کہنا یا ''از دست زید بر عمرو چہ رفت؟'' اس کے جواب میں مثلاً ''کشتہ شد'' کہنا یا ''آیا عمرو از دست زید کشتہ شد؟'' اس کے جواب میں آرے یا بلے کہنا جائز ہے۔

پہلی مثال میں فعل مجہول اور دوسری میں نائب فاعل اور تیسری میں دونوں محذوف ہیں۔

مفعول بہ:

جس چیز پر فاعل کا فعل واقع ہو جو اسم اس پر دلالت کرے اُس اسم کو مفعول بہ کہتے ہیں۔ جیسے ''بکشت زید عمرو را''۔ اس جملے میں عمرو مفعول بہ واقع ہوا ہے۔

فعل متعدی جس طرح فاعل کو چاہتا ہے، اسی طرح مفعول بہ کو چاہتا ہے۔ لیکن جملۂ فعلیہ ہر زبان میں بدون فاعل کے تمام نہیں ہو سکتا اور بدون مفعول کے تمام ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی یوں کہے کہ ''آج زید نے خوب تلوار چلائی'' تو اس کو کلام تام کہیں گے، حالانکہ اس میں مفعول بہ مذکور نہیں۔ اور اگر یوں کہیں کہ ''اج خوب تلوار چلائی'' تو جملہ ناتمام رہے گا۔

فارسی میں علامت مفعول بہ کی لفظ 'را' ہے۔ جیسے ''گفت زید عمرو را'' اور ''برد عمرو گوئے را'' اور ''کشتی بیگنا ہے را''۔ اور ''زدی خستہ را''۔ لیکن یہ کچھ ضرور نہیں کہ جس کلمے کے ساتھ لفظ 'را' ملحق ہو وہ مفعول بہ ہی ہو۔ اور نہ یہ ضرور ہے کہ جو مفعول بہ ہو اُس کے ساتھ لفظ 'را' ہونا واجب ہے۔ مثلاً ''منت مرخدائے را'' میں لفظ خدا مفعول بہ نہیں اور 'را' موجود ہے۔ اور: ''شنیدہ ام سخنے خوش کہ پیر کنعاں گفت'' اس مصرع میں سخنے خوش شنیدہ ام کا مفعول بہ ہے لیکن لفظ 'را' سے معرا ہے۔

فارسی میں مفعول بہ کی شان سے یہ ہے کہ فعل سے مقدم ہو جیسے ''فراش باد صبا را گفت وسخن مرا نہ شنید و دست او ببوسیدم داورا از جا بر انگیختم'' اور ''گل دیدم'' اور ''نان خوردم'' مگر یہ وہاں ہے جہاں فاعل مضمر ہو، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ اور اگر فاعل ظاہر ہو تو مفعول بہ کی

تاخیر بہتر ہے جیسے ''گفت زید عمرو را''۔ اور نظم میں مفعول کی تقدیم و تاخیر کے لیے کسی جگہ کی خصوصیت نہیں۔ جہاں قرینہ موجود ہو وہاں مفعول بہ کا حذف کرنا جائز ہے۔ مثلاً ''زید را کہ کشت؟'' اس کے جواب میں عمرو کشت یا صرف عمرو کہنا جائز ہے۔

بسا اوقات مفعول بہ کا فعل اور فاعل حذف بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن کہیں جائز ہے کہیں واجب۔ جائز جیسے: ''یارب دستے کہ دامن یار کشد'' یعنے دستے بدہ یا جیسے کسی کو سانپ سے بچانا منظور ہو، وہاں صرف ''مار مار'' کہہ دینا کافی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ''ببیں مار را''۔ اور واجب جیسے کسی کو پکاریں اور یہ کہیں کہ ''اے فلاں''۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میخوانم ترا۔ یہاں اسم ظاہر بجائے ضمیر مخاطب بولا گیا ہے اور وہ ترکیب میں میخوانم کا مفعول بہ ٹھہرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ منادی حقیقت میں مفعول بہ ہوتا ہے۔ اور حرف ندا جو اس پر آتا ہے، وہ فعل کا قائم مقام ہوتا ہے، سو یہاں اصل فعل کا لانا جائز نہیں۔

مفعولِ مطلق:

جو مصدر فارسی یا عربی کا کسی اسم کی طرف مضاف یا کسی صفت کا موصوف ہو کر کلام میں لایا جائے، اور اُس مصدر کو یا اُس کے مشتق کو اُسی جملے میں پہلے ذکر کر چکے ہوں اُس کو مفعول مطلق کہتے ہیں؛ جیسے: ع ''خوش میطپم طپیدن بسمل بخاک و خون'' یہاں طپیدن مصدر مضاف ہے اور اسی جملے میں اس کا مشتق یعنی میطپم مذکور ہو چکا ہے۔ یا جیسے بیت:

تو با رقیبی و میلے تغافلے داری   تغافلے کہ کم از صد نگاہ حسرت نیست

یہاں تغافل عربی کا مصدر موصوف ہے جس کی صفت ''کم از صد نگاہ حسرت نیست'' یہ سارا جملہ واقع ہوا ہے۔ اور اسی بیت میں یہی مصدر اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مفعول مطلق سے پہلے اُس کا مترادف مصدر یا مشتق ذکر کرتے ہیں۔ خود اُسی مصدر یا اُس کے مشتق کو ذکر نہیں کرتے۔ جیسے:

می دید بسوی او نگرستن نومیداں

یہاں نگرستن مفعول مطلق پڑا ہے، اور اس سے پہلے جو لفظ ''می دید'' مذکور ہے وہ نگرستن سے مترادف یعنی دیدن سے مشتق ہے، نگرستن سے مشتق نہیں۔

مفعول فیہ:

جو اسم اُس چیز پر دلالت کرے جس میں فاعل کا فاعل واقع ہوا، اُس کو مفعول فیہ کہتے ہیں اور وہ ہمیشہ اسم ظرف ہوتا ہے۔ ظرف زمان ہو یا ظرف مکان مگر شرط یہ ہے کہ اس پر کوئی ایسا حرف، جو ظرفیت پر دلالت کرے، نہ لایا جائے۔ جیسے لفظ 'دز' اور 'بز' اور 'اندروں' اور 'بیروں' مثلاً: ''زید را بالای بام دیدم'' اور ''عمرو را فردا ہمراہ می برم''۔ یہاں بالائے بام ظرف مکان اور فردا ظرف زماں واقع ہوا ہے اور ان دونوں لفظوں پر 'دز' اور 'بز' وغیرہ نہیں آیا۔ پس ان کو مفعول فیہ کہیں گے۔ اور اگر یوں کہیں کہ ''زید را بر بام دیدم'' اور ''عمرو را در روز جمعہ بہ باغ خواہم برد'' تو یہاں لفظ بام اور روز جمعہ کو مفعول فیہ نہیں کہیں گے۔ مفعول فیہ کا بیان اور ظرف کے حالات اسمائے ظروف میں بیان کیے جائیں گے۔

حال و ذوالحال:

جس اسم سے فاعل یا مفعول بہ کی ہیأت سمجھی جائے اس کو حال کہتے ہیں۔ اور حال سے جس کی ہیأت سمجھی جائے اُس کو ذوالحال کہتے ہیں۔ جیسے: ''بخانۂ زید خندہ زناں رفتم''۔ اور ''زید را خندہ زناں دیدم''۔ پہلے جملے میں خندہ زناں فاعل یعنی ضمیر متکلم کی ہیأت پر دلالت کرتا ہے اور دوسرے جملے میں مفعول بہ یعنی زید کی ہیئت بتاتا ہے۔ پس خندہ زناں حال ہے اور ضمیر متکلم اور زید ذوالحال۔ حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے اور ذوالحال اکثر معرفہ اور کبھی نکرہ؛ جیسے ''مردے غمناک رسید'' اور ''زنے گریہ کناں آمد''۔ یہاں مردے اور زنے باوجودیکہ نکرہ ہیں، تس پر ذوالحال واقع ہوئے ہیں۔

بعض اوقات جملۂ خبریہ بھی حال پڑتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ جملے میں ایک ضمیر ہو جو ذوالحال کی طرف پھرتی ہو اور ایک واؤ حالیہ جملے سے پہلے لایا جائے۔ جیسے ''یار آمد و چشم بر قفا داشت'' اور ''یار می آید و چشم بر قفا است'' اور کبھی ضمیر حذف بھی کی جاتی ہے؛ جیسے یار می آمد و چشم برقفا است''۔ یعنی ''چشمش برقفا است''۔ جب جملۂ حالیہ جملۂ ذوالحال کے بیچ میں واقع ہو تو ضرور ہے کہ جملہ فعلیہ ہو اور اُس میں فعل ماضی ہائے ہوز کے ساتھ لایا جائے جیسے ''بخانۂ زید دامن بکمر زدہ رفتم'' اور ''زید چشم بر پشت پا دوختہ نہ رفت''۔

مستثنیٰ اور مستثنیٰ مِنہ:

ایک چیز پر کچھ حکم لگانا اور پھر ایک اور چیز کو اُس حکم سے نکالنا، اس کا نام استثنا ہے۔ اور جو اسم پہلی چیز پر دلالت کرے اُس کو مستثنیٰ منہ اور جو دوسری چیز پر دلالت کرے اُس کو مستثنیٰ کہتے ہیں اور مستثنیٰ ہمیشہ 'گر' اور 'مگر' کا مترادف جو صرف ہو، اُس کے بعد واقع ہوا کرتا ہے۔ جیسے ''شب ہمہ مرد مان قوم در مجلس حاضر بودند مگر زید'' یہاں ہمہ مرد مان قوم پر جو حکم لگایا گیا ہے (یعنی مجلس میں حاضر ہونے کا) اُس حکم سے زید نکالا گیا ہے۔ یعنی زید رات مجلس میں حاضر نہ تھا۔ اور مستثنیٰ دو طرح سے لایا جاتا ہے؛ کبھی تو لفظ مگر وغیرہ کے بعد صرف مستثنیٰ کو ذکر دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر کی مثال سے معلوم ہوا، اور کبھی مستثنیٰ کے بعد حکم سابق کی نفی کے لیے ایک اور جملہ لاتے ہیں جیسے جملہ: ''وجودش ریختہ بود و خاک شدہ مگر چشمانش ہمچناں درخانۂ چشم می گردیدند و نظر ہمی کردند''۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مستثنیٰ منہ کو حذف کر دیتے ہیں؛ جیسے بیت:

شب فراق چہ داند کہ تا سحر چند است   مگر کسے کہ بزندان عشق در بند است

دیکھو یہاں پہلے مصرع میں مستثنیٰ منہ یعنی 'کسے' محذوف ہے۔

معطوف و معطوف علیہ:

کلام میں ایک اسم بولنا اور پھر حرفِ عطف لا کر ایک اور اسم کو پہلے اسم کے حکم میں شریک کرنا اس کا نام عطف ہے۔ اور پہلے اسم کو معطوف علیہ اور دوسرے کو معطوف بھی کہتے ہیں جیسے ''زید و عمرو ہر دو خوش نویس اند''۔ یہاں زید معطوف علیہ اور عمرو معطوف ہے اور دونوں ایک حکم یعنی مبتدا ہونے میں شریک ہیں۔ یا جیسے ''زید دلیر و جوانمرد است''۔ یہاں دلیر معطوف علیہ اور جوانمرد معطوف ہے اور دونوں ایک حکم یعنی زید کی خبر ہونے میں شریک ہیں۔ حروف عطف کا بیان تیسرے باب میں کیا جائے گا۔

تاکید:

تاکید کی دو قسمیں ہیں؛ لفظی یعنی ایک لفظ کو کئی بار لانا جیسے:

ایں قوم چشم بددور ایں قوم   خون میریزند و خوں بہا میخواہند

اور معنوی یعنی ایک لفظ بولنا اور پھر کسی اور لفظ سے اُس کو موکد کرنا اور اُس کے لیے فارسی میں چند الفاظ مستعمل ہیں۔ 'خود' اور 'خودش' اور 'خودشان' اور 'نفس' اور 'بعینہ' اور 'بذات خود' اور 'بنفس خود' اور 'جملہ' اور 'ہمہ' اور 'ہمگی' اور 'ہمگنان' اور 'تمام' اور 'ہریک' اور 'یکیک' اور 'ہر یکے' اور 'ہردو' اور 'ہرسہ' وغیرہ اور 'ہر ہمہ'۔ جیسے ''من خود بخانۂ زید رفتم'' اور ''زید خودش بخانۂ من آمد''۔ اور ''برادران زید خود ایشاں از زید ناخوش اند'' اور ''زید نفس زید یا نفس او مرد خوب است'' اور ''ایں کتاب بعینہ بدست دیدہ ام'' اور ''زید بذات خود یا بنفس خود در بازار رفت'' اور ''ایں کتاب ہمہ یا ہمگی یا ہمہ اش یا تمام آں یا جملہ یا جملہ آں از اخوند میرزا جان برخواندم''۔ اور ''برادران زید ہر یک یا ہر یکی از ایشاں یا یک یک مردے قابل است''۔ اور ''مہرو ماہ ہردو از جملہ سبعہ سیارہ اند''۔

جب ضمیر متصل فاعل کی تاکید لفظ 'نفس' یا 'ذات' کے ساتھ کریں تو ضرور ہے کہ پہلے ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید کی جائے، من بعد لفظ نفس یا ذات کے ساتھ جیسے ''زدی تو نفس تو مرزیدرا'' اور ''زدید شما نفس شما مرزید را'' اور ''زدم من نفس من مرزید را'' اور ''زدیم ما نفس ما مرزید را'' اور ''زدند ایشاں نفس ایشاں مرزید را''۔ اسی طرح لفظ 'ذات' کو قیاس کرلو۔

نکرہ اور معرفہ:

جو اسم کسی غیر معین چیز پر دلالت کرے اس کو نکرہ کہتے ہیں جیسے مرد اور زن۔ اور جو اسم کسی معیّن چیز پر دلالت کرے اُس کو معرفہ کہتے ہیں، جیسے اسحٰق اور یعقوب۔

معرفہ کی کئی قسمیں ہیں: عَلَم، یعنی نام جیسے زید اور عمرو اور اسحٰق اور یعقوب اور ضمیر جیسے من اور ما اور او اور ایشاں اور اسم اشارہ جیسے آں اور ایں اور اسم موصول جیسے آن اور شین معجمہ اور یائے مجہول۔ اور جو نکرہ ان چاروں قسموں میں سے کسی قسم کی طرف مضاف ہو، وہ معرفہ ہو جاتا ہے؛ جیسے بندۂ زید یا بندۂ من یا بندۂ آں یا ''بندۂ آنکہ براسپ سوار است''۔ نکرہ پر جب حرف ندا آتا ہے تو بھی معرفہ ہو جاتا ہے؛ جیسے مرد نکرہ ہے اور اے مرد معرفہ کیونکہ ندا کرنے والا جب تک کسی کو معین نہیں کر لیتا، نہیں پکارتا۔

معرفہ اور نکرہ کا حکم یہ ہے کہ مبتدا ہمیشہ معرفہ ہی ہوتا ہے، نکرہ نہیں ہوتا، لیکن بعض صورتوں میں جیسا کہ مبتدا کی بحث میں ذکر کیا گیا۔ اور مضاف ہمیشہ نکرہ ہی ہوتا ہے، معرفہ نہیں

ہوتا، مگر اضافت میں، جیسے کہ اضافت کی بحث میں ذکر کیا جائے گا۔

دوسرے حال ہمیشہ نکرہ ہوتا ہے، اور ذوالحال اکثر معرفہ اور کبھی نکرہ، جیسا کہ حال کی بحث میں ذکر کیا گیا۔

مضمرات:

مضمر کو ضمیر بھی کہتے ہیں۔ ضمیر کی دو قسمیں ہیں: متصل اور منفصل۔

متصل: وہ ہے جو اکیلی استعمال نہ کی جائے، اور اُس کی تین قسمیں ہیں: ضمیر فاعل اور وہ ہمیشہ فعل کے ساتھ ہوتی ہے، جیسے 'آمدند' میں 'ند' اور 'آمدی' میں 'ی' اور 'آمدید' میں 'ید' اور 'آمدم' میں 'میم' اور 'آمدیم' میں 'یم'۔ اور دوسری ضمیر مفعول: یہ ضمیر فعل اور اسم دونوں کے ساتھ ملتی ہے۔ جیسے زدش اور منش زدہ ام میں شین اور زدت اور منت زدہ ام میں ت اور زدم (یعنی زد مرا) اور یارم زدہ است میں میم۔ تیسری مضاف الیہ اور وہ ہمیشہ اسم ہی کے ساتھ آتی ہے، جیسے غلامش میں شین اور غلامت میں تے اور غلامم میں میم۔

ضمیرِ منفصل: وہ ہے جو کسی کے ساتھ ملنے کی محتاج نہ ہو اور وہ نو ضمیریں ہیں۔ از اں جملہ 'من' اور 'ما' اور 'او' اور 'ایشاں' اور 'تو' اور 'شما' فاعل کے لیے بھی آتے ہیں اور مضاف الیہ بھی پڑتے ہیں۔ جیسے من کردم اور ما کردیم اور او کرد اور ایشاں کردند اور تو کردی اور شما کردید۔ یا غلام من اور غلام ما اور غلام اُو اور غلام ایشاں اور غلام تو اور غلام شما۔ اور مان اور شان اور تان ہمیشہ مفعول ہی پڑتے ہیں، فاعل اور مضاف الیہ نہیں پڑتیں۔ جیسے ماں زدی یعنی مارا زدی اور شاں زدی یعنی ایشاں را زدی اور تاں زدم یعنی شمارا زدم۔

چھ ضمیریں منفصل جو اوپر لکھی گئیں، لفظ 'را' کے ملنے سے مفعول بھی پڑتی ہیں جیسے مرا زدیٔ اور ترا زدم۔ لفظ او کی جگہ وے بفتح واؤ اور علامت مفعول کے ساتھ ترا واوَ ہے، یعنی ورا بجائے وَیرا بھی آتی ہیں۔

یہ دونوں قسمیں یعنی متصل اور منفصل ضمیر بارز (یعنی وہ ضمیر جو تلفظ میں آئے) کی قسمیں ہیں۔ رہی ضمیر مستتر (یعنی وہ ضمیر جو فعل میں چھپی ہوئی ہو اور کوئی حرف اُس پر دلالت نہ کرے) سو وہ ہمیشہ ضمیر فاعل ہوتی ہے۔ اور صرف ماضی اور مضارع اور حال اور استقبال کے

واحد غائب میں اور امر اور نہی کے واحد غائب اور واحد حاضر میں مقدر مانی جاتی ہے۔ جیسے آمد اور آید اور مے آید اور خواہد آمد۔ اور بیاید اور نیاید میں او اور بیا اور میا میں تو مستتر ہے۔ میم اور تے اور شین جو ضمیر متصل پڑتی ہیں، کبھی خود کے معنی بھی دیتی ہیں۔ لیکن غائب، غائب کے لیے، حاضر حاضر کے لیے، متکلم متکلم کے لیے جیسے نبفت بمن بنما۔ یعنی نبض خود اور فلانے باپسرش الفت بسیار دارد۔ یعنی باپسر خود اور دیگر زید را در سرایم راہ نخواہم داد۔ یعنی در سرائے خود۔

اسمائے اشارہ:

جو اسم کسی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے موضوع ہیں ان کو اسمائے اشارہ کہتے ہیں اور وہ فارسی میں دو لفظ ہیں۔ 'آں' بعید کے لیے اور 'ایں' قریب کے لیے۔ جیسے ہندی میں 'وہ' بعید کے لیے اور 'یہ' قریب کے لیے آتا ہے۔ لیکن کبھی ہر ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہو جاتا ہے اور جمع ان کی موافق قاعدۂ جمع اسمائے جامد کے آناں اور ایناں اور آنہا اور اینہا آتی ہے۔ اور لفظ 'امِ' بہ وزن 'دل' بھی اشارہ کا فائدہ دیتا ہے۔ مگر یہ چند اسموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اُن کے سوا اور کسی پر نہیں آتا۔ جیسے امروز اور امشب اور امسال۔ اور بعضوں نے جو ان اسموں پر قیاس کر کے امشام اور امصبح برتا ہے سو یہ برخلاف محاورۂ اہلِ زبان ہے۔

موصولات:

جو اسم اکیلا اپنی ذات سے جملے کا جزء تام نہ پڑ سکے، اُس کو موصول کہتے ہیں اور وہ جملۂ خبریہ جس کے ملنے سے موصول جملے کا جزء تام پڑ سکتا ہے اس کو صلہ کہتے ہیں؛ جیسے ''آنکہ لاف علم می زند جاہل است''۔ اس جملے میں لفظ 'آں' موصول ہے۔ اور ''کہ لاف علم می زند'' یہ جملہ صلہ ہے۔ اور موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتدا پڑا ہے۔ اور ''جاہل است'' اس کی خبر ہے۔

صلے میں ایک ضمیر ہونی ضرور ہے جو موصول کی طرف پھرتی ہو اور جس کے سبب سے موصول اور صلے میں ارتباط پیدا ہو۔ اور صلے پر کاف بیانیہ ہونا بھی ضروری ہے؛ جیسے مثال مذکور میں ضمیر غائب مستتر لفظ 'میزند' میں اور کاف بیانیہ صلے پر لایا گیا ہے۔

فارسی میں اسمائے موصول آں اور شین معجمہ اور یائے تحتانی مجہول ہے۔ سو ان میں سے لفظ آں کبھی موصوف سے مل کر اور کبھی جدا دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے۔ موصوف سے مل کر جیسے:

یارب آں کس کہ دمِ تیغ ترا آبے داد زتمنّائے تشنگیِ روزِ قیامت نکشد

یہاں لفظ 'کس' موصوف اور 'آں' اپنے صلے سے مل کر اس کی صفت واقع ہوا ہے۔ اور جدا، جیسے:

آنکہ پیوستہ مرا منع ز صہبا می کرد چشمِ میگونِ ترا کاش تماشا می کرد

اور شین معجمہ کہیں مضاف الیہ پڑتا ہے جیسے: ''زسد ہیچ گزندے بدلش کہ برہاند دل مسکیں زگزند'' یعنی بدل آنکش کہ برہاند۔ اور کہیں مفعول، جیسے:

حرامش بود نعمتِ پادشاہ کہ ہنگام فرصت ندارد نگاہ

یعنی حرام آنکس را بود۔ اور یائے مجہول کبھی موصوف سے جدا مستعمل نہیں ہوتی، جیسے:

ای کریمے کہ از خزانۂ غیب گبر و ترسا وظیفہ خود داری

اور جیسے ''کسیکہ عیب من بمن باز نماید، خیر خواہ من است''۔ ہاں مگر یائے مجہول کو حذف کر کے نرے موصوف کو بھی کبھی استعمال کر لیتے ہیں، لیکن اس صورت میں موصول کی خبر صلہ سے پہلے لانی چاہیے، جیسے:

کس از معانقۂ روزِ وصل یابد ذوق کہ چند شب زہم آغوشِ خود جدا خفت است

یعنی کسیکہ چند شب از ہم آغوشِ خود جدا خفت است، از معانقۂ روزِ وصل ذوقے یابد۔ 'آں' کے صلے پر کاف اُس صورت میں لانا ضرور ہے جب اس سے کوئی ذی علم مراد ہو، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہوا۔ یا جیسے: ''آنکہ نمرد است ونمیرد توئی''۔ اور جب غیر ذی علم مراد ہو تو کاف کی جگہ جیم فارسی مکسور لانا چاہیے۔ اور جیم کے بعد کاف صلہ لانے نہ لانے کا اختیار ہے جیسے: ''آنچہ تغیر نپذیرد توئی'' اور ''آنچہ کہ آورد ہمہ باز برد''۔ 'آں' پر کبھی لفظ 'ہر' بھی بڑھا دیتے ہیں، جب جملہ افراد کا احاطہ کرنا منظور ہوتا ہے؛ جیسے:

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

اور ''ہر آنچہ در دل بود بر زبان آمد''۔ اور:

ہر آنکس کہ در بند حرص اوفتاد دہد خرمن زندگانی بباد

اور کبھی 'ہر' کے بعد 'آں' کو حذف بھی کر دیتے ہیں۔ جیسے:

ہر کہ نہ گویائی تو خاموش بہ ہرچہ نہ یاد تو فرامش بہ

یائے مجہول کے موصوف پر بھی 'ہر' آتا ہے جیسے:

ہر اناری را کہ افشاریم از وی خون چکد

اور کبھی 'ہر' کے بعد یائے مجہول بھی حذف کی جاتی ہے؛ جیسے ''ہر عیب کہ سلطاں بہ پسندد ہنر است''۔

فائدہ: لفظ آں جس طرح اشارہ کا فائدہ دیتا ہے اور اسمائے موصولہ میں سے بھی گنا جاتا ہے، اسی طرح واحد غائب کی ضمیر منفصل یعنی 'او' کے معنی بھی دیتا ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ 'او' اکثر ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور 'آں' اکثر غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اور ہر موقع پر یہ پہچاننا کہ یہاں آن اسم اشارہ ہے یا موصول ہے یا ضمیر غائب ہے، یوں ہو سکتا ہے کہ اگر آں کے بعد کاف صلہ یا جیم فارسی لایا گیا ہے تو جانو کہ آں موصول ہے اور اگر آں سے پہلے کوئی ایسا مرجع مذکور ہے جو لفظ آں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کلام میں آں کے بعد یا آں سے پہلے لفظ ایں بھی نہیں لایا گیا تو جانو کہ آں ضمیر غائب ہے۔ ورنہ اسم اشارہ ہے۔

موصول کی مثالیں تو اوپر گزر چکیں۔ اور ضمیر غائب کی مثال، جیسے:

یار چوں نیست موافق چہ وداع و چہ وصال میرود ناخوش و ناخوشتر ازاں می آید

یہاں آں کا مرجع رفتن ہے جو میرود میں چھپا ہوا ہے۔ اور اشارہ کی مثال، جیسے قطعہ:

روضہ ماء نہر ہا سلسال دوحتہ سجع طیر ہا موزوں
آں پُر از لالہ ہائے رنگا رنگ ویں پُر از میوہ ہائے گوں گوں

اسمِ کنایہ:

جو اسم مقدار مبہم پر دلالت کرے اس کو اسم کنایہ کہتے ہیں اور وہ فارسی میں لفظ 'چند' ہے۔ کبھی اُس میں صرف یائے مجہول اور کبھی الف اور نون یا یے اور نون بھی ملا دیتے ہیں۔ اور 'چند' کی دو قسمیں ہیں؛ استفہامیہ اور خبریہ۔ استفہامیہ جیسے کسی سے کوئی پوچھے کہ ''چند درہم است مال زید؟'' اور خبریہ جیسے کسی کو کوئی خبر دے کہ ''درہم چند است مال زید''۔ 'چند' خبریہ اکثر قلت پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہوا مگر کبھی کثرت کے واسطے بھی آتا ہے۔ خصوصاً جب اس کے آخر یے اور نون ملایا جائے۔ جیسے:

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے چندیں سخنِ نغز کہ گفتے کہ شنودے

'چند' خبریہ ہو یا استفہامیہ، جس طرح مقدارِ منفصل کے واسطے آتا ہے، اسی طرح مقدارِ متصل کے لیے بھی آتا ہے۔ خبریہ، جیسے:

شبِ فراق چہ داند کہ تا سحر چند است   مگر کسی کہ بزندانِ عشق در بند است

یہاں رات کو لفظ چند کے ساتھ بیان کیا ہے اور رات اور دن کا مقدارِ متصل ہونا ظاہر ہے۔

اور استفہامیہ، جیسے:

چند ما را بدارا و فسوں بند کنی   تا کے ایں رشتہ شود پارہ و پیوند کنی

ترجمہ: کب تک ہم کو ظاہر کی آؤ بھگت سے بند کرے گا تُو؟ کب تک رشتۂ الفت کا ٹوٹتا رہے گا اور تُو جوڑتا جائے گا؟

یہاں چند سے مراد زمانہ اور مدت ہے اور اس کا مقدار متصل ہونا ظاہر ہے۔

اسمائے ظروف:

جس اسم سے کوئی وقت یا کوئی جگہ سمجھی جائے اس کو اسم ظرف کہتے ہیں اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ظرفِ زمان یعنی جس سے کوئی وقت سمجھا جائے اور ظرفِ مکان یعنی جس سے کوئی جگہ سمجھی جائے۔ اور ان دوقسموں کی دو دو قسمیں ہیں؛ مبہم اور محدود۔

مبہم: وہ جس کی کوئی حد نہ ہو؛ جیسے ظروفِ مکان میں نشیب و فراز اور زیر اور بالا اور پیش اور پس اور راس اور چپ اور جا اور سُو اور دروں اور بیروں اور گرد اور پرامن اور پرامون اور نزد اور نزدیک وغیرہ۔ اور ظروفِ زمان میں جیسے روزگار اور زمان اور حال اور وقت اور مدت اور دیر۔

محدود: وہ جس کی کچھ حد ہو جیسے ظروف مکان میں خانہ اور مسجد اور طویلہ اور سرا اور بام اور بازار اور رباط اور کوشک اور کلبہ اور کاشانہ اور بزم اور شہر اور کوچہ اور باغ اور بستاں اور سبو اور جام اور صراحی اور پیمانہ وغیرہ۔

اور ظروفِ زمان میں قرن اور سال اور ماہ اور ہفتہ اور روز اور شب اور شام اور پگاہ اور بامداد اور چاشت اور ساعت اور لحظہ وغیرہ۔

ظرف مکان محدود اگر مسندالیہ واقع نہ ہو تو اس پر حروف ظرفیہ یعنی 'در' اور 'اندر' اور 'درون' اور 'بیرون' اور بائے موحدہ اور 'بر' وغیرہ میں سے کوئی حرف ضرور لانا چاہیے۔ جیسے درخانہ

اور اندریں باغ اور درون شہر اور برون مسجد اور بحمام اور برپام وغیرہ۔

اور ظرف مکان مبہم پر کبھی حروفِ ظرفیہ نہیں آتے اور اگر آتے ہیں تو زائدہ آتے ہیں؛ جیسے در زیر فلک یعنی زیر فلک اور بربالائے بام یعنی بالائے بام اور درپیش چشم یعنی پیش چشم اور در پس آئینہ یعنی پس آئینہ اور بسوی خانہ یعنی سوئے خانہ اور در درون من یعنی درون من اور برگرد دوست یعنی گرد دوست۔

اور ظرفِ زمان کی دونوں قسموں پر کہیں آتے ہیں، کہیں نہیں آتے۔ جیسے ''وصل دوست سالھا میسر نشد''۔ اور سالھا میسر نشد۔ یا جیسے ''زید وقت شام از سفر باز آمد'' اور ''بوقت شام از سفر باز آمد'' وعلیٰ ہذا القیاس۔

اسمِ تفضیل:

اسمِ فاعل اور اسمِ مفعول اور صفتِ مشبہ میں حرف 'تر' بڑھانے سے اسم تفضیل بن جاتا ہے اور اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے بڑھانا منظور ہوتا ہے۔ جیسے ''روئے زید از ماہ رخشندہ تر است''۔ اور ''زید از عمرو خستہ تر است''۔ اور ''زید از پیل توانا تر است''۔

اسمِ تفضیل کا استعمال اکثر 'از' کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوا۔ اور کبھی اسم تفضیل کو مفضول (جس پر کسی دوسرے کو ترجیح دی جائے) کی طرف مضاف بھی کر دیتے ہیں۔ جیسے ''زید دانا تر قوم خود است''۔ اور ''عمرو گویا تر اہل بزم است''۔ اور اضافت کی حالت میں اسم تفضیل کے آخر یائے تحتانی اور نون بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے ''زید دانا ترین قوم است''۔

اسم فاعل اور اسم مفعول اور صفت مشبہ کے سوا اسمائے جامد، جن میں وصفیت کے معنی پائے جائیں، وہ بھی لفظ 'تر' کے بڑھانے سے اسم تفضیل کے معنی دیتے ہیں۔ جیسے نازک تر اور بہتر اور پیشتر اور پست تر اور بیشتر اور کمتر اور کہتر اور مہتر اور بزرگتر۔

دوسرا باب

فعلوں کے بیان میں

تنبیہ:

فعل میں خاصیتیں ایسی ہیں جو اسم اور حرف میں نہیں پائی جاتیں۔ ازاں جملہ مسند ہونا اور مسند الیہ نہ ہونا کیونکہ حرف نہ مسند ہوتا ہے نہ مسند الیہ۔ اور اسم مسند بھی ہوتا ہے اور مسند الیہ بھی ہوتا ہے۔

ازاں جملہ حرف تاکید فعل ہی پر آتا ہے، اسم اور حرف پر نہیں آتا۔ جیسے البتہ بیایم اور ہر آئینہ بزنم زید را۔ ازاں جملہ لفظ 'زود' فعل ہی پر آتا ہے جیسے زود بیایم اور زود بردم۔ ازاں جملہ فاعل کی ضمیر متصل فعل ہی کے ساتھ آتی ہے، جیسے آمدم اور آمدی اور آمدند۔ ازاں جملہ سوا اُس معنی کے جو کہ جو ہر لفظ سے مستفاد ہوں، ماضی یا حال یا استقبال تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے پر دلالت کرنا یہ فصل ہی میں پایا جاتا ہے۔

لازم و متعدّی:

فصل کے دو قسمیں ہیں: لازم اور متعدی۔ جیسا پہلے حصے میں بیان کیا گیا، فعل متعدی کبھی ایک مفعول کو چاہتا ہے، جیسے ''گفت زید مر عمرو را'' اور کبھی دو مفعولوں کو، جیسے ''زید را سیم و زر دادم۔'' یہاں پہلا مفعول زید ہے اور دوسرا سیم و زر۔ جو افعال دو مفعولوں کو چاہتے ہیں، بعضے اُن میں ایسے ہیں کہ ایک مفعول پر تمام ہو سکتے ہیں، جیسے بخشید کہ اس کو یوں بھی بول سکتے ہیں کہ ''زید را سیم و زر بخشیدم۔'' اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''سیم و زر بخشیدم۔'' دونوں صورتوں میں

کلام تمام ہو جاتا ہے اور بعضے اُن میں ایسے ہیں کہ ایک مفعول پر تمام نہیں ہو سکتے اور ان کو ''افعال قلوب'' کہتے ہیں؛ جیسے دید اور دانست اور پنداشت اور شمرد اور دریافت اور اندیشید اور سگالید۔

لیکن ان سب فعلوں کے دو دو معنی ہیں؛ ایک معنی دل کے ساتھ متعلق ہیں اور دوسرے حواس کے ساتھ۔ سو پہلے معنی کے اعتبار سے یہ افعال دو مفعولوں کو چاہتے ہیں، جیسے ''زید را مرد کار دیدم'' اور ''زید را دروغ گو دانستم'' اور ''زید را حیلہ ساز پنداشتم'' اور ''زید را راست باز شمردم''۔ اور ''زید را آب زیرکاہ یافتم''۔ اور ''زید را خیرخواہ اندیشیدم''۔ اور ''زید را بدآموز سگالیدم''۔

دوسرے معنی کے اعتبار سے ایک مفعول پر تمام ہو جاتے ہیں، جیسے ''زید را دیدم'' یعنی نگریستم۔ اور ''زید را دانستم'' اور پنداشتم یعنی شناختم۔ اور ''غلطیہای زید را شمردم'' یعنی حساب کردم اور ''زید را یافتم''۔ یعنی خوردم بہ او اور ''بکار زید اندیشیدم۔'' اور سگالیدم یعنی فکر کردم دراں۔

افعالِ قلوب ہمیشہ جملۂ اسمیہ یعنی مبتدا اور خبر پر آتے ہیں۔ سو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ حرف ربط کو حذف کر کے مبتدا اور خبر کو ان کے دو مفعول ٹھہرا دیتے ہیں، جیسے ''زید خردمند است''۔ جب اس پر دانستم آیا تو حرف ربط یعنی است کو گرا دیا اور مبتدا پر علامت مفعول یعنی لفظ را بڑھا دیا۔ زید را خردمند دانستم ہوگیا۔ اور کبھی جملۂ خبریہ کا مضمون بالا جمال ان کا مفعول پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں جملے کے سرے پر کاف بیانیہ لانا ضرور ہے:

دانستۂ کہ مہر تو با جاں نمی رود
کز خاک کشتگاں گزری سرگراں ہنوز

یہاں 'دانستۂ' فعل قلب ہے اور اس کا مفعول ''مہر تو با جاں نمی روذ'' اس سارے جملے کا مضمون پڑا ہے۔ کیونکہ یہاں کسی لفظ کو مفعول اول یا مفعول ثانی نہیں ٹھہرا سکتے۔ اسی لیے اس کے سرے پر کاف بیانیہ لایا گیا۔ جو فعل متعدی دو مفعول چاہتا ہے وہ یا تو مبتدا و خبر پر آتا ہے یا نہیں۔ اگر مبتدا اور خبر پر آئے تو علامت مفعول یعنی لفظ 'را' صرف مبتدا کے ساتھ ملانا چاہیے۔ جیسے زید را عاقل دانستم، دلِ خود را بدگماں یافتم۔ اور اگر مبتدا اور خبر پر نہ آئے تو دونوں مفعولوں کو دیکھنا چاہیے کہ ان میں سے اصل مقصود اور منشائے ایراد کلام کون سا مفعول ہے۔ جو ایسا ہو اُس

پر 'را' لانا چاہیے۔ اور جو ایسا نہ ہو اس پر 'نہ' لانا چاہیے مثلاً ''زید را سیم و زر بخشیدم'' یہاں منشائے ایراد کلام نفس زید ہے اور سیم و زر اس کا طفیلی ہے، اس لیے زید پر لفظ 'را' لایا گیا۔ یا جیسے ''تیغ را آب دادم''۔ یہاں منشاء ایراد کلام تیغ ہے اور آب اُس کے توابع میں سے ہے، اسی لیے لفظ تیغ پر لفظ 'را' لایا گیا۔

افعالِ ناقصہ:

جو فعل لازمی اپنے مصدر کے سوا کوئی اور صفت فاعل کے لیے ثابت کرے، اُس کو فعلِ ناقص کہتے ہیں اور اُس کے فاعل کو اُس کا اسم اور اُس صفت کو اُس کی خبر کہتے ہیں؛ جیسے ''زید عالم شد'' اور ''عمرو بیدار گشت''۔ دیکھو پہلے جملے میں 'شد' فعل ناقص ہے اس لیے زید کے لیے اپنے مصدر کے سوا ایک اور صفت یعنی علم ثابت کیا۔ اور دوسرے جملے میں گشت فعل ناقص ہے۔ اس نے عمرو کے لیے اپنے مصدر کے سوا ایک اور صفت یعنی بیداری ثابت کی۔ اسی طرح 'بود' اور 'گردید' اور 'برآمد' اور 'نمود'، اور جو ان بابوں سے مشتق ہیں سب افعال ناقصہ ہیں جیسے ''زید جوان بود'' اور زید ''پیر گردید'' اور ''زید نامرد برآمد'' اور ''زید پوچ می نماید۔'' بود اور شد اور برآمد کبھی اور افعال لازمی کی طرح صرف فاعل ہی پر تمام ہو جاتے ہیں، خبر کو نہیں چاہتے، جیسے:

من بودم و کنجے و حریفے و کتابے
غم را کہ نشاں داد ، بلا را کہ خبر کرد؟

اور : ع

کارے کہ چارہ جستمش از دوستاں نشد

یعنی روا نشد۔ اور ''ناگاہ ز خلوتکدۂ دلدار برآمد'' یعنی بیروں شد۔

اس کے سوا ان فعلوں کے اور معنی بھی آتے ہیں۔ جیسے شد بمعنی رفت اور گشت بمعنی برگشت اور گردید بمعنی برگردید اور بود بمعنی ماند اور نمود بمعنی کرد اور آشکار کرد۔ یہ معانی بھی خبر کو نہیں چاہتے۔

افعال مشبّہ بحرف:

افعال مشبّہ بہ حرف اُن فعلوں کو کہتے ہیں جو اور فعلوں میں مل کر اپنے معنی اُن میں کھپا

دیں۔ یعنی جس طرح مثلاً حرف 'می' ماضی استمراری اور حال کی علامت اور یائے مجہول ماضی تمنائی کی علامت ہے، اسی طرح یہ افعال بھی فعلوں کے ساتھ مل کر فائدہ حرفیت کا دیتے ہیں؛ جیسے باشیدن کا مضارع یعنی باشد ماضیِ احتمالی اور امرِ مستمر کی علامت ہے، اور خواستن کا مضارع یعنی خواہد فعل مستقبل کی علامت ہے اور بایستن کا مضارع مثبت یعنی باید اور حال مثبت یعنی مے باید ماضی مطلق کے صیغۂ واحد غائب سے مل کر امر کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے ''باید کرد'' اور ''مے باید کرد''۔ اور نون نفی کے ملنے سے نہی کا فائدہ دیتے ہیں جیسے ''نباید کرد'' اور ''نمے باید کرد''۔ اور بودن کا صیغۂ ماضی مطلق ماضی بعید کی علامت ہے: جیسے آمدہ بود۔ اور توانستن کا مضارع اور حال اور امر اور ماضی مطلق کے صیغۂ واحد غائب یا خود کسی مصدر سے مل کر امکان فعل پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے تواند کرد اور تواند کردن اور می تواند کرد اور می تواند کردن یعنی کر سکے اور کر سکتا ہے اور تواں کرد اور میتواں کردن یعنی کر سکنے اور توانستے کرد اور میتوانست کرد اور توانست کرد یعنی کر سکتا تھا۔ اس طرح نون نفی ملنے سے عدم امکان فعل پر دلالت کرتے ہیں جیسے نتواند کرد اور نمے تواند کرد اور نتواں کرد اور نتوانست کرد۔

تیسرا باب

حرفوں کے بیان میں

تنبیہ:

حرف کی خاصیت یہ ہے کہ نہ مسند ہو نہ مسندالیہ اور جو خاصیتیں اسم اور فعل کی بیان کی گئیں وہ اُس میں نہ پائی جائیں۔ اور فائدے حرف کے بے شمار ہیں۔

ازاں جملہ دو اسموں میں ربط دینا جیسے ''زید در خانہ است''۔ دیکھو یہاں زید اور خانہ دو جدا جدا اسم ہیں۔ 'در' اور 'است' نے آکر ان دونوں اسموں کو پیوند دے دیا۔

ازاں جملہ دو فعلوں میں روبط دینا جیسے ''خواہم کہ بیایم''۔ دیکھو یہاں 'خواہم' اور 'بیایم' دو جدا جدا فعل ہیں۔ کاف بیانیہ نے آکر دونوں کو ملا دیا۔

ازاں جملہ اسم اور فعل میں ربط دینا۔ جیسے ''بر اسپ رفتم''۔ دیکھو یہاں بھی لفظ 'بر' نے اسپ اور رفتم کو کہ اسم اور فعل جدا جدا تھے، باہم ارتباط دے دیا۔

ازاں جملہ دو جملوں کو ربط دینا، جیسے ''اگر می آید زید می نوازم او را''۔ یہاں 'می آید زید' اور 'می نوازم او را' دو جدا جدا جملے تھے۔ حرف شرط یعنی 'اگر' نے آکر دونوں کو ایک لڑی میں پرو دیا۔

ازاں جملہ: جملے کو مفرد سے ربط دینا۔ جیسے ''ہمہ مردمان قوم نماز خوانند مگر زید'' یہاں زید جو ایک لفظ مفرد ہے، اس کو جملۂ سابقہ سے جو ربط حاصل ہوا، حرف 'مگر' کے آنے سے ہوا۔ اس کے سوا اور بہت سے فائدے حرفوں کے بیان میں معلوم ہو جائیں گے۔

حروفِ بسیطہ کا بیان:

الفِ مضموم کلمے کے اول میں استفہام یا تعجب کے لیے آتا ہے، مگر بہت کم، جیسے ''اُخانہ خالی است''؟ یعنی کیا گھر میں کوئی نہیں؟ اور مفتوح نفی کا فائدہ دیتا ہے، مگر یہ خاص دساتیر کی زبان ہے، جیسے اَجنبان اور اَخواستے یعنی بے حرکت اور بے ارادہ۔ چنانچہ الف مفتوح ہندی قدیم میں بھی نفی کا فائدہ دیتا ہے: جیسے اَبھے (جو کسی سے نہ ڈرے) اور اَنت (جس کو بقا نہ ہو) اور اَجیت (جس پر کوئی فتح یاب نہ ہو سکے)۔ اور الفِ مفتوح کلمے کے اول میں زائدہ بھی آتا ہے، جیسا کہ پہلے حصے میں مذکور ہوا۔

اور الف ساکن کبھی کلمے کے بیچ میں اور کبھی آخر میں دعا کے لیے بھی آتا ہے، جیسے 'شواذ' اور 'دہاذ' اور 'باذ' بجائے 'شوذ' اور 'دہذ' اور 'بوذ'۔ یا جیسے:

باقی بمانیا کہ جہاں در بقائے تو امنِ تمام و مصلحتِ بے شمار یافت

اور دو کلموں کے بیچ میں کبھی محض اتصال کے لیے آتا ہے، جیسے دوشا دوش اور پیاپے اور دمادم اور کبھی واؤ عطف کے معنی دیتا ہے جیسے شباروز اور سالا ماہ اور کبھی استیعاب (گھیر لینا) کا فائدہ دیتا ہے، جیسے لبالب اور سراسر۔ یعنی اس کنارے سے اُس کنارے تک اور اس سرے سے اُس سرے تک۔ اور کبھی طرف کے معنی دیتا ہے، جیسے سرازیر اور سراباالا یعنی سر بسوئے زیر اور سر بسوئے بالا۔ اور کبھی زائدہ آتا ہے، جیسے سبزارنگ بمعنی سبز رنگ اور مشتاسنگ بمعنی مشت سنگ (گوپیا)۔ اور کلمے کے آخر میں کبھی ندا کے لیے آتا ہے، جیسے 'دِلا!' اور 'جانا!'۔ اور کبھی تعجب کے لیے، جیسے خوشا اور بدا بمعنی چہ خوش و چہ بد۔ اور کبھی معنی مصدری کا فائدہ دیتا ہے، جیسے پہنا اور فراخا بمعنی عرض و وسعت۔ اور کبھی ضمیر متکلم کی جگہ آتا ہے، جیسے ملازا اور قبلہ گاہا لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جس کے آخر میں الف ملا ہے، وہ اسم منادی واقع ہو اور اسی سبب سے بعضوں نے اس کو الف ندائیہ سمجھا ہے۔ اور کبھی فریاد کے وقت بڑھایا جاتا ہے، جیسے ''وا فریادا''۔ اور کبھی حرف ربط کی جگہ آتا ہے، جیسے:

''دریغا گردنِ طاعت نہادن''

اور:

''زودا کہ کند غنچۂ گل شہرت جم را''

یعنی دریغ است اور زود است۔ اور صیغۂ امر کے آخر میں ملنے سے وصفیت کے معنی دیتا ہے۔ جیسے دانا اور بینا اور گویا۔ اور زائدہ بھی آتا ہے جیسے صائبا اور گفتا بجائے صائب و گفت۔

ب

یہ حرف اسم کے اول میں ظرفیت کے معنی دیتا ہے، جیسے بخانہ اور بدل۔ اور کبھی استعانت کے لیے آتا ہے جیسے ''بعصا راہ رفتم'' اور بزبان گوی سبقت از ہمگناں ربودی''۔ اور کبھی سبب کے معنی دیتا ہے جیسے ''زید بسخن سازی از عہدہ کار خود برآمد''۔ اور کبھی معاوضے کے لیے آتا ہے، جیسے ''ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم''۔ اور کبھی معیت کے لیے، جیسے ''زید بمن راہ رفت''۔ بمعنی با من۔ اور کبھی تعیّنِ مقدار کے لیے جیسے ''زید را بقدر نفقۂ یکساں بخشیدم''۔ اور کبھی قسم کے لیے، جیسے ''بسرِ شما'' اور ''بجانِ برادر''۔ (بائے قسمیہ کو کبھی حذف بھی کر دیتے ہیں جیسے سرِ شما اور جانِ برادر) اور بعضوں نے اس حرف کو 'از' کے معنی میں بھی برتا ہے مگر یہ بہت کم ہے، جیسے:

در خدمت میمون تو گو راہ وفا رو   آں را کہ بسیلاب قدر بیم رہاتست

یعنی از سیلاب قدر۔ اور کبھی ظرف کے معنی دیتا ہے، جیسے ''بخود کم شود خلق را رہنمائی''، یعنی سوئے خود۔ اور کبھی موافقت کے معنی دیتا ہے، جیسے ''مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما''۔ یعنی موافقِ کامِ ما۔ اور زائدہ بھی آتا ہے، مگر اسم پر مفتوح، جیسے ''بشکر اندرش مزید نعمت''۔ اور فعل پر کبھی مضموم اور کبھی مکسور جیسا کہ پہلے حصے میں بیان کیا گیا۔

جب بائے زائدہ اسم پر آئے اور اس کے ساتھ کوئی حرف ظرف بھی لایا جائے تو بے کو پہلے لائیں گے اور اُس حرف ظرف کو اُس اسم کے بعد ذکر کریں گے، جیسے ''بشکر اندرش مزید نعمت'' اور ''ہرچند کہ عیبہا بدیں بندہ در است'' اور ''بدریا در منافع بیشمار راست''۔ اور کہیں اس کے برعکس بھی آیا ہے، جیسے ''مَی لعل گوں در بجام بلور''۔ مگر یہ بہت کم ہے۔

جب فعل منفی پر بائے زائدہ آئے تو نون نفی کو بے سے پہلے لانا چاہیے: جیسے ''نہ بشناخت کس قدر ایں اعتنا'' اور نہی حاضر پر آئے تو بے کو میم سے پہلے لانا چاہیے۔ ''اے خواجہ بگوی ہرچہ خواہی از ما بمگیر ہرچہ گوییم''۔

ک

یہ حرف جب کسی کلمے کا جز نہیں ہوتا تو ہائے مختفی کے ساتھ لکھا جاتا ہے اور ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں۔

تفضیلیہ: بمعنی 'از' یا 'ازانکہ' جیسے ''زن جوانرا اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے'' بمعنی ''بہ ازانکہ پیرے'' اور ''جوئے مشک بہتر کہ یک تودۂ گل'' یعنی از یک تودۂ گل۔

دعائیہ، جیسے:

مرا زاں کریمان صاحب زماں توئی مائدہ باقی کہ باقی بماں

یعنی یارب! کہ باقی بمانی۔ اور ناگاہ کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

شب گذشتہ بزانو نہادہ بودم سر کہ اوفتاد خرد را در آں خرابہ گزار

یعنی ''ناگاہ خرد را گزار افتاد''۔ اور کبھی 'ہم' یعنی تو بھی کے معنی بھی دیتا ہے، لیکن اس سے پہلے حرف شرط ہونا ضرور ہے، جیسے:

ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید گر مرغ کباب است کہ بابال و پر آید

اس بیت کے دوسرے مصرع میں کاف 'ہم' کے معنی دیتا ہے۔

بیانیہ، جیسے:

چناں قحط سالی شد اندر دمشق کہ یاراں فراموش کردند عشق

یہاں لفظ 'چناں' کا بیان دوسرے مصرع میں ہے اس لیے اس پر کاف بیانیہ لایا گیا۔ کاف بیانیہ کبھی حذف بھی کیا جاتا ہے، جیسے:

بناں بر عشرتم قاسم فضائے آسماں تنگ است بہر جا جست سنگے از فلاخن رو بما آورد

یہاں لفظ 'چناں' کے بیان کے لیے دوسرے مصرع کے سرے پر کاف بیانیہ لانا چاہیے تھا، سو نہیں لایا گیا۔

استفہامیہ: یہ تین طرح آتا ہے؛ انکاری، جیسے:

کہ میگوید کہ بر عزمِ سفر بست بقتلِ عاشقِ مسکیں کمر بست

تقریری، جیسے:

کہ برفروزد ہر بامداد مطلع صبح کہ برفرازد ہر شب بعمد صبح شفق

یہاں دونوں مصرعوں میں کاف استفہامیہ لانے سے مضمون جملے کا انکار مقصود نہیں ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ خدا کے سوا ایسا کون کر سکتا ہے۔

اور استخباری، جیسے: ''کہ بود آنکہ طرح محبت نہاد''۔ یہاں بانی محبت کا نام پوچھنا مقصود ہے۔

اور 'بل' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

نہ قندی کہ مردم بصورت خورند کہ ارباب معنی بکاغذ برند

سببیہ: ایسے دو حرفوں کے بیچ میں آتا ہے جن میں سے ایک سبب ہو اور ایک مسبّب۔ جیسے ''من زید را ہر روز قیام میکنم کہ نوکر اویم''۔ یہاں دوسرا جملہ سبب ہے اور پہلا مسبّب۔ اور جیسے ''آب بسیار پاشیدہ اند کہ گرد نشستہ است'' یہاں پہلا جملہ سبب ہے اور دوسرا مسبب۔

اور زائدہ بھی آیا ہے، جیسے:

طرازندۂ داستانِ کہن چنین شد حلی بند بکر سخن
کہ از فرد اقبالِ شاہنشہی کہ از فتنہ شد آں ممالک تہی

یہاں چوتھے مصرع کے سرے پر کاف کچھ معنی نہیں دیتا۔

و

یہ حرف عطف کے لیے موضوع ہے: یعنی دو اسموں یا دو فعلوں یا دو جملوں کو یا دو سے زیادہ کو ایک حکم میں کر دیتا ہے۔ جیسے ''زید و عمرو از عہد سر گشتند''۔ اور ''زید آمد و عمرو رفت''۔

ہ

یہ حرف کبھی محض تحسین کلام کے لیے آتا ہے، جیسے زرینہ اور مشکلینہ اور کبھی اظہار مقدار کے لیے، جیسے چند روزہ اور یکشبہ اور یکسالہ اور سہ ماہہ۔ اور 'مانند' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے درویشانہ اور کریمانہ اور بزرگانہ یعنی چوں درویشاں و چوں کریماں و چوں بزرگاں۔ اور 'او' اور 'تو' اور 'من' کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے ''زیدرا دخترہ پریشاں کردہ است''۔ یعنی دخترِ او۔ اور ''اے عزیز دخترہ ترا از غم ہلاک خواہد کرد'' یعنی دختر تو۔ اور ''دخترہ ہرگاہ پیش رُو یم می آید از حجاب می میرم''۔ یعنی دختر من۔ اور ماضی مطلق کے آخر میں اکثر یہ فائدہ دیتی ہے کہ ایک جملۂ فعلیہ کو دوسرے جملۂ فعلیہ پر معطوف کر دیتی ہے۔ جیسے: ''زید بر اسپ سوار شدہ از شہر بیروں رفت''۔

یعنی ''سوار رشد، از شہر بیروں رفت'' اور ''زید طعام پختہ تناول کرد''۔ یعنی ''طعام پخت و تناول کرد''۔

واؤ عاطفہ میں اور اس میں یہی فرق ہے کہ وہ ہر جگہ عطف کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ہمیشہ دو جملوں کے بیچ میں آتی ہے۔ اور اس میں یہ شرط ہے کہ دونوں فعلیہ ہوں۔

ی

یائے معرف کلمے کے آخر میں کبھی خطاب کے لیے آتی ہے، جیسے گفتی اور کردی اور مردی اور زنی اور یائے خطاب کے آنے سے ہائے مختفی ہمزۂ مکسور سے بدل جاتی ہے۔ جیسے کردۂ اور رفتۂ اور دیوانۂ اور یگانۂ۔ اور کبھی لیاقت کے معنی دیتی ہے، جیسے گزشتنی اور گزاشتنی لیکن یہ مصدر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور مصدر کے معنی بھی دیتی ہے، جیسے بزرگی اور فرزانگی اور دانائی اور گویائی۔

اور زائدہ بھی آتی ہے، جیسے فضولی اور حضوری اور ارمغانی اور فلانی۔

یائے مجہول کبھی وحدت کا فائدہ دیتی ہے اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ تعظیمی جیسے پدر زید مردے است'' یعنے مردے بزرگ است۔

اور تحقیری جیسے ''فلانی غلامی پیش نیست یعنی غلام حقیر و ذلیل۔ اور تعجب کے لیے جیسے ''مقدرے نہ بآلت بقدرت مطلق کند بشکل بخاری چو گنبد ارزق'' یعنی عجب مقدریست اور بخاری میں یائے وحدت تحقیری ہے۔

اور امر معلوم کو مجہول ٹھہرانے کے لیے جیسے ''اگر تو می ندہی داد روز دادی ہست'' دیکھو یہاں روز داد سے مراد روز قیامت ہے، اور وہ ایسا دن نہیں ہے جس کو مخاطب نہ جانتا ہو، مگر جو کہ وہ ناخداترسی کے کام کرتا ہے، گویا کہ روز قیامت سے بالکل غافل ہے۔

اور ڈرانے کے لیے جیسے ''ہشدار کہ بادشاہ ظالمی می آید''۔

اور نوعیت کے لیے جیسے ''ہر یکی را بہر کارے ساختند''۔ یعنی بہر نوعی از کار۔

اور کبھی تنکیر کے معنی دیتی ہے، جیسے ''کسے نماند کہ اورا بہ تیغ ناز کشی'' اور ''سرے در عہد ما ساماں ندارد'' یعنی ہیچکس اور ہیچ سر (یائے تنکیر اور یائے وحدت میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے۔ ہندی میں اس کا ترجمہ 'کوئی' اور اس کا ترجمہ 'ہر یک' ہے۔ پس ہر یائے تنکیر کو یائے وحدت کہہ

سکتے ہیں مگر ہر یائے وحدت کو یائے تنکیر نہیں کہہ سکتے، جیسے ''آں شنیدی کہ لاغرے دانا گفت روزی بابلہے فربہ'' یہاں لاغر اور ابلہے میں یائے وحدت ہے یائے تنکیر نہیں)۔

اور فعل کے آخر میں کبھی تمنا اور کبھی استمرار کے معنی دیتی ہے۔ تمنا، جیسے:

گر نبودی امید راحت و رنج پائے درویش بر فلک بودے

اور استمرار، جیسے:

دیدی گہ طرفِ آدم و گہ سوئے بہشت اندر آندم کہ قضا دانۂ گندم می کشت

(یعنی میدیدم)۔

یائے تمنائی کا حذف کرنا بھی جائز ہے لیکن تب جب فعل پر حرف شرط یا حرف تمنا آیا ہو۔ جیسے: ''کاش پنداری نصیب ما بقدر خواب بوذ''۔ یعنی بودی۔ اور:

بہر پاتابۂ خدام تو میرفت بچرخ گر نبود اطلس افلاک چنیں مستعمل

یعنی گر نبودی۔ اور زائدہ بھی آتی ہے۔ جیسے ''ہر نفسے کہ فرو میرود ممدِ حیات است و چو بر می آید مفرّحِ ذات۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب'' یعنی ''ہر نفس کہ فرو میرود'' اور ''در ہر نفس دو نعمت موجود است'' اور ''بر ہر نعمت شکری واجب''۔

اور جن کلموں کے آخر میں الف یا واؤ مدہ ہو، اُن میں محض کلمہ تمام کرنے کے لیے بھی آتی ہے، جیسے: 'خدائے' اور 'جائے' اور 'پائے' اور 'بوئے' اور 'روئے'۔

اور موصول کے معنی بھی دیتی ہے۔ جیسا کہ موصولات کی بحث میں بیان کیا گیا۔

حروفِ مرکبّہ کا بیان:

از: یہ حرف کبھی ابتدا کے لیے آتا ہے، جیسے ''از دہلی تا لاہور رفتم''۔ اور ''از دل بر زبان آمد''۔ اور یہ 'از' حذف بھی کیا جاتا ہے، جیسے ''سرتاپا'' اور ''دل تا دیدہ''۔ یعنی: از سرتاپا اور از دل تا دیدہ۔ اور جیسے:

سکندر کہ کرد آں عمارت گری کجا تا کجا سدِ اسکندری

یعنی از کجا تا کجا۔ اور جیسے ''چارۂ دردِ من بیچارہ بیادت رفتہ است'' یعنی از یادت رفتہ

اور کبھی سبب کے معنی دیتا ہے، جیسے ''راحت از محنت است و قربت از طاعت است''۔ یعنی بسبب محنت اور بسبب طاعت۔ اور کبھی واسطے کے معنی دیتا ہے، جیسے ''در دیدۂ فتح جائے سازی از کوری دشمنانِ کور را'' یعنی کوریِ چشمِ دشمن کے واسطے علم کی جگہ فتح کی آنکھ میں کرتا ہے تو۔

اور بیانیہ بھی ہوتا ہے، جیسے:

برانگیخت رزمے چو بارندہ میغ
تگرگش ز پیکان و باران ز تیغ

یعنی تگرگش پیکاں بود و بارانش میغ بود۔

اور بعض کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے ''یکی از صاحبدلاں ..... از نیک بختاں است''۔

اور استعانت کے لیے، جیسے:

کہ می شوید غبار کلفت از دل عندلیباں را   دراں گلشن کہ گل از خون خود رخسار می شوید

یعنی بخونِ خود۔

اور تفضیلیہ یعنی کسی کو کسی پر فوقیت دینے کے لیے جیسے ''زید دانا تر از عمرو است''۔ اور ''عمرو خوب روتر از زید است''

اور 'را' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

تو خود کے میکنی از من فراموش؟   کجا جاں میکند از تن فراموش؟

یعنی مرا اور تن را۔

اور 'در' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

چہل روز خود را گرفتم زمام   کادیم از چہل روز گردد تمام

ترجمہ: چالیس دن اپنی باگ روکے رکھی میں نے، کیونکہ ادہوڑی چالیس دن میں تیار ہوتی ہے۔ دیکھو یہاں 'از چہل روز' 'در چہل روز' کے معنی میں آیا ہے۔

اور 'بر' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

اے پسر از ملک و جوانی مناز   ناز برو کن کہ شد او بی نیاز

یعنی بر ملک و جوانی مناز۔ اور جیسے:

اعتمادی نیست بر کار جہاں۔   بلکہ از گردونِ گرداں نیز ہم

یعنی برگردونِ گرداں۔

اور معیت کے لیے بھی آتا ہے، جیسے:

جانِ زندگی از چشمۂ پرنوش تو دارد دلبستگی از سنبل گلپوش تو دارد

اور تملیک کا فائدہ بھی دیتا ہے، جیسے ''ندیم از تو دگر حاصل خریف'' یعنی اے ندیم! ملک تو باد۔ اور جیسے ''دل از من دیدہ از من آستین از من کنار از من''۔ یعنی دل میرا، آنکھ میری، آستین میری، بغل میری۔ اور گزر جانے کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے ''از خویش بدوست اشتغال نمودم'' یعنی ''از خویش درگزشتم و بدوست در پیوستم''۔ اور جیسے:

ازاں با وسعتِ مشرب ز مذہب ساختم صائب
کہ یک آہوئے وحشی نیست ایں صحرائے دلکش را

یعنی ازیں سبب با وسعت مشرب ساختم و از مذہب درگزشتم (یہاں 'از' کی جگہ زی 'ز' آئی ہے جو مخفف 'از' کی ہے)۔

اور زائدہ بھی آتا ہے، جیسے:

چہ لطف بود کہ تشریف دادی از ناگاہ کہ یادت از منِ رنجور ناتواں آورد

اس بیت میں لفظ ناگاہ پر جو 'از' آیا ہے، وہ کچھ معنی نہیں دیتا۔

با:

اس حرف کا استعمال کہیں بائے بسیط سے جدا ہے اور کہیں اس کے مطابق۔ پس یہ حرف کبھی معیت کے لیے آتا ہے جیسے: ''فرستاد با او بسے مال و گنج'' یعنی ہمراہ او۔

کبھی سبب کے معنی دیتا ہے، جیسے:

چو من با رکابی کہ برداشتم عنانِ جہاں بر تو بگذاشتم
تو نیز آنچہ داری بآں توشۂ رہا کن مرا اندریں گوشۂ

ترجمہ: جو میں نے اختیار کیا ہے اور جس پر قناعت کی ہے، جہان کو تیرے سپرد کر دیا، تو بھی اس نیکی کے عوض میں مجھ کو اس گوشے میں اپنے طور پر چھوڑ دے۔ دیکھو یہاں بارکابی بسبب رکاب کے معنی دیتا ہے۔

اور عوض کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

فرہاد کوہ غم را با جان نمی فروشد مسکیں گراں خرید است ارزاں نمی فروشد

اور کبھی طرف کے معنی دیتا ہے، جیسے:

تا کے از نور نظر کردن نظر بادیگراں ہمچو چشم از مردم خود روئے پنہاں داشتم

یعنی بسوئے دیگراں۔

کبھی واؤ عطف کی جگہ آتا ہے، جیسے:

فرق است میان آنکہ یارش در بر با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

یعنی وانکہ دو چشم انتظارش بر در۔

کبھی استعانت کے لیے آتا ہے، جیسے:

یکی با چشم دل بنگر دریں زندان خاموشاں کہ اس جا صد ہزاراں کس ندیمان ندم بینی

یعنی بہ تیروئے دل بنگر۔

کبھی 'در' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

در نمی گیرد نیاز و ناز ما باحسن دوست خورم آں کز نازنیناں بخت برخوردار داشت

یعنی در حسن درست۔

کبھی 'از' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

حسن با مہر و وفا بیگانہ است ہر کہ عاشق میشود دیوانہ است

یعنی از مہر و وفا۔

بازِ:

یہ حرف کبھی 'در' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

آں حسام ابن مسامی کہ حسام نظرش ہرگز از خصم بالزام نشد باز نیام

ترجمہ: وہ حسام بیٹا حسام کا جس کی نظر کی تلوار ہرگز دشمن سے الزام کھا کر میان میں نہیں گئی۔ دیکھو یہاں 'باز نیام' بمعنی 'در نیام' آیا ہے۔

کبھی 'دیگر' کے معنی دیتا ہے۔ جیسے ''باز بخانۂ زید نروم'' یعنی دیگر نروم۔

کبھی 'بعد ازیں' کے معنی دیتا ہے، جیسے: ''اگر میروی باز دیگر نخوانم'' یعنی بعد ازیں دیگر نخوانم۔

کبھی مراجعت کے معنی دیتا ہے، جیسے: ''ہدہد خوش خبر از طرف سبا باز آمد۔''

کبھی کشادن کے معنی دیتا ہے، جیسے ''باز کن بمعنی بکشا۔ اور ''در خانہ باز است'' یعنی کشادہ است۔

فعل کے ساتھ زائدہ بھی آتا ہے، جیسے:

سر ابروی تو کردم گرہش باز کشای   کہ کمانت نہ باندازۂ بازوی کسی است

یعنی بکشای۔

بر:

یہ حرف دو کلموں کے بیچ میں اتصال کے لیے آتا ہے، جیسے:

غلامان گل چہرہ و دل ربای   کمر بر کمر گرد تختش بپای

اور:

زمیں بر زمیں تا بہ اقصائے روم   بجوشید دریا بلرزید بوم

یعنی کمر متصل کمر اور زمین متصل زمین۔

کبھی سبب کے معنی دیتا ہے، جیسے ''زید بر دشنامی از نوکر عمر درگذشت'' یعنی بسبب دشنامی۔

کبھی 'طرف' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

مژۂ سیاہت ار کرد بر خونِ ما اشارت   ز فریب او میندیش غلطی مکن نگارا

یعنی بسوئے خونِ ما۔

کبھی اندازہ ومقدار کے معنی دیتا ہے، جیسے:

تُتِہ اطلسِ فلک نشود عطف دامنش   بر قد کبریائے تو دوزند گر لباس

یعنی باندازۂ قامت بزرگی تو۔

'اوپر' کے معنی میں اکثر آتا ہے، جیسے: 'بر فرق' اور 'بر آسمان'۔

اور زائدہ بھی آتا ہے، جیسے:

کین تو بر اعدائے تو بر شوم تر آمد   از تاختنِ رستم سگوئی بہ پسر بر

یہاں 'اعدائے تو بر' اور 'پسر بر' دونوں جگہ 'بر' زائدہ ہے، کچھ معنی نہیں دیتا۔

تا:

یہ حرف کبھی بیان کے لیے آتا ہے جیسے ''بہ بینم تا چہ پیش آید'' اور ''بگو تا چہ خواہی گفت''

اور جیسے:

دبیراں نگر تا بروز سپید   قلم چو تراشند از مشک و بید

یعنی نگر کہ بروز سپید۔ اور:

شب بیار او چو جامی چند در محفل زدم   سینہ کندم آنقدر تا ناخنے بر دل زدم

یعنی آنقدر کہ ناخنی بر دل زدم۔

کبھی تردد کی جگہ آتا ہے، جیسے:

زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست   تا درمیانہ خواستۂ کردگار چیست؟

یعنی دیکھیے خدا کو اس باب میں کیا منظور ہے۔

کبھی 'جب تک' کے معنی دیتا ہے جیسے ''تا دوست بمن می رسد، من بخدا می رسم''۔ اور:

تا بقادر جہاں بود ممکن   ذات پاکت ہمیشہ باقی باد

کبھی 'جب سے' کے معنی دیتا ہے۔ جیسے:

تا تیز کردۂ بسیاست نگاہ را   صد منت است بر دل عاشق گناہ را

یعنی جب سے تیز کی ہے تو نے سیاست کی نگاہ۔

کبھی صرف 'تک' کے معنی دیتا ہے، جیسے ''از دہلی تا کلکتہ'' اور ''از زمین تا آسماں''۔ اور

یہ تا حذف بھی کیا جاتا ہے بشرطیکہ بائے موحدہ اُس کی قائم مقام ہو۔ جیسے: ع

ملکش ز جہان چندان کز ہند بہ قسطنطین

یعنی تا بہ قسطنطین۔

اور 'زنہار' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

حافظا! ترک جہاں گفتن دلیل خوشدلی است۔   تا نہ پنداری کہ احوال جہانداراں خوش است۔

یعنی زنہار نہ پنداری۔

اور کبھی بیانِ غرض کے لیے بھی آتا ہے، جیسے:

تا بہ مژگانِ تو گردد آشنا دیدہ را بر نیشِ پیکاں میزنم

اور کبھی علّت کے معنی دیتا ہے، جیسے:

پشمینہ پوش تند خو از عشق نشنید است بو از سنبلش رمزی بگو تا ترک ہشیاری کند

یعنی زلفِ معشوق کی رمزِ سخنی ترکِ ہشیاری کی علت ہے۔

اور لفظ 'فرمود' اور 'گفت' کے بعد دو طرح آتا ہے: اگر 'تا' کے آگے صیغہ مضارع واقع ہو تو 'تا' بیانیہ ہوگا، جیسے:

بفرمود تا رخش را زیں کنند دم اندر دم نای زریں کنند

یہاں لفظ 'تا' فرمود کے مفعول کو بیان کرتا ہے۔

اور اگر 'تا' کے بعد صیغۂ ماضی آئے تو 'یہاں تک' کے معنی دے گا، جیسے:

بفرمود تا کوس رو ئیں زدند سرا پردہ بر پشت پرویں زدند

یعنی 'فرمود' کے فاعل کا کہنا یہاں تک مؤثر ہوا کہ نقارہ کوچ کا بجنے لگا۔

در:

یہ حرف ظرفیت کا فائدہ اکثر دیتا ہے، جیسے ''درخانہ'' اور ''در دلِ او''۔ 'در' ظرفیہ حذف بھی کیا جاتا ہے، جیسے:

زن آں بہ کہ زیور بود پائے او

یعنی در پائے او۔

کبھی 'طرف' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

عشق دستور نہ بخشد کہ کنم در تو نگاہ

یعنی بسوئے تو۔ اور:

ہم در تو گریزم ار گریزم

یعنی بسوئے تو گریزم۔

کبھی سامنے کے معنی دیتا ہے، جیسے:

مشو عاصی اندر خداوندِ خویش

یعنی پیشِ خداوند خویش۔

کبھی 'مرا' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

ز تو آیتے در من آموختن زمن دیورا دیدہ بر دوختن

یعنی مرا آموختن۔

کبھی نزدیک کے معنی دیتا ہے، جیسے:

دل بتو داد است نشانی مرا در تو رسم گر برسانی مرا

یعنی نزدیک تو رسم۔

اور دوکلموں کے بیچ میں کبھی اتصال کے لیے آتا ہے، جیسے:

سناں در سناں رستہ چو نوک خار سپر بر سپر بستہ چو لالہ زار

یعنی سناں متصل سناں۔

کبھی کثرت کے لیے، جیسے: ''صحرا درصحرا'' اور ''دشت در دشت'' اور ''فوج درفوج''۔

اور زائدہ بھی آتا ہے، مگر فعلوں اور مصدروں پر بہت اور اسموں پر کم، جیسے: درخواستن اور درافتادن اور درخواست اور درافتاد۔

را:

یہ حرف علامت مفعول کی ہے، اور کبھی واسطے کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے:

خدا را سوئے مشتاقاں نگا ہے پیا پے گر نباشد گاہ گاہے

یعنی برائے خدا۔

اور جہاں برائے اور از برائے یا بہر اور از بہر 'را' کے ساتھ جمع ہوں، وہاں 'را' کو زائدہ سمجھنا چاہیے، جیسے:

از بہر ترا توبہ و سوگند شکستم

یعنی از بہر تو۔

اور کبھی بغیر ان حرفوں کے بھی زائدہ آتا ہے، جیسے:

یارب سببے ساز کہ آں سروِ رواں را آرد بر ما بخت علی الرغم جہاں را

یعنی علی الرغم جہاں۔

اور کبھی ترکیبِ اضافی کے بیچ میں آتا ہے اور کسرۂ آخر مضاف کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن اس صورت میں مضاف الیہ کو مضاف سے پہلے لانا ضرور ہے۔ جیسے "زید را پسر پہلوان شد"۔ اور "زید را پسر کشتہ شد"۔ یعنی پسر زید۔

کبھی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے، جیسے: "مشتاقِ زور را"۔

کبھی 'در' کے معنی دیتا ہے۔ جیسے: "شب را بہ بوستاں با یکے از دوستاں اتفاق بسیت افتاد" یعنی در شب۔ اور:

ز ہر شاہ کامد جہاں را پدید بدست تو دادند نیش کلید

یعنی در جہاں۔

کبھی اوپر کے معنی دیتا ہے، جیسے:

شہ از ہولِ آں بازیٔ سہم ناک بترسید کاغذ سپہ را ہلاک

یعنی بر سپہ۔

اور سببیت کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

قضا را من و پیرے از فاریاب رسیدیم از خاک مغرب بر آب

یعنی بسببِ قضائے الٰہی۔

اور کبھی 'از' کے معنی دیتا ہے، جیسے:

کہ آید لب غنچہ را بوئے شیر

یعنی از لب غنچہ بوئے شیر می آید۔

فرا:

یہ حرف اکثر زائدہ محض تحسینِ کلام کے لیے آتا ہے۔ خصوصاً لفظ 'یاد' کے ساتھ، جیسے فرا یاد۔

کبھی ظرفیت کے معنی دیتا ہے، جیسے:

بہ بیچارگی تن فرا خاک داد

یعنی در خاک داد۔ اور ''بخیل ستایش فراچہ مشو''۔ یعنی در چاہ مرو۔

اور لفظ 'تر' کے ساتھ برتر کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

رہرواں چو گہر آبلۂ پا بیند پائے را پایہ فرا تر زثریا بیند

فرو:

یہ حرف بھی اکثر زائدہ محض تحسین کلام کے لیے آتا ہے، جیسے:

زمیں از تب و لرزہ آمد ستوہ فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

اور لفظ 'تر' کے ساتھ پست تر کے معنی دیتا ہے، جیسے:

گر فروتر نشست خاقانے نے ورا عار و نے ترا ادب است

یعنی اگر پست تر نشست۔

حروفِ ندا:

ندا پکارنے کو کہتے ہیں اور جو حرف ندا پر دلالت کرتے ہیں ان کو حروف ندا کہتے ہیں۔

ور جو اسم اُس چیز پر دلالت کرے جس کو پکاریں، اس کو منادیٰ کہتے ہیں۔

اصل فارسی میں کوئی جدا حرف ندا کے لیے موضوع نہیں۔ ہاں مگر 'اے' اور 'ایا' عربی سے لے کر فارسی میں استعمال کر لیے گئے ہیں۔ جیسے:

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب گبر و ترسا وظیفہ خورداری

اور:

ایا شاہ محمود کشور کشای زمن گر نترسی بترس از خدای

اور الف جو کلمے کے آخر میں ندا کے معنی دیتا ہے، یہ بے شک زبان فارسی ہی کا محاورہ ہے، جیسے:

کریما! بہ بخشاے بر حال ما

اور جب کسی کو یاد کر کے روتے ہیں وہاں جو الف ندائیہ لاتے ہیں، سو یہ عربی سے ماخوذ ہے۔ جیسے:

کیا ! کے نژادا ! شہا ! خسروا ! جہاں شہریارا ! و کندا ورا !

اور:

کہ را دا دلبرا ! شہا ! تو دَرا ! گوا ! تاجدارا ! مہا ! داورا !

کبھی ایسی چیز کو جو پکارنے کے قابل نہ ہو منادیٰ ٹھہرا لیتے ہیں اور اُس سے شوق و بے طاقتی و بے اختیاری کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، جیسے:

اے صبا ! باساکنانِ شہرِ یزد از ما بگوی کے سر ناحق شناساں گوی میدان شما

اور کبھی لفظ 'اے' غیر منادیٰ پر مدح یا ذم یا اظہار تعجب یا بیانِ حسرت و افسوس کے لیے لے آتے ہیں، جیسے:

اے خوشا سرو کہ از بارِ غم آزاد آمد

یہاں مدح کے لیے آیا ہے۔ اور:

عشق وانگہ استعارات دروغ اے دژم زخم و نمکداں نیز ہم

یہاں ذم کے لیے آیا ہے۔ اور:

اے درون جہل خون اے روی نادان سیاہ

یہاں بیانِ حسرت و افسوس کے لیے آیا ہے۔

اور حرفِ ندا حذف بھی کیا جاتا ہے، جیسے:

صبا ! بلطف بگو آں غزالِ رعنا را کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را

یعنی اے صبا !

مقامِ استہزا اور اظہار محبت کے وقت اور اپنے تخلص پر اور صیغۂ جمع پر اور لفظ ظالم پر حرفِ ندا لانا خلافِ فصاحت ہے۔ جیسے:

صوفی ! بیا کہ آئینہ صاف است جام را تا بنگری صفائے مئے لالہ فام را

یعنی اے صوفی! یہ استہزا کی مثال ہے۔ اور:

تیمارِ غریباں سببِ ذکرِ جمیل است جاناں! مگر ایں قاعدہ در شہر شما نیست

یعنی اے جاناں! یہاں اظہار محبت مقصود ہے۔ اور:

صائب! چہ مجال است شوی ہمچو نظیری عرفی بہ نظیری نرسانید غزل را

یعنی اے صائب! یہ تخلص کی مثال ہے۔ اور

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را

یعنی اے صاحبدلان! یہاں صیغۂ جمع منادی واقع ہوا ہے۔ اور: ع

ظالم از حق بترس و دل مآزار

یعنی اے ظالم!

حروفِ نفی:

فارسی میں 'بے' بیائے مجہول اور 'نون' ہائے مختفی کے ساتھ یعنی 'نہ' یا بدون اُس کے اور 'نے' اور 'نا' نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ 'بے' فعل پر نہیں آتا، بلکہ جامد اور مصادر عربی و فارسی پر آتا ہے۔ جیسے ''چہ بے پروا کسی بودہ'' اور ''بے دوست طعام نمیخورم''۔ اور ''بے توجہِ شما کام روا نمیشود''۔ اور ''بے دیدنِ روئے شما تسلی نمیشوم''۔ اسی طرح ضمائر منفصلہ پر آتا ہے، جیسے 'بے تو' اور 'بے او' اور 'بے من' وغیرہ۔ اور صفت پر بہت کم آتا ہے، جیسے بیدادگر۔ اور یہ حرف کبھی کلمے کا جز ہوتا ہے، کبھی نہیں ہوتا۔ جس کلمے کا جز ہوتا ہے اُس کو صفت منفی کر دیتا ہے، جیسے بے طاقت اور بےفکر اور بے شعور اور بے دانش اور بے خواب اور بے کار اور بے زر اور بے درد اور بے باک اور بے سپاس اور بے پروا۔ اور کلمے کا جز نہیں پڑتا تو بغیر اور بجز کے معنی دیتا ہے، جیسے:

زیستنم با تو میسر مباد بے تو اگر زیستنم آرزو است

اور: ع

کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

یعنی بغیر تیرے اور بدون علم کے۔

'نہ' اور 'نے' میں فرق یہ ہے کہ 'نہ' مطلق جملۂ خبریہ پر آتا ہے، اسمیہ ہو یا فعلیہ، اور 'نے' جملۂ اسمیہ ہی پر آتا ہے، فعلیہ پر نہیں آتا۔ مگر بہت کم، جیسے:

نے ہست مرا بشادی دسترسے نے گفت توانم غم دل را بکسے

یہاں دوسرے مصرع میں 'نے' جملۂ فعلیہ پر آیا ہے۔ اور 'نہ' اور 'نے' جب جملے کے درمیان میں آتے ہیں تو اُن کے ساتھ آیا۔ اور جملہ بھی [illegible] ہے جو 'نہ' یا 'نے' کے ساتھ ش

کیا گیا ہو، جیسے:

نہ مرا دولتِ دنیا نہ مرا اجرِ جمیل   نہ چو نمرود توانا نہ شکیبا چو خلیل

اور: ع

نہ مرا بازوے قایم نہ مرا دیدۂ راست

اور: ع

نے تابِ وصل دارم نے طاقتِ جدائی

اور جہاں ترقی کرنے یا کلام سابق سے رجوع کرنا منظور ہوتا ہے، وہاں اکثر 'نے' آتا ہے، جیسے:

ہمو داد زیور سمرقند را   نے کانچناں چند را

اس بیت میں ترقی ہے۔ اور:

آسمانی نے کہ ثابت رائے نبود آسماں   آفتابی نے کہ زاید نور نبود آفتاب

یہاں اول قائل نے ممدوح کو آسمان اور آفتاب ٹھہرایا، پھر اُس سے رجوع کیا کہ نہ تو آسمان ہے اور نہ آفتاب کیونکہ اُس میں یہ قصور ہے اور اس میں یہ نقصان۔

حرف 'نا' جس کلمے پر آتا ہے، اُس کا جز ہو جاتا ہے، اور خواہ وہ کلمہ صفت ہو یا غیر صفت، اور صفت فارسی ہو یا عربی، اور غیر صفت مصدر عربی ہو یا اسم جامد یا امر، بہرحال اس کو صفت منفی کر دیتا ہے۔ جیسے ناشناسا اور ناشکیبا اور ناخوردہ اور ناگفتہ اور ناپارسا اور ناہوشیار اور نابالغ اور ناممسوع اور ناہنجار اور ناکام اور ناقبول اور نادان اور ناشناس اور ناساز اور ناتواں۔

لفظ 'کم' اور 'اندک' بھی مطلق نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے:

مجلسِ وعظ ملامت کہ دماغم زدگاں   کم نشینیم بہ بزمی کہ مدارا نبود

یعنی نہ نشینیم۔ اور:

مرا دل یکے بود و پیاں یکے   درتی فراواں ، فریب اندکے

یعنی فریب نبود۔

حروفِ تنبیہ:

جن حرفوں سے مخاطب کو بیدار کرتے ہیں یا ڈراتے ہیں اُن کو حروف تنبیہ کہتے ہیں، اور وہ فارسی میں 'ہے' اور 'ہاں' اور 'ہیں' اور 'ہاں ہاں' اور 'اَلَا' اور 'ہلا' ہیں۔ اگر چہ پچھلے دونوں حرف عربی الاصل ہیں مگر فارسی میں برتے جاتے ہیں، جیسے:

زاہد از ما خوشۂ تا کے بچشم کم مبیں ہے نمیدانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

اور:

لطف تو ہر ساعتم گوید کہ ہین الاعتذار قہرِ تو ہر لحظہ ام راند کہ ہان الاجتناب

اور:

از سرِ مزارِ من رو نہفتہ بگزشتن ہاں ہاں خدا دشمن ایں چہ بدگمانی ہا است؟

اور:

اَلَا اے خردمند فرخندہ خوی ہنرمند نشنیدہ ام عیب جُوی

اور:

ہلا تیغ و گوپال با برکشید سپر ہائے چینی بسر در کشید

حروفِ ایجاب:

جن حرفوں سے کسی بات کا اقبال کیا جاتا ہے، اُن کو حروفِ ایجاب کہتے ہیں، اور فارسی میں اس غرض کے لیے صرف لفظ 'آرے' موضوع ہے۔ اور 'بلیٰ' بفتح لام و الفِ مقصورہ اگر چہ عربی الاصل ہے، مگر فارسی والے اس میں امالہ کر کے 'آرے' کی جگہ برتتے ہیں، جیسے:

گویند سنگِ لعل شود در مقامِ صبر آرے شود و لیک بخونِ جگر شود

اور:

سرِ روحانیاں داری بلی خود را ندیدستی بخوابِ خود در آ تا قبلۂ روحانیاں بینی

حروفِ زیادت:

فارسی میں جو حروف کلموں کے اول یا آخر یا بیچ میں خلافِ وضع بڑھائے جاتے ہیں، بعضے اُن میں سے بسیط ہیں اور بعضے مرکب۔ بسیط یہ ہیں: ا ب ج چ د ر ز غ ک گ م ن و ہ ی۔ اور مرکب یہ ہیں: در، بر، باز، از، را، فرا، فرو، اب، اس، آن، ند، بد۔ اور ان سب کی مثالیں

اپنے اپنے محل پر مذکور ہو چکی ہیں۔

حروفِ استثنا:

جو حروف مستثنیٰ پر آتے ہیں اُن کو حروفِ استثنا کہتے ہیں۔ ازاں جملہ 'مگر' اور 'جز' فارسی الاصل ہیں اور 'غیر' اور 'اِلّا' اور 'سوا' اور 'ماسوا' اور 'ماعدا' وغیرہ عربی الاصل ہیں مگر فارسی میں مستعمل ہیں۔

'مگر' اکثر استثنا کے لیے آتا ہے، جیسا کہ مستثنیٰ کی بحث میں ذکر کیا گیا ہے، اور کبھی غلبۂ ظن کی جگہ بھی مستعمل ہوتا ہے، جیسے:

خواہند کز اندیشۂ عشق تو بر آیم در خاطرِ احباب مگر جائے تو باشد

یعنی ظن غالب است کہ جائے تو باشد۔

اور کبھی امید اور توقع کی جگہ بھی لایا جاتا ہے، جیسے:

مگر صاحب دلے روزے برحمت کند در حالِ ایں مسکیں دعائے

یعنی امید کہ صاحب دلے بہرِ من دعائے کند۔

اور 'جز' کی مثال جیسے:

نیاید ز ما جز نظر کردنی دگر خفتنی باز یا خوردنی

یعنی از ما ہیچ نمی آید مگر نظر کردنی۔

حروفِ استدراک:

جو حرف ایسے دو جملوں کے بیچ میں واقع ہوں جن کے مضمون میں باہم مغایرت ہو اور دوسرا جملہ اُس توہّم کو مٹاتا ہو جو پہلے جملے سے پیدا ہو، اُن حرفوں کو حروفِ استدراک کہتے ہیں۔ اصل فارسی میں اس غرض کے لیے کوئی حرف موضوع نہیں، اور استدراک کے لیے جو حرف فارسی میں مستعمل ہیں وہ عربی الاصل ہیں، جیسے 'اَمّا' اور 'اِلّا' اور 'لیکن' اور 'لیک' دونوں واوٗ کے ساتھ اور بغیر واوٗ کے اور 'ولے'، ان تینوں کی اصل 'لاکن' تھی۔ فارسی والوں نے امالہ کر کے 'لیکن' بیائے ... کر لیا۔ اور جو کہ عربی میں 'لاکن' کبھی واوٗ کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اور کبھی بدون واوٗ کے اس

لیے فارسی میں بھی اسی طرح استعمال کیا گیا۔ اور 'لیک' اور 'و لے' 'لیکن' اور 'ولیکن' کا مخفف ہے۔
بعضوں نے ولیکن وغیرہ کے واؤ کو جزوِ کلمہ ٹھہرا کر اس پر واوِ عطف لانا جائز رکھا ہے، جیسے:

بر زمین است و ولیکن مرکبِ اقبالِ او ہر زماں اندر عنان آسماں ساید عناں

اور:

من نہ سہرایم و ولی با من رستمی میکند دے و بہمن

بہر حال یہ حروف جملۂ سابق سے جو وہم ناشی ہوتا ہے، اُس کے رفع کرنے کے لیے آتے ہیں۔ مثلاً:

اگر با پدر جنگ جوید کسی پدر بے گماں خشم گیرد بسی
ولیکن خداوندِ بالا و پست بعصیاں درِ رزق بر کس نہ بست

دیکھو یہاں پہلے بیت میں یہ مظنون ہوتا ہے کہ برائی کا بدلا ہمیشہ برائی ہے، سو اس وہم کو دوسرے بیت نے جس کے سرے پر 'ولیکن' آیا ہے مٹا دیا؛ یعنی خدا تعالیٰ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتا۔ یا جیسے رباعی:

ہر ساعتم اندروں بجوشد خوں را آگاہی نیست مردمِ بیروں را
اِلّا آنکس کہ روئے لیلیٰ دید است داند کہ چہ درد میکند مجنوں را

یہاں پہلے دو مصرعوں سے یہ بات خیال میں آتی ہے کہ کوئی کسی کی لگی کو نہیں جانتا۔ لیکن دوسرے بیت نے جس کے سرے پر حرف اِلّا واقع ہوا ہے، یہ تو ہم رفع کر دیا؛ یعنی جو تجربہ کار ہو وہ البتہ دریافت کر سکتا ہے۔

اور 'امّا' کی مثال، جیسے قطعہ:

تا جوہرِ آدم نسیم باز نہ استد زابای خود ار بشرم اصحاب کرم را
امّا نبودِ وصف اضافی ہنرِ ذات ایں فتویٰ ہمت بود اربابِ ہمم را

اور 'و لے' کی مثال جیسے:

نماند قاعدۂ مہر کوہ کن بجہاں و لے عداوت پرویز و کوہ کن باقی است

حروفِ تمنّا :

جن حرفوں کے ساتھ کسی امرِ ممکن یا امرِ محال کی آرزو کی جائے اُن کو حروفِ تمنّا کہتے ہیں، اور اس غرض کے لیے فارسی میں یہ لفظ مستعمل ہیں: 'باشد' اور 'بوذ' اور 'کے بوذ' اور 'بو' اور 'آیا بوذ' اور 'بود آیا' اور 'کاش' اور 'اے کاش' اور 'کاشکے' اور 'مگر'۔

اگر چہ ان میں سے 'باشد' اور 'بوذ' فعل مضارع ہیں، مگر چوں کہ ان میں حرفیت کے معنی غالب ہیں، اس لیے یہ بھی حرفوں میں شمار کیے گئے ہیں۔ ان میں سے 'مگر' اور 'کاش' اور 'اے کاش' اور 'کاشکے' کے بعد کاف بیانیہ لانا کچھ ضرور نہیں۔ اور باقی سب کے بعد کاف لایا جاتا ہے۔

'باشد' کی مثال، جیسے :

دردِ نہفتہ بہ ز طبیبانِ مدّعی ‌ ‌ ‌ باشد کہ از خزانۂ غیبم دوا کنند

اور بود کی مثال، جیسے :

نمی شود کہ بحرماں ز سعی دامانم ‌ ‌ ‌ بود کہ راہ دہندم بمنزلِ مقصود

اور 'کے بوذ' جیسے :

کے بوذ یارب! کہ رو در یثرب و بطحا کنم ‌ ‌ ‌ گہ بمکّہ منزل و گہ در مدینہ جا کنم

اور 'بو' جیسے :

باصبا ہمراہ بفرست از رخت گلدستۂ ‌ ‌ ‌ بو کہ بوئے بشنوم از خاک ایوان شما

اور 'آیا بوذ' جیسے :

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند ‌ ‌ ‌ آیا بوذ کہ گوشۂ چشمے بما کنند

اور 'بود آیا' جیسے :

بوذ آیا کہ درِ میکدہا بکشایند ‌ ‌ ‌ گرہ از کارِ فروبستۂ ما بکشایند

اور کاش، جیسے :

آنکہ دایم ہوسِ سوختنِ ما میکرد ‌ ‌ ‌ کاش می آمد و امروز تماشا میکرد

اور 'اے کاش' جیسے :

اے کاش گوش رغبتم احول بُدے چو چشم ‌ ‌ ‌ تا ہرچہ گفتی از تو مکرّر شنودمی

اور 'کاشکے' جیسے: ع

یار را برمن نظر بسیار بودی کاشکے

اور 'مگر' جیسے:

مگر کاتشے بر فروزند لعل در آتش نہند از پئے شاہ نعل

حروفِ تحقیق:

جو حرف جملے کے مضمون کو موکد کرتے ہیں، اُن کو حروف تحقیق کہتے ہیں اور وہ فارسی میں 'مانا' اور 'ہمانا' ہیں۔ 'مانا' کے بعد کاف بیانیہ لانا ضروری ہے، جیسے:

مانا کہ خلد پردۂ رخسار بر گرفت یا سادہ گشت ایشود دہر را عذار

اور 'ہمانا' کے بعد چاہو لاؤ چاہو نہ لاؤ، جیسے:

ہمانا دست گوہر بار او جانست و رادی تن
بلے رادی بدو زندہ است و تن زندہ بجاں باشد

(رادی بمعنی سخاوت) اور:

شنیدم کہ چشم تو دارد گزندے ہمانا کہ افتادہ بر دردمندے

دیکھو پہلے بیت میں ہمانا کے بعد کاف نہیں آیا اور دوسرے بیت میں آیا ہے۔

حروفِ استفہام:

جن حرفوں سے بادی النظر میں یہ مفہوم ہو کہ قائل کچھ پوچھتا ہے، اُن کو حروف استفہام کہتے ہیں۔ اگر چہ قائل کا مقصود اس کلام سے اظہارِ جہل یا طلبِ علم نہ ہو۔ مثلاً:

کہ میگوید کہ بر عزم سفر بست بقتلِ عاشقِ مسکین کمر بست

اس بیت کے اول میں جو کاف استفہامیہ ہے اُس سے صاف یہ سمجھا جاتا ہے کہ 'بر عزم سفر بست' کے قائل کو پوچھتا ہے، حالانکہ یہ غرض نہیں۔ بلکہ یہ غرض ہے کہ جو شخص ایسا کہے وہ حقیقت حال سے آگاہ نہیں۔

اصل یہ ہے کہ استفہام سے کبھی مضمون جملہ کا انکار مقصود ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر کی مثال سے معلوم ہوا، اور کبھی مضمون جملہ کی تقریر اور تحقیق منظور ہوتی ہے، جیسے: ''بر فراز دہر بامداد مطلع

صبح کہ برفراز دہر شب بصند صبح شفق''، جیسا کہ حروف بسیط کے بیان میں اس کی تقریر کی گئی۔

کبھی طلب علم کی منظور ہوتی ہے، جیسے:

بادہ و مطرب و گل جملہ مہیّا است ولے عشق بے یار مہیّا نشود ، یار کجاست؟

یہاں لفظ 'کجا' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قائل یار کا ٹھکانا پوچھتا ہے۔

حروفِ استفہام سولہ حروف ہیں: کہ، چہ، چہ چیز، کیست، چیست، کدام، کو، کجا، کے، چساں، چگونہ، چوں، چرا، چند، مگر، آیا۔

ازاں جملہ 'کہ' ذوی العقول کی ذات یا صفت یا نام پوچھنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے:

کہ گفت بر رخِ زیبا نظر خطا باشد؟ خطا بود کہ نہ بینند روئے زیبا را

یعنی جو ایسا کہتا ہے، وہ کون ہے؟ یا اُس کا کیا نام ہے؟

اور 'چہ' غیر ذوی العقول کا حال پوچھنے کے لیے آتا ہے، ذات ہو یا صفت یا نام، جیسے:

چہ دیدۂ کہ بہ آئینہ مائلی شب و روز؟ ز ما نہفتہ مدار آنچہ رو نمود آنجا

یعنی کیا حالت اور کون سی کیفیت دیکھی ہے تو نے؟ اور جب چہ کے ساتھ لفظ 'چیز' ملایا جائے تو ذوی العقول کے لیے بھی آتا ہے، جیسے:

چہ چیزی کہ ایں ہمہ آشیون از تست

یہاں معشوق کی طرف خطاب ہے اور وہ ذوی العقول میں سے ہے۔

'کہ' اور 'چہ' میں اس کے سوا اور یہ فرق ہے کہ جب کاف استفہامیہ ترکیب میں مفعول واقع ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ علامت مفعول یعنی 'را' ملانا ضرور ہے۔ جیسے کرا گفتی اور کرا زدی اور 'چہ' کے ساتھ مفعولیت کی حالت میں 'را' کا ملانا جائز نہیں جیسے 'چہ دیدی' اور 'چہ خوردی'۔ اور 'چرا دیدی' اور 'چرا خوردی' کے یہ معنی نہیں ہیں جو چہ دیدی اور چہ خوردی کے معنی ہیں۔ چنانچہ آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔

'چہ' تعجب کے مقام پر بھی بولا جاتا ہے، جیسے کوئی مصیبت زدہ کہے کہ یاراں چہ پیش آمد؟ یہاں استفسار حال مقصود نہیں بلکہ جان بوجھ کر واقعے کی عظمت جتانا ہے۔ جیسے ہندی میں ایسے مقام پر بولتے ہیں کہ یارو [illegible]۔ یا جیسے: ع

[illegible] بلا در دل زد

یعنی بلائے عظیم در دل زد۔ اور کجا کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے: ع

بیچارہ ہر کرا چہ دل رقص کردن است

یعنی ہر بیچارے کو رقص کرنے کا حوصلہ کہاں۔ دیکھو یہاں چہ کجا کے معنی دیتا ہے۔ اور 'چہ' کی تکرار مساوات کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے: ع

چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

یعنی دونوں باتیں برابر ہیں۔ اور 'کہ چہ' سارا لفظ چہ خوش کے معنی دیتا ہے۔ جیسے:

ز ہر دو چشم نظرے کنی بیاد کہ چہ نگہ در اسپہ دوانی بہ االہ زار کہ چہ

یعنی کیا خوب اور چہ خوش۔

'کدام' طلب تعین ذات کے لیے آتا ہے اور ہندی میں اس کا ترجمہ 'کون سا' ہے، جیسے:

کدام روز کہ سر مشق انتظارم نیست کدام شب کہ سر گریہ درکنارم نیست

یعنی کون سا دن ہے اور کون سی رات ہے۔

'کیست' کی اصل وہی کاف استفہامیہ ہے مگر اس میں حرف ربط بڑھ گیا ہے۔ اس سبب سے کیست کا جواب اکثر جملہ پڑتا ہے اور کاف محض کا جواب اکثر مفرد پڑتا ہے۔ مثلاً: ع

تو کیستی و دریں راہ پیشوائے تو کیست؟

اس کا ٹھیک جواب یہ ہے کہ ''من فلانم و پیشوائے من فلانے است'' اور: ع

کہ گفت بر رخِ زیبا نظر خطا باشد؟

اس کا جواب ٹھیک ٹھیک مثلاً زید یا عمر ہے۔

'چیست' کی اصل چہ ہے مگر اس میں حرف ربط زیادہ ہوگیا ہے، اسی لیے اس کے اور 'چہ' کے جواب میں بھی وہی فرق ہے جو 'کیست' اور 'کہ' کے جواب میں ہے۔

کیست اور چیست کبھی تحقیر اور تذلیل کے لیے بھی آتے ہیں، جیسے ''زید کیست کہ بامن مقابل شود''۔ اور ''نامِ من چیست کہ برزبان آوردہ شود''۔

'کو' اور 'کجا' اور 'کجا است' طلب تعین مکان کے لیے آتے ہیں۔ جیسے:

در دو لتے کو کزیں دستکار۔۔ بدبوار او برنشانم نگار

یعنی درِ دولت کہاں ہے۔ اور: ع

کجا است دیرِ مغان و شراب ناب کجا

اور 'کو' چہ شد اور کجا رفت کے معنی بھی دیتا ہے: جیسے:

وصلِ رقیب تا کجا سستی عہدِ یار گو؟ خصمیِ آسماں چہ شد بازیِ روزگار گو؟

یعنی سستی عہد یار چہ شد اور بازیِ روزگار کجا رفت۔

اور 'کجا است' کبھی بھولی ہوئی بات یاد دلانے کے وقت بھی بولتے ہیں، جیسے:

کجا است آں ہمہ مہر و محبت و پیوند کجا است آں ہمہ سوگند و وعدہ و پیماں

اور 'کجا' کبھی ہر کجا شرطیہ کے معنی بھی دیتا ہے۔ جیسے:

کجا ز ہمتِ عالیش یاد خواہی کرد بچشم عقل نماید ستارہ اندر چاہ

یعنی ہر کجا۔

اور 'تا کجا' طلب تعین زمان کے لیے آتا ہے جس کا ترجمہ ہندی میں کب تک اور کہاں تک ہے۔ جیسے: ع

وصلِ رقیب تا کجا، سستیِ عہدِ یار گو؟

اور کجا کاف بیانیہ کی جگہ بھی آتا ہے۔ جیسے:

برا درت چنداں برادر بود کجا مر ترا بر سر افسر بود

یعنی کہ مر ترا۔

'کی' طلب تعین زمان کے لیے آتا ہے، جیسے: ع

کی بود یارب! کہ رو در یثرب و بطحا کنم

اور کبھی 'چرا' کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے:

موسیٰ اگر در رہ او نیست پیک کی ارنی گو شد و انظر الیک

یعنی چرا ارنی گو شد۔

اور 'تا کے' کے معنی بھی دیتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ 'وعدہ خود کے وفا می کنی' یعنی تا کے وفا میکنی:

'چساں' اور 'چگونہ' کیفیت اور وضع اور طرح کے پوچھنے کے لیے آتے ہیں، جیسے

''چساں آمدی اور چگونہ رفتی''۔ یعنی کس کیفیت سے او؟ کس طرح آیا تو اور کیونکر گیا تو؟

'چون و چرا' سبب پوچھنے کے لیے آتے ہیں جیسے ''چوں آمدی و چرا رفتی''۔ یعنی تیرے آنے کا سبب کیا ہے؟ اور تیرے جانے کا باعث کیا ہے۔

اور چون و چرا کبھی چساں اور چگونہ کی جگہ اور چساں اور چگونہ کبھی چون و چرا کی جگہ بھی آتے ہیں۔

اور 'چوں' بمعنی 'چہ' بھی آیا ہے، جیسے: ع

چوں کنم صائب ندارم آشنا روئے دگر

یعنی چہ کنم۔

'چند' کا حال کنایات میں بیان کیا گیا۔ 'مگر' بھی استفہام کے لیے آتا ہے، جیسے:

غرورِ حسن اجازت مگر نہ داد اے گل   کہ پرسشے نکنی عندلیب شیدا را

'آیا' نسبت کے پوچھنے کے لیے آتا ہے۔ جیسے: ''آیا زید وعدہ وفا می کند؟'' یعنی وعدہ وفا کرنے کی نسبت زید کے ساتھ صحیح ہے یا نہیں؟

حروفِ استفہام پر لفظ 'ہر' آ کر ان کے معنے بدل دیتا ہے۔ جیسے 'ہر کجا' کے معنی 'جہاں کہیں' اور 'ہر چہ' کے معنی 'جو کچھ' اور 'ہر کدام' کے معنی 'ہر شخص' یا 'ہر چیز' اور 'ہر چند' کے معنی اگر چہ اور 'ہر کہ' کے معنی 'جو کوئی' آتے ہیں۔

حروفِ شرط:

جو حروف کہ شرط اور جزا یعنی جملۂ شرطیہ پر آئیں ان کو حروف شرط کہتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک 'اگر' ہے جس کا مخفف 'گر' اور نری رے واؤ عطف کے ساتھ یعنی 'ور' ہے۔ یہ حرف زمانۂ مستقبل کو چاہتا ہے۔ پس 'اگر' ماضی پر بھی آئے گا تو اس کو مستقبل کے معنی میں کر دے گا جیسے ''اگر زید با من بمدارا پیش آمد من نیز بتواضع پیش می آیم''۔ یعنی ''اگر او ایں چنیں پیش خوا آمد، من نیز ہم چنین پیش خواہم آمد''۔ اور 'اگر' کا استعمال وہاں کیا جاتا ہے جہاں وقوع شرط کا تعین نہ ہو۔ پس یوں بولنا کہ ''اگر بامداد آفتاب برآمد ایں اسپ را می فروشم''۔ ٹھیک نہیں کیونکہ صبح کو آفتاب کا نکلنا یقینی ہے۔ ہاں اگر یوں کہیے کہ ''اگر بامداد را درمی یابم ایں اسپ می فروشم'' تو البتہ

صحیح ہے، کیونکہ صبح تک زندہ رہنا یقینی نہیں۔ یا یہ کہ یقین کو بصورت شک بیان کرنا منظور ہو تو بھی 'اگر' کا استعمال جائز ہے۔ جیسے عاشقِ مہجور جس کو فرقت کی ایک ایک گھڑی کاٹنی دشوار ہو، وہ فرط اضطراب میں طلوع صبح سے مایوس ہو کر یوں کہے کہ ''اگر صبح طالع شد البتہ یار را می بینم''۔ اور 'اگر' جب ماضی تمنائی یا لفظ 'بود' اور 'داشت' پر آتا ہے تو کلام مثبت کو منفی اور کلام منفی کو مثبت کر دیتا ہے، جیسے:

برسر کوئے تو غوغائے قیامت می بود گر شکستِ دلِ عشاق صدائے می داشت

اس کے معنی یہ ہیں کہ تیری گلی میں غوغائے قیامت نہیں، کیونکہ دل عشاق کے ٹوٹنے میں صدا نہیں۔

'اگر' کبھی تردید کے لیے بھی آتا ہے، جیسے:

ستمگار خوانیمش ار دادگر ہنرمند دانیمش ار بے ہنر

یعنی یا دادگر یا بے ہنر۔ اور اس 'اگر' پر واؤ عطف بھی لایا جاتا ہے، جیسے:

اگر آشکارا بُدے در نہاں بآں در شدی تاجدار جہاں

لیکن اس سے پہلے تکرار 'اگر' کی ضرور ہے، مذکور ہو یا مقدر۔ پہلی مثال میں مقدر ہے اور دوسری میں مذکور۔ 'اگر' بمعنی اگرچہ بھی آتا ہے، جیسے: ع

کہ بر گل اعتمادی نیست گر حسن جہاں دارد

یعنی اگرچہ حسن یک جہاں دارد۔

دوسرا حرف شرط 'چوں' ہے جس کا مخفف 'چو' آتا ہے، اور یہ اُس 'چوں' کے سوا ہے جس کا ذکر حروفِ استفہام میں کیا گیا۔ یہ حرف فارسی میں ایسا ہے جیسے عربی میں 'اذا' اور ہندی میں 'جب'۔ اور اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں وقوع شرط یقینی ہو اور اسی وجہ سے اکثر ماضی پر آتا ہے، کیونکہ صیغۂ ماضی قطعی وقوع پر دلالت کرتا ہے، جیسے: ع

نماند کسی چوں سکندر نماند

اور فعل مستقبل پر آتا ہے تو وہاں آتا ہے جہاں وقوعِ فعل کا یقین ہو: جیسے ''سحر گاہ چوں آفتاب برآید ایں اسپ را می فروشم''۔

ان دو حرفوں کے سوا بعضے اسم بھی جملۂ شرطیہ پر آ کر انھی کے معنی دیتے ہیں، جیسے 'ہر کہ'

اور 'ہر کس' اور 'ہر چہ' اور 'ہر گاہ' اور 'ہر جا' اور 'ہر کجا' وغیرہ۔

حروفِ تردید:

لفظ 'خواہ' اور لفظ 'یا' حرفِ تردید کہلاتے ہیں۔ 'خواہ' اگرچہ خواستن کا صیغۂ امر ہے مگر فارسی میں جو یا کی جگہ برتا جاتا ہے، اس لیے حروف میں شمار کیا گیا۔ یہ دونوں حرف اکثر معطوف اور معطوف علیہ دونوں پر آتے ہیں، جیسے:

خواہ با اظہری و خواہ بہ بیگانہ نشیں

اور:

یا مکن با پیل باناں دوستی یا بنا کن خانۂ درخورد پیل

اور صرف معطوف پر بھی آتے ہیں جیسے 'محبت کن خواہ عداوت'۔ اور:

اینکہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

'خواہ' اور 'یا' میں یہ فرق ہے کہ 'خواہ' تخییر (اختیار دینا) کے لیے موضوع ہے، جیسے:

من آنچہ شرط بلاغت با تو می گویم تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

یعنی تجھ کو اختیار ہے۔ ان دونوں باتوں میں سے جو تیرا جی چاہے سو کر۔

اور 'یا' اکثر دو چیزوں کے جمع ہونے کو منع کرتا ہے، جیسے ''زید یا عالم است یا جاہل'' یعنی عالم ہے تو جاہل نہیں اور جاہل ہے تو عالم نہیں۔ اور کبھی یہ معنی دیتا ہے کہ ان دو چیزوں کا ایک ساتھ مرتفع ہونا ممکن نہیں، اگرچہ دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں، جیسے:

یا وفا خود نبود در عالم یا مگر کس دریں زمانہ نہ کرد

یعنی وفا کا نہ ہونا عالم میں، جو پہلے مصرع سے مفہوم ہوتا ہے، اور اہل جہاں کا وفادار نہ ہونا، جو دوسرے مصرع سے سمجھا جاتا ہے، یہ ممکن نہیں کہ یہ دونوں باتیں مرتفع ہو جائیں۔ کیونکہ ان کے مرتفع ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ جہاں میں وجود وفا بھی ہو اور لوگ وفادار بھی ہوں، اور اس بات کو شاعر اپنے زعم میں محال جانتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مصرعوں کا مضمون جمع ہو جائے یعنی نہ جہاں میں وفا کا وجود ہو اور نہ اہل جہاں وفادار ہوں۔

اور کبھی یہ معنی دیتا ہے کہ یہ دو چیزیں نہ ایک ساتھ مرتفع ہو سکتی ہیں، نہ ایک ساتھ جمع

ہوسکتی ہیں۔ جیسے عدد یا زوج است یا فرد یعنی نہ یہ ہوسکتا ہے کہ عدد طاق بھی ہو اور جفت بھی ہو اور نہ یہ ہوسکتا ہے کہ نہ عدد طاق ہو نہ جفت۔

حروفِ تشبیہ:

جن حرفوں سے دو چیزوں کا ایک سا ہونا سمجھا جائے ان کو حروفِ تشبیہ اور آداتِ تشبیہ کہتے ہیں۔ اور بعضے اُن میں اسم اور فعل بھی ہیں۔ مگر حروفِ تشبیہ کی مشابہت کے سبب حرفوں میں شمار کیے گئے۔ بعضے آداتِ تشبیہ ایسے ہیں جو ہمیشہ مشبّہ بہ کے آخر میں بدون اضافت ملحق کیے جاتے ہیں۔ اور وہ 'آسا' بالمد اور 'آسا' بالقصر ہے، جیسے ''شعلہ آسا'' اور ''چراغ آسا'' اور:

عزم و جزمش بہ جنبش و بسکون   آسمان و زمیں آسا باشد

اور 'دیس' جیسے 'حوردیس' بمعنی حور مثال۔ اور 'وس' جیسے 'حوروس' اور 'وش' جیسے 'ماہوش' اور 'حوروش'۔ اور 'فش' جیسے 'مارفش' اور 'شیرفش'۔ اور 'وار' جیسے 'آہووار' اور 'پلنگ وار'۔

اور بعضے ایسے ہیں کہ مشبّہ بہ کے اول بھی آتے ہیں اور آخر بھی آتے ہیں۔ لیکن اول میں اکثر بائے موحدہ کے ساتھ آتے ہیں اور کبھی بغیر اس کے اور مشبہ بہ کی طرف مضاف کیے جاتے ہیں اور آخر میں بطور اضافت مقلوب کے آتے ہیں اور وہ یہ ہیں: 'رنگ' جیسے برنگِ گل اور گلرنگ اور 'کردار' جیسے زید بکردار شیر حملہ آورد اور زید فرشتہ کردار است اور 'مانند' جیسے زید مانندِ شیر است'' اور ''زید فرشتہ مانند است۔ اور 'ساں' جیسے تیغِ زید بسانِ برق درخشید اور زید شعلہ ساں تیغ از نیام برآورد۔

اور بعضے ایسے ہیں جو ہمیشہ جملے پر آتے ہیں جیسے 'گفتی' اور 'گوئی' اور 'گویا' اور 'گوئیا' اور 'پنداری'۔ جیسے گوئی کہ زید شیر است اور گویا کہ عمرو درندۂ مردم آزار است اور پنداری کہ دل بیقرار پارۂ سیماب است وعلیٰ ھذا القیاس۔

'چوں' جس طرح استفہام اور شرط کے لیے آتا ہے، تشبیہ کے لیے بھی آتا ہے اور اس 'چوں' کا ترجمہ ہندی میں کہیں 'سا' اور 'سی' ہوتا ہے جیسے ''روئے زید چوں گل است'' اور ''بینی زید چوں الف است'' اور کہیں 'طرح' ہوتا ہے جیسے ''زید چوں برق قطع راہ میکند'' یعنی برق کی طرح۔ اور کہیں 'جیسے' ہوتا ہے، مثلاً:

چون تشنۂ کہ آب خورد در میان خواب خونم چو آبِ چشمِ تو در خواب میخورد

یعنی جیسے پیاسا پانی پیتا ہے سوتے میں۔ اور یہی حال 'چو' اور 'ہمچوں' اور 'ہمچو' کا ہے۔

اور 'چناں' اور 'چنیں' کا ترجمہ ہندی میں 'ایسا' اور 'ایسے' ہے، جیسے: ''چناں می نمائی کہ از سفر می آئی''۔ اور ''زید نیز چنیں می گوید''۔ اور چناں اور چنیں کو ملا کر وہاں بولتے ہیں جہاں بیان تفصیلی کی گنجائش نہ ہو۔ جیسے:

آگہ از خویشتن چو نیست چنیں چہ خبر دارو از چنان و چنیں

یعنی از تمامی حالات عالم۔ اور جب لفظ چناں و چنیں پر حرف ندا آتا ہے تو منادی کی توہین اجمالی مقصود ہوتی ہے۔ جیسے:

بانگ برزد مرا خرد کہ خموش تو کۂ بارے اے چنان و چنیں

یعنی اے ایسے تیسے۔

حروفِ ربط:

جن حرفوں سے مبتدا وخبر کا اتصال مفہوم ہو ان کو حروف ربط کہتے ہیں۔ ان میں سے 'است' اور 'ہست' اور 'باشد' اور 'بود' واحد کے لیے آتے ہیں، جب مبتدا ضمیر مخاطب اور ضمیر متکلم نہ ہو، جیسے زید ''دانا است'' اور:

روزیِ ناخوردۂ ما در جہاں بسیار نیست

اور ''مرد بیکار کم قیمت باشد''۔ اور جب مبتدا جمع غیر ذوی العقول ہو تو بھی یہ حروف ربط کے لیے لائے جاتے ہیں، جیسے ''منزل ہا در پیش است'' اور ''دریں راہ فتنہ ہا است''۔ لفظ 'ہست' اکثر نظم میں آتا ہے اور نثر میں ''ہست' کی جگہ 'است' برتا جاتا ہے۔ اور 'ہست' بمعنی موجود است اور ثابت است بھی آتا ہے، جیسے:

چوں سر از پیرہن عشق برآرد عاشق نہ رقیبے و نہ مصرے و نہ کنعانے ہست

یعنی نہ رقیبے موجود است و نہ مصرے و نہ کنعانے۔

مبتدا کی خبر مرکب اضافی واقع ہو تو مضاف اور مضاف الیہ کے بیچ میں 'است' کا لانا جائز ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ایسی ترکیبیں جو اہل زبان سے سنی گئی ہیں انھی پر اکتفا کیا جائے۔

جیسے:

اے وحید از مژہ چوں ابر بہنگام وصال گل بہار آمدہ وقت است ے آشامی با

یعنی اکنوں وقتِ مے آشامیہا است۔ اور ایسی صورت میں کبھی مضاف کے بعد یائے وحدت بھی بڑھا دیتے ہیں، جیسے:

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست از معرفت کردگار

یعنی دفتر معرفت کردگار است۔ 'است' میں یائے مجہول ملانے سے ماضی تمنائی کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں، جیسے:

نقش ہائے بوالعجب در زیر چوں پیدا شدی گر نہ نقاش زبردستے دریں بالاستے

یعنی ''دریں بالا بودی''۔ اور کبھی یائے مجہول 'است' کے معنی نہیں بدلتی، محض زائدہ ہوتی ہے۔ جیسے:

چشمہ چشم ترا اای حجاب انباشت است ورنہ خود جانِ جہاں را دیدۂ بیناستے

یعنی دیدۂ بینا است۔

جملۂ منفیہ میں 'باشد' اور 'بود' پر نون مفتوح اور 'است' پر لفظ 'نے' آتا ہے۔ اور 'است' کا الف گر جاتا ہے، جیسے: ''دنیا جائے آسائش نباشد'' اور: ''غم معشوق چنیں حوصلہ فرسا نبود'' اور ''مرا فرصتِ دم زدن نیست''۔

جہاں نفی 'نیست' میں مبالغہ کرنا منظور ہوتا ہے، وہاں ایسا بھی کرتے ہیں کہ اول 'نیست' کی جگہ 'است' بولتے ہیں اور پھر کاف کے ساتھ 'نیست' لاتے ہیں، جیسے: ع

چشم صاحب نظراں درپئے دنیا است کہ نیست

یعنی صاحبِ نظر لوگ ہرگز طالب دنیا نہیں۔

اور 'اند' اور 'استند' اور 'ہستند' اور 'باشند' جمع ذوی العقول کے لیے آتے ہیں۔

جب مبتدا ضمیر مخاطب اور ضمیر متکلم نہ ہو جیسے ''دوستان زمانہ بدتر از دشمنان اند'' اور:

ع:

مرداں بکمیں صید فرصت باشن

و:

کہ ایں قوم ہستند بیباک تر

'است' اور 'اند' کے الف کا اظہار خلاف فصاحت ہے۔ اور املا دونوں کا الف کے ساتھ بھی جائز ہے اور بغیر الف کے بھی۔

جب مبتدا ضمیر واحد مخاطب ہو تو 'استے' اور 'ہستے' اور محض یائے معروف اور 'ای' بیائے معروفہ اور 'باشے' ربط کا فائدہ دیتے ہیں، جیسے ع:

دل باختۂ محبت استے

اور: ع

''بہر کہ بہ انتظار ہستے''

اور: ع

''مایۂ صد ماہ کنعانی بحسن''

اور:

بسیار بے ملاحظۂ در جفا مگر دانستۂ کہ از تو دلم را گریز نیست

اور:

''آخر نہ ز بندگان مائی''

اور: ع

''استادہ چرا کنار جوئی''

اور:

تو باشی ملک و دولت را سزاوار تو باشی تکیہ گاہ بخت بیدار

اور جب مبتدا ضمیر جمع مخاطب ہو تو 'استید' اور 'اید' الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور 'ہستید' اور 'باشید' ربط کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے: ع ''از معتکفان ایں درستید'' اور: ع ''آخر نہ ازاں دیار ہستید'' اور: ع ''مگر از درد عشق بیخبرید'' اور: ع ''بر درگہ دولتش گدائید'' اور:

شما کز محرمان راز باشید چرا با طالع ناساز باشید

اور جب مبتدا ضمیر واحد متکلم ہو تو 'استم' اور 'ہستم' اور محض 'میم' اور 'ام' اور 'باشم' مفید معنی ربط ہوتے ہیں، جیسے: ع ''موجے از شرابستم، لختے از کبابستم'' اور: ع ''گوش بر حرف مدعا ہستم'' اور: ع ''من شیفتۂ جمال یارم''۔ اور: ع ''در بلبل و در انجمن پروانہ ام'' اور

من کہ لذّت کشِ جفا باشم محرمِ خلوتِ بلا باشم

اور جب مبتدا ضمیر جمع متکلم واقع ہو تو 'استیم' اور 'ہستیم' اور 'ایم' الف کے ساتھ اور بغیر الف کے اور 'باشیم' ربط کا فائدہ دیتے ہیں، جیسے: ع ''زندہ بر بوئے ایں پیا مستیم'' اور: ع ''بہ محبت کہ آشنا ہستیم'' اور: ع ''ما مقیمان کوئے دلداریم'' اور: ع ''ما ئیم نظارگان غمناک'' اور: ع ''آگاہ ز اسرار محبت باشیم''۔

'اند' اور 'ای' اور 'اید' اور 'ام' اور 'ایم' جب ایسے کلمے کے بعد واقع ہوں جس کے آخر میں الف یا واؤ مدہ یا ہائے مختفی ہو اور 'است' ایسے کلمے کے بعد واقع ہو جس کے آخر میں ہائے مختفی ہو تو ان کو الف کے ساتھ پڑھنا چاہیے ورنہ بغیر الف کے، جیسے: ''زید عاشق ست'' اور ''زید شیفتہ است'' اور ''برادران زید عاشقند یا شیفتہ اند'' یا ''جو فروشان گندم نما اند''۔ یا ''خوبرو اند''۔ اور یہ دونوں الف یائے تحتانی سے بھی بدل جاتے ہیں، بلکہ بدلنا نہ بدلنے سے بہتر ہے۔ جیسے ''جو فروشان گندم نمایند و خوبرویند و نیکخویند۔'' باقی کو اسی پر قیاس کر لو۔

'است' اور 'اند' وغیرہ کی جگہ 'بودہ است' اور 'بودہ اند' اور 'بودہ اید' اور 'بودہ ام' اور 'بودہ ایم' بھی آتا ہے۔ جیسے: ''زید پارسا است'' اور ''پارسا بودہ است''۔ اور ''یاران عیب جویند'' اور ''عیب جو بودہ اند''۔ اور ''تو مردی از مردان کاری'' اور ''از مردان کار بودہ'' اور علیٰ ہذا القیاس۔

'ہے' بفتح ہائے ہوز جو ہندی میں ربط کے لیے آتا ہے، یہ حرف بھی فارسی الاصل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اہلِ ایران نے اس کو 'است' کی جگہ برتا ہے۔ جیسے خواجہ حافظ کہتے ہیں۔

ساقی اگرت ہوائے ما ہے جز بادہ میار پیش • شے

یعنی ''اگر ترا ہوائے ما است''۔

'است' کا الف کاف اور جیم استفہامیہ کے ملنے سے یائے تحتانی سے بدل جاتا ہے جیسے 'کیست' اور 'چیست'۔ بعضے جگہ نون ساکن بھی ربط کے معنی دیتا ہے، جیسے ''زید خوشن اور نیکن''، یعنی خوش است اور نیکست۔ اور لفظ 'دریغ' اور 'زود' کے ساتھ الف مل کر بھی است کے معنی دیتا ہے، جیسے: ع ''دریغا گردن طاعت نہادن''۔ اور ع ''زودا کہ کند غنچۂ گل شہرت جم را'' یعنی دریغست اور زود است۔

چوتھا باب

مرکّبِ ناقص کے بیان میں

جو لفظ دو یا کئی کلموں سے بن کر پورا فائدہ نہ دے، یعنی کسی بات کی خبر یا کسی چیز کی طلب اُس سے نہ سمجھی جائے، اُس کو مرکب ناقص کہتے ہیں۔ جیسے غلام زید اور مرد دانا اور شبانگاہ اور دوازدہ اور دانا دل وغیرہ۔ اور اس قسم کے مرکبات کلمات مفردہ کی طرح ہمیشہ جملے کا جز واقع ہوتے ہیں۔ اور اُس کی چند قسمیں ہیں:

ترکیب اضافی:

جن دو اسموں کے ملنے سے پہلے اسم کو ایک نوع کا تعین اور خصوصیت لگ جائے ان کے ملنے کو ترکیب اضافی اور ان دونوں اسموں کی ہیأت مجموعی کو مرکب اضافی اور ان سے پہلے اسم کو مضاف اور دوسرے کو مضاف الیہ اور جو نسبت ایک کو دوسرے کے ساتھ ہے اس کو اضافت کہتے ہیں۔

بعضوں نے ترکیبِ اضافی کی تعریف یہ لکھی ہے کہ اگر اس کا ترجمہ ہندی میں کریں تو 'کا' یا 'کے' اُس کے آخر میں بولا جائے۔ سو یہ تعریف جامع نہیں۔ کیونکہ 'غلام من' اور 'غلام تو' اور 'مرد دانا' اور 'نرگس چشم' وغیرہ میں حالانکہ ترکیبِ اضافی ہے مگر ان کے ترجمے میں 'کا' یا 'کے' نہیں بولا جاتا۔ دوسرے تعریف ایسی چاہیے، جس سے اس کی ماہیت معلوم ہو۔ نہ یہ کہ اس کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک اور زبان سے مدد لینی پڑے۔

مضاف کا حرفِ آخر ہمیشہ مکسور ہوتا ہے جیسے غلامِ زید اور اسپِ عمرو میں غلام اور اسپ کے آخر کا حرف مکسور ہے۔ اور جہاں مضاف کا حرفِ آخر الف یا واوٴ مدہ ہو تو وہاں کسرہ ظاہر

کرنے کے لیے الف اور واؤ کے بعد یائے تحتانی بڑھانی چاہیے۔ جیسے 'آشنائے من' اور 'بوے گل'۔ اور بعضے جگہ خود واؤ مدہ ہی کو کسرہ دیتے ہیں، جیسے 'در پہلوِمن نشست آں شوخ'۔ اور جہاں مضاف کا حرف اخیر ہائے مختفی ہو وہاں اس کو ہمزۂ نرم سے بدلنا چاہیے، جیسے دانۂ گندم اور مایۂ نشاط۔ جب مضاف الیہ ضمیر متصل واقع ہو، تو مضاف کے حرف اخیر کو فتحہ دینا چاہیے۔ جیسے 'اسپَش' اور 'جانت' اور 'دلم'۔ اور جب ضمیر متصل کا مضاف وہ کلمہ ہو جس کے آخر میں ہائے مختفی ہے، تو ضمیر متصل پر الف مفتوح بڑھانا چاہیے اور مضاف کے حرف آخر کو کسرہ دینا نہ چاہیے۔ جیسے 'خانہ اش' اور 'خانہ ات' اور 'خانہ ام'۔

جب مضاف کا حرفِ آخر الف یا واؤ مدہ ہو اور مضاف الیہ ضمیر متصل ہو تو الف اور واؤ کو چاہیں یائے تحتانی سے بدلیں، چاہیں اپنے حال پر رہنے دیں، جیسے بالایش اور بالاش اور بویش اور بوش۔

فائدہ: جب مضاف الیہ اسم ظاہر واقع ہو تو مضاف کے حرف اخیر کو ہمیشہ کسرہ دینا چاہیے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ مگر اہل زبان نے بعضے جگہ مضاف کے آخر کو ساکن بھی استعمال کیا ہے، جیسے صاحب خانہ اور صاحب نظر اور صاحبدل اور سرخیل اور سررشتہ اور سر حلقہ اور سرگروہ اور کافر نعمت اور گلنار وغیرہ۔ مگر ایسے چند الفاظ ہیں، سو ان کے سوا اور لفظوں میں ایسا نہ کرنا چاہیے۔

جن کلموں کے آخر میں ہائے مختفی ہے ان میں اکثر استادوں نے فک اضافت یعنی مضاف کے آخر میں کسرہ نہ لانا جائز رکھا ہے، جیسے مولوی معنوی:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

مضاف کی شان سے یہ ہے کہ مضاف الیہ سے پہلے لایا جائے مگر اہل زبان کے ہاں مضاف کا کسرہ موقوف کر کے مضاف الیہ کے بعد لانا بہت شائع ہے اور اس ترکیب کا نام زبان دانوں نے اضافتِ مقلوب رکھا ہے جیسے 'جہاں بادشاہ' اور 'زرگر پسر' یعنی 'بادشاہِ جہاں' اور 'پسرِ زرگر'۔ مگر جہاں مضاف الیہ ضمیر واقع ہو، وہاں یہ بات جائز نہیں۔

بعضے الفاظ ہمیشہ اسی ترکیب سے مضاف و مضاف الیہ واقع ہوتے ہیں، جیسے خمکدہ اور میکدہ اور عشرتکدہ وغیرہ، اور گلستاں اور سنبلستاں اور نیستاں وغیرہ، اور میخانہ اور شرابخانہ وغیرہ، اور گلزار اور سبزہ زار وغیرہ، اور کوہسار اور نمکسار وغیرہ، اور سنگلاخ اور مغیچہ اور شامگاہ وغیرہ۔

مضاف کی شان سے یہ بھی ہے کہ ہمیشہ نکرہ واقع ہو، جیسا کہ فارسی کے سوا اور زبانوں میں ہمیشہ مضاف نکرہ ہوتا ہے۔ مگر فارسی والے اکثر بیٹے کا نام باپ کے نام کی طرف مضاف کر کے بدل اور مبدل منہ کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں۔ جیسے سحبان وائل اور عمر سعد اور رستم دستاں اور ابوالفضل مبارک اور سعد وقاص۔ اصل میں یہ سب ترکیبیں بدل اور مبدل منہ ہیں۔ کیونکہ سحبان وائل کی اصل مثلاً سحبان پسر وائل بسکون نون ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ یہاں اسم جنس کی جگہ عَلَم یعنی نام بولا گیا ہے۔ کیونکہ سحبان وائل اور سعد وقاص اور رستم دستاں کے معنی پسرِ وائل اور پسرِ وقاص اور پسر دستاں ہیں۔ پس لفظ پسر کی جگہ سحبان اور سعد اور رستم بولا گیا ہے۔

جس اضافت کو اصول فارسی کی کتابوں میں اضافت بہ ادنیٰ ملابست لکھا ہے وہ بھی اسی قسم میں داخل ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی ایرانی یا تورانی یا عراقی یا رومی کہے کہ ''ایرانِ ما چناں است'' اور ''تورانِ ما چنیں است'' اور ''عراقِ ما بہتر از ہند است'' اور ''روم ما قلمروے خوش است''۔ دیکھو یہاں بھی اسمِ جنس یعنی ملک یا ولایت کی جگہ عَلَم ایران اور توران اور عراق اور روم بولا گیا ہے۔

بعضے جگہ اسم جنس کے بدلے ایسے عَلَم کو مضاف کر دیتے ہیں جس کو مضاف الیہ کے ساتھ کچھ نسبت نہ ہو، جیسے مولوی نظامی کہتے ہیں:

در گنج بکشاد چیپالِ چیں پرداخت از گنجِ قاروں زمیں

دیکھو یہاں خاقان وفغفور کی جگہ چیپال بولا گیا ہے، اور چیپال کو چین سے کچھ مناسبت نہیں، کیونکہ یہ ایک بادشاہ ہند کا نام ہے۔

بعضی جگہ ایسی اضافت میں مضاف کو حذف کر کے صرف مضاف الیہ کو مرکب اضافی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے منصور بجائے حسین منصور اور وقاص بجائے سعد وقاص اور سبکتگین بجائے محمود سبکتگین۔ چنانچہ ان دو بیتوں میں ایسا ہی کیا ہے:

چوں بہ نظارہ آمدم روز شکارِ دلبراں دامِ دلِ سبکتگین زلف ایاز یافتم

اور:

ناوکِ غمزۂ او دست برد از رستم حاجب ابروئے او برد گرہ از وقاص

ہم پہلے باب میں لکھ چکے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ ہونا اسم کا خاصہ ہے۔ فعل ا...

حرف نہ مضاف ہوں گے نہ مضاف الیہ۔ اب جاننا چاہیے کہ مضاف دو حال سے خالی نہیں؛ یا جامد ہے یا غیر جامد۔ پس غیر جامد اگر مصدر لازمی ہے تو ہمیشہ فاعل کی طرف مضاف ہوگا، جیسے 'آمدنِ زید' اور 'رفتنِ عمرو'۔ اور اگر مصدر متعدی ہے تو کبھی فاعل کی طرف جیسے 'دیدنِ چشم' اور 'کشتنِ تیغ' اور کبھی مفعول کی طرف جیسے 'از کشتنِ زید پشیمانم' اور 'از دیدنِ شما تسلی میشوم'۔

حاصل مصدر بھی مصدر ہی کی طرح فاعل کی طرف مضاف ہوتا ہے، جیسے 'نشستِ زید' اور 'لغزشِ پا' اور 'خلشِ خار' اور 'کشادِ در'۔ اور جس جامد میں حاصل مصدر کے معنی پائے جائیں، اس کا بھی یہی حکم ہے، جیسے 'گناہ بندہ' اور 'بزرگی خداوند'۔

اگر اسمِ فاعل متعدی یا صفتِ مشبّہ متعدی ہے تو ہمیشہ مفعول کی طرف مضاف ہوگا۔ جیسے 'کشندۂ زید' اور 'دانائے راز'۔ اور اگر اسم مفعول ہے تو ہمیشہ فاعل کی طرف مضاف ہوگا جیسے 'سوختۂ آتش' اور 'کشندۂ تیغ'۔

کبھی اسم فاعل اور صفتِ مشبّہ اور اسمِ مفعول کو بغیر ملانے لفظ 'تر' کے اسم تفضیل کی جگہ بھی مضاف کر دیتے ہیں، جیسے نوازندۂ شہر بمعنی نوازندہ تر از اہل شہر اور دانائے قوم بمعنی داناترینِ قوم اور خستۂ کارواں بمعنی خستہ ترین اہل کارواں۔ اور کبھی اسمائے جامد کی طرح بتقدیر حرفِ 'در' مضاف کیے جاتے ہیں، جیسے 'سرایندۂ بزم' یعنی 'آنکہ در بزم سرایندہ است'۔

اگر جامد ہے تو دیکھنا چاہیے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں کیا نسبت ہے۔ اگر پہلا عام اور دوسرا خاص ہے تو اضافتِ بیانی ہے۔ یعنی اس صورت میں مضاف الیہ سے صرف مضاف کا بیان مقصود ہوتا ہے اور دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہوتی ہے۔ جیسے روزِ جمعہ اور علمِ اخلاق اور انگشترِ طلا اور درختِ انار یعنی روزی کہ آں جمعہ است اور علمے کہ آں اخلاق است اور انگشتری کہ اصل آں طلا است اور درختے کہ آں انار است۔

اگر مضاف اور مضاف الیہ میں مباینت ہے یعنی دونوں اسم ایک ہی چیز پر صادق نہیں آ سکتے ہیں تو اس کو اضافت حقیقی کہتے ہیں، اور اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ازاں جملہ اضافت مالک کی مملوک کی طرف جیسے خداوندِ خانہ اور سلطانِ روم اور صاحبِ اسپ اور مالکِ دینار۔ ازاں جملہ اضافت مملوک کی مالک کی طرف جیسے خانۂ زید اور ملکِ سلطان اور مالِ پدر اور کنیزِ پسر۔

جس اضافت میں لفظ 'را' یا لفظ 'برائے' مقدر ہو، وہ انھی دو قسموں میں سے کسی قسم میں داخل ہوگی۔ جیسے معشوقِ من اور درِ خانہ وغیرہ۔ ازاں جملہ اضافت ظرف کی مظروف کی طرف، جیسے سبوئے آب اور خمِ شراب۔ ازاں جملہ اضافت مظروف کی ظرف کی طرف جیسے آبِ سیل اور بوئے گل۔ ازاں جملہ اضافت جزو کی کل کی طرف جیسے برگِ درختاں اور دامنِ قبا۔

اگر مضاف مضاف الیہ میں مساوات ہے یعنی دونوں اسم ایک ہی چیز کے نام ہیں، تو اضافت مجازی ہے۔ یعنی وہاں مضاف اور مضاف الیہ اپنے اصلی معنوں پر نہیں رہے، کیونکہ کسی چیز کو اس کے نفس کی طرف مضاف کرنا ممکن نہیں، جیسے زبانِ زباں اور دیدۂ چشم۔ ان دونوں مثالوں میں یا تو مضاف سے مراد نطق اور بینائی ہے، یا مضاف الیہ کو ایک شخص ٹھہرا کر اس کے لیے زبان اور آنکھ ثابت کی ہے، جیسے پنجۂ فکر اور دستِ اجل۔ اور بازوئے عقل اور قدمِ اندیشہ میں فکر اور اجل اور عقل اور اندیشہ کو ایک شخص ٹھہرا کر پنجہ اور دست اور بازو اور قدم ان کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ اور اگر یہاں، جیسا کہ ظاہر ہے، مضاف اور مضاف الیہ سے ایک ہی شے مراد لی جائے تو یہ ترکیب صحیح نہ ہوگی۔

مشبہ بہ کو جو مشبہ کی طرف مضاف کر لیتے ہیں، یہ بھی اضافت بیانی ہی میں داخل ہے۔ جیسے سنبلِ زلف اور نرگسِ چشم اور سروِ قد اور گلِ عارض کیونکہ یہاں اگرچہ مضاف اور مضاف الیہ میں بحسب واقع مباینت ہے لیکن جو شخص یہ الفاظ بولتا ہے وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ لفظ گل مثلاً جس طرح پھول پر صادق آتا ہے، اسی طرح عارضِ معشوق پر صادق آتا ہے۔ پس گل عام ٹھہرا اور عارض خاص، اور عام کو خاص کی طرف مضاف کرنا اسی کا نام اضافت بیانی ہے۔ اسی طرح سنبل اور نرگس اور سرو کو سمجھ لینا چاہیے۔

کبھی ایک لفظ کو دوسرے لفظ کی طرف مضاف کرتے ہیں مگر مقصود صرف مضاف الیہ ہوتا ہے اور مضاف بالکل زائد ہوتا ہے، جیسے:

تائے تشریف صاحبِ عادل کہ جہاں را بعدل صدِ عمر است

اور جیسے:

چو نقشِ نگوں بود در کافِ کن نکرد آنچہ گفتند نیکانش کن

دیکھو یہاں تائے تشریف اور کافِ کن سے محض تشریف اور اور کن مراد ہے۔ 'تا' اور

'کاف' کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے!

جب مرکبِ اضافی پر مرکبِ اضافی کو معطوف کریں اور مضاف الیہ دونوں کا ایک ہو تو معطوف میں سے مضاف الیہ کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسے: ''دیدۂ سعدی و دل ہمراہِ تست''۔ اس کی اصل میں دیدۂ سعدی و دلِ سعدی تھا۔

اضافتِ توصیفی: جس اضافت میں مضاف موصوف اور مضاف الیہ صفت ہو اُس کو بھی اضافتِ توصیفی کہتے ہیں۔ اگر چہ یہ ترکیب حقیقت میں مرکب اضافی سے جدا ہے لیکن چونکہ فارسی میں یہ اور وہ ایک ہیأت پر آتی ہیں اس لیے ہم نے تعریف میں بھی اس ترکیب کو ترکیب اضافی میں داخل کیا۔ اور دونوں کا بیان بھی آگے پیچھے بلافصل کیا۔

جو لفظ موصوف کی مدح پر دلالت کرے، صفت اسی کو نہیں کہتے، بلکہ جس لفظ سے اس کی برائی سمجھی جائے، وہ بھی صفت میں داخل ہے، جیسے مردِ پوچ اور زن بد اور رنگِ تیرہ۔

صفت اور موصوف کے اکثر احکام لفظی وہی ہیں جو ترکیبِ اضافی میں بیان کیے گئے۔ یعنی موصوف کے حرف آخر کا مکسور ہونا، جیسے مرد دانا، اور الف اور واؤ مدہ کے بعد یائے تحتانی کا بڑھایا جانا، جیسے آشنائے باوفا اور بوئے جانفزا، اور ہائے مختفی کو ہمزۂ نرم سے بدلنا جیسے دایۂ مہرباں، اور موصوف کا کسرہ دور کر کے صفت کے بعد لانا جیسے تاباں ماہ اور نالاں عود۔

اس کے سوا مضاف اور مضاف الیہ کے بیچ میں موصوف کا لانا اور موصوف اور صفت کے بیچ میں مضاف الیہ کا لانا دونوں باتیں جائز ہیں۔ جیسے:

چو پاکانِ شیراز پاکی نہاد ندیدم کہ رحمت براں خاک باد

اور:

پسران وزیر ناقص عقل بگدائے بروستا رفتند

پہلے بیت میں 'پاکاں' کی صفت 'خاکی نہاد' اور دوسرے میں 'پسران' کی صفت 'ناقص عقل' واقع ہوئی ہے، اور لفظ 'شیراز' اور لفظ 'وزیر' مضاف الیہ پڑے ہیں جو موصوف اور صفت کے بیچ میں واقع ہوئے ہیں۔ اور مضاف اور مضاف الیہ کے بیچ میں موصوف کا آنا تو بہت متعارف ہے، جیسے ''پدرِ نامہربانِ شما'' اور ''پسرِ خوبروئے حاکم'' اور ''بندہ چابک ایشاں'' اور دیدۂ گریان من''۔

اس کے سوا یہ کہ موصوف یا مضاف لفظ عربی ہو اور صفت یا مضاف الیہ لفظ فارسی ہو یا

موصوف اور مضاف فارسی اور صفت اور مضاف الیہ عربی ہوں یہ چاروں ترکیبیں فارسی میں مستعمل ہیں جیسے برقِ تاباں اور شعلۂ آتش یا زبانِ ناطق اور آتشِ شوق بخلاف زبان اردو کے کہ اس میں ہندی لفظ کو فارسی یا عربی لفظ کے ساتھ ترکیب دینا جائز نہیں۔ موصوف کے آخر کا کسرہ گرانا اگرچہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے لیکن بہت کم، جیسے:

بیچارہ خسرو خستہ را خوں ریختن فرمودہ است　　خلقے بمنت یک طرف آں شوخ تنہا یک طرف

اس بیت میں خسرو موصوف ہے اور خستہ صفت واقع ہوا ہے، اور خسرو کا واؤ ساکن ہے ورنہ وزن ٹوٹ جائے۔

موصوف کو گرا دینا اور صفت کو اس کی جگہ برتنا بھی جائز ہے۔ جیسے ع "ناز و نیاز کار ایاز است و غزنوی" یعنی محمود غزنوی اور: ع "ہر انگہ کہ چاچی بزہ در کشم" یعنی کمان چاچی۔ اور: ع "چوں ہندی زنم بر سرِ ژندہ پیل" یعنی تیغِ ہندی۔

فارسی میں موصوف واحد ہو یا جمع، صفت ہمیشہ واحد ہی لائی جائے گی، جیسے۔ "یارِ وفادار" اور "یارانِ وفادار"۔ اور "زنِ پارسا" اور "زنانِ پارسا" بخلاف عربی کے کہ وہاں مطابقت شرط ہے۔ جیسے "رجل کریم" اور "رجلان کریمان"۔

صفت کبھی مفرد ہوتی ہے، کبھی مرکب ناقص کبھی مرکب تام۔ مفرد جیسے مردِ دانا اور بازوئے توانا۔ اور مرکب ناقص جیسے بادشاہِ جہاں پرور اور شاہدِ آئینہ رو اور عاشقِ دل از دست دادہ۔ اور مرکب تام جیسے:

دل کہ بیمارِ وفا بود مبیں محزوں را

لیکن جب صفت مرکب تام ہو تو ضرور ہے کہ اس کے اول میں کاف بیانیہ لایا جائے، مگر اس حالت میں مضاف کا حرف آخر مکسور نہ کیا جائے گا، جیسا کہ مثال مذکور سے معلوم ہوا۔

ایک موصوف کی کئی صفتیں پے در پے لانی بھی جائز ہیں۔ ایسی صورت میں چاہیے کہ ہر صفت کا حرف آخر موصوف کی طرح مکسور کیا جائے۔ جیسے "مردِ کار آزمودۂ پختہ مغزِ بیدار دلِ نکتہ رس"۔ اور کہیں فکِ اضافت کے ساتھ بھی کئی صفتوں کی تکرار آئی ہے جیسے

مرا یاریست سنگیں دل، ستمگر، سست پیمانے

وصفِ ترکیبی:

جو صفت دو یا کئی اسموں سے بلا اضافت یا ایک اسم اور ایک فعل سے یا اسم اور حرف سے یا اسم اور فعل اور حرف سے مرکب ہو اس کو وصفِ ترکیبی کہتے ہیں۔ دو اسموں جیسے تبسم دہن اور آئینہ رخسار اور نیک منظر اور پست ہمت اور فراخ حوصلہ۔ اور کوئی اسموں سے جیسے عشوہ خونبہا اور نیک سرانجام۔ اور ایک اسم اور ایک فعل سے جیسے جہاندار اور جاں گداز اور زیرآلا اور پامال اور دست آموز۔ اور اسم اور حرف سے، جیسے بیکار اور بیچارہ اور بامروت اور باوفا اور دست بردل اور سردرگم۔ اور اسم اور فعل اور حرف سے، جیسے ''دل بوفا نہ'' اور ''دل از دست دہ'' اور ''از دوست برخویش منت گذار'' اور ''جان بجان آفریں سپار''۔

اس ترکیب کے بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔ اگرچہ مدار اس کا اہل زبان کی بول چال پر ہے لیکن جن لوگوں کی طبیعتیں سلیم ہیں اور زبان فارسی سے تھوڑا لگاؤ بھی رکھتے ہیں اُن کو ایسی ترکیبیں بنا لینی کچھ دشوار نہیں۔

بعضے کلمے ایسے بھی ہیں جو ہمیشہ دوسرے کلمے سے مل کر وصفیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ ازاں جملہ 'ور' جیسے شعلہ ور اور سخنور اور نکتہ ور اور ہنرور اور گنجور کہ اصل میں گنج ور تھا۔ ازاں جملہ 'مند' جیسے ارجمند اور ہنرمند اور دانشمند اور خردمند اور دردمند۔ ازا جملہ 'ناک' جیسے غمناک اور سہمناک اور دردناک اور فرحناک۔ ازاں جملہ: 'گین' جیسے غمگین اور خشمگین اور سہمگین۔ ازاں جملہ 'آگین' جیسے درد آگین اور خشم آگین۔ ازاں جملہ: 'گان' جیسے شایگان اور رایگان کہ اصل میں شاہگان اور راہگان تھے۔ ازاں جملہ 'ین' جیسے غمین۔ ازاں جملہ: 'وار' جیسے شاہوار اور کوشوار اور جامہ وار۔ ازاں جملہ 'بان' جیسے پاسبان اور مہربان اور شتربان اور فیلبان۔ ازاں جملہ 'دار' جیسے تاجدار اور چوبدار اور تابدار۔ مگر یاد رہے کہ ان لفظوں کو جن کلموں کے ساتھ اہل زبان نے برتا ہے، انھی کے ساتھ برتنا چاہیے۔

ترکیبِ عددی:

چھوٹے عدد کو بڑے عدد کے ساتھ ملانے کا دستور فارسی میں یہ ہے کہ گیارہ سے لے کر انیس تک مرکباتِ سماعی ہیں۔ جیسے یازدہ اور دوازدہ اور سیزدہ اور چاردہ اور پانزدہ اور شانزدہ

اور ہفدہ اور ہژدہ اور نوزدہ۔ ان سے آگے بڑھ کر چھوٹے عدد کو معطوف اور بڑے عدد کو معطوف علیہ کرنا چاہیے۔ مثلاً بست و یک اور بست و دو اور صد و یک اور دو صد و یک اور دو صد و دو۔ اور ہزار و یک اور دو ہزار و یک اور یکصد و بست اور ہزار و یکصد۔ اور اگر کئی سو یا کئی ہزار یا کئی لاکھ بولنے ہوں تو یوں کہنا چاہیے کہ دو صد و سہ صد و چار صد، اور دو ہزار و سہ ہزار اور چار ہزار، اور دو لک و سہ لک اور چار لک۔ باقی کو اسی پر قیاس کر لو۔

تمیز:

جو نکرہ کسی مقدار کے بعد ذکر کیا جائے اور اس کے ابہام کو رفع کرے اس کو تمیز کہتے ہیں۔ مقدار کی کئی قسمیں ہیں، عدد، پیمانہ، وزن، پیمائش۔ عدد کے بعد جو تمیز لائی جاتی ہیں ان میں اضافت نہیں ہوتی۔ جیسے دہ مرد اور صد دینار اور ہزار درم۔ اور وزن کے بعد کبھی عدد کی طرح استعمال کی جاتی ہے اور کبھی لفظ 'از' کے ساتھ جیسے ''دومن گندم'' یا ''دومن از گندم'' اور ''دو منے از گندم'' اور پیمانہ کے بعد کبھی اضافت اور کبھی بلا اضافت اور کبھی لفظ 'از' کے ساتھ۔ جیسے: ع ''دو پیمانہ آب است و یک چمچہ دوغ'' اور: ع ''پیمانۂ مے بزر خریدم'' اور ''رطلے از مے'' اور ''مشتے از خاک''۔

فائدہ: بعضے جگہ دہائی یا سیکڑہ یا ہزار تمیز سے مل کر اپنے حقیقی معنوں پر دلالت نہیں کرتے، بلکہ محض کثرت پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسے ''چل ستون'' (جس عمارت میں بہت سے ستون ہوں) اور ''چلچراغ'' (سرو چراغاں) اور ''صد بار'' اور ''ہزار بار'' یعنی بسیار بار۔

بدل و مبدّل مِنہ:

ایک چیز کو ایسے دو لفظوں سے یاد کرنا کہ دوسرا لفظ ان میں سے واضح تر ہو۔ پہلے لفظ کو مبدّل مِنہ اور دوسرے لفظ کو بدل کہتے ہیں۔

فارسی میں مبدّل مِنہ اکثر تعظیم کے لیے آتا ہے، جیسے مرزا رشید اور شیخ عبدالقادر اور نواب آصف الدولہ اور شاہ قاسم انوار اور بابا فغانی اور مُلّا عرفی۔ مبدّل منہ کے آخر کو مضاف کی طرح کسرہ دینا خطا ہے۔ اور اگر کسی نے دیا ہے تو شاذ و نادر ہے اور وہ بھی بضرورت، مگر شاعر

کے نام کو اس کے تخلص کی طرف مضاف کرنا بہت شایع ہے۔ حالانکہ اس ترکیب کو بدل اور مبدّل منہ کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ جیسے حسین ثنائی اور نور الدین ظہوری اور ابو الفیض فیضی اور شمس الدین فقیر۔

صفت و موصوف اور بدل و مبدل منہ میں لفظی فرق تو یہی ہے کہ موصوف کا آخر مکسور ہوتا ہے اور مبدل منہ کا آخر اکثر ساکن ہوتا ہے۔ معنوی فرق یہ ہے کہ وہاں اصل غرض جزو اول یعنی موصوف سے متعلق ہوتی ہے؛ اور یہاں جزو ثانی یعنی بدل سے متعلق ہوتی ہے۔ دوسری صفت جو ہوتی ہے وہ موصوف کے اوصاف متعددہ میں سے ایک وصف کو کھول دیتی ہے۔ اور بدل خود مبدل منہ کی ذات کو کھولتا ہے۔

ترکیبِ ظرفی:

مظروف اور ظرف کو ملا کر ایک لفظ بنا لینا اس کا نام ترکیب ظرفی ہے، خواہ ظرف مکان ہو خواہ ظرفِ زمان۔ یہ ترکیب اکثر بطور اضافت مقلوب کے آتی ہے۔ جیسے میخانہ اور خمکدہ یعنی خانۂ مے اور کدۂ خم۔ اور اس کے لیے بعضے الفاظ تو ایسے ہیں جو دوسرے لفظ میں مل کر مطلق ظرفیت مکانی کا فائدہ دیتے ہیں۔ ازاں جملہ 'دان' جیسے گنجدان اور نمکدان اور سرمہ دان اور خاردان اور تابدان۔ ازاں جملہ 'خانہ' جیسے میخانہ اور بتخانہ اور دواخانہ اور قمار خانہ۔ ازاں جملہ 'کدہ' جیسے گلکدہ اور عشرتکدہ اور میکدہ اور خمکدہ اور سیلکدہ اور طربکدہ۔ ازاں جملہ 'وند' جیسے آوند یعنی پانی کا برتن کہ اس کی اصل آب وند تھی۔ ازاں جملہ 'گاہ' جیسے عشرتگاہ اور خوابگاہ اور تکیہ گاہ اور جایگاہ اور حوالہ گاہ۔

اور بعضے ایسے ہیں جو کثرتِ مظروف پر دلالت کرتے ہیں۔ ازاں جملہ 'ستان' جیسے گلستان اور سنبلستان اور انارستان اور ہندوستان اور ترکستان۔ ازاں جملہ 'سان' جیسے شارسان اور ہندسان۔ ازاجملہ 'کند' جیسے نارکند (انارستان) ازاں جملہ 'سار' اور 'ساران' جیسے کوہسار اور کوہساراں اور چشمہ سار اور چشمہ ساران اور شاخسار اور نمکسار۔ ازاں جملہ 'زار' جیسے گلزار اور چمن زار اور نسترن زار اور ہندوزار۔ ازاں جملہ 'بار' جیسے زنگبار اور ہندوبار اور جوئبار اور رودبار۔ ازاں

جملہ 'لاخ' جیسے سنگلاخ اور دیولاخ اور آتش لاخ۔ ازاں جملہ 'لان' جیسے نمک لان بمعنی نمکسار۔
لفظ گاہ جس طرح جگہ کے معنی دیتا ہے، اسی طرح وقت کے معنی بھی دیتا ہے، جیسے چاشتگاہ اور شامگاہ اور سحرگاہ اور صبحگاہ اور شبانگاہ۔ اور اس میں الف اور نون بھی بڑھا دیتے ہیں، جیسے شامگاهاں اور سحرگاہاں اور صبحگاہاں۔

پانچواں باب

مرکّبِ تام کے بیان میں

مرکب تام اُس مرکب کو کہتے ہیں جس میں کم سے کم دو کلمے ہوں۔ ایک مسند اور خواہ جملہ اسمیہ ہو خواہ جملہ فعلیہ۔

انشا اس کلام کو کہتے ہیں جس کو جھوٹا یا سچا نہ کہہ سکیں اور اس میں ہمیشہ کسی چیز کی طلب ہوتی ہے جیسے بیا اور میا اور کجا رفتی اور کاش بیائی۔

تنبیہ: جن لفظوں سے مرکب تام یعنی کلام بنتا ہے، اُن کی حقیقت اور ان کے حالات اوپر کے چار بابوں میں مفصل لکھے گئے۔

اب ہم چند جملے فارسی کے اور ہر ایک کے ساتھ اس کی ترکیب لکھتے ہیں تاکہ ان چاروں بابوں کا مطلب طالب علموں کے دل میں اچھی طرح تہ نشیں ہو جائے اور علم نحو کی صورت آنکھوں کے سامنے آ کھڑی ہو۔

ترکیبات

بیت:

مشو غرّہ بر حسنِ گفتارِ خویش ‏ ‏ بہ تحسین نادان و پندارِ خویش

ترکیب: 'مشو' فعل ناقص ہے اور اس میں جو ضمیر مستتر ہے یعنی 'تو' وہ اس کا اسم ہے۔ 'غرّہ' اس کی خبر ہے۔ حسن گفتار کی طرف اور گفتار خویش کی طرف مضاف ہیں۔ خویش گفتار کا مضاف الیہ، گفتار حسن کا مضاف الیہ۔ تینوں مضاف اور مضاف الیہ مل کر حرف 'بر' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'بر' اپنے مدخول سے مل کر فعل سے متعلق ہوا۔ تحسین مضاف، نادان مضاف

الیہ، دونوں مل کر معطوف علیہ ہوئے۔ پندار مضاف، خویش مضاف الیہ، دونوں مل کر معطوف ہوئے۔ معطوف علیہ معطوف سے مل کر بائے سببیہ کے نیچے داخل ہوئے۔ 'بے' اپنی مدخول سے مل کر اسی فعل سے جا کر متعلق ہوئی۔ فعل ناقص اسم اور خبر اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا کیونکہ اس میں مسند صیغۂ نہی واقع ہوا ہے اور نہی انشا کی قسم ہے۔

فقرہ: ''بادشاہ را بر خیانت کسی واقف مگرداں مگر آنکہ کہ بر قبول کلی واثق باشی''۔

ترکیب: واقف مگرداں فعل مرکب، ضمیر مستتر اس کا فاعل، بادشاہ مفعول بہ، 'را' علامت مفعول بہ، خیانت مضاف، کسی مضاف الیہ، دونوں مل کر حرف 'بر' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'بر' اپنے مدخول سے مل کر فعل سے متعلق ہوا۔ لفظ 'ہیچگاہ' جو اس جملے میں محذوف ہے، وہ مستثنیٰ منہ 'مگر' حرف استثنا 'آں' موصول، واثق باشی فعل مرکب، ضمیر مخاطب فاعل، قبول موصوف، کلی صفت۔ دونوں مل کر 'بر' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'بر' اپنے مدخول سے مل کر فعل سے متعلق ہوا۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا اور کاف سے مل کر موصول کا صلہ پڑا۔ موصول اپنے صلہ سے مل کر صفت ہوا۔ لفظ گہہ مخفف گاہ جو 'آں' سے ملا ہوا ہے، وہ موصوف ہے۔ سو وہ صفت سے مل کر مستثنیٰ ہوا اور مستثنیٰ منہ محذوف مستثنیٰ سے مل کر مفعول فیہ ہوا۔ فعل یعنی واقف مگرداں اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

مصرع:

کمالست در نفس انساں سخن

ترکیب: کمال موصوف، در نفس انساں صفت، دونوں مل کر خبر مقدم ہوئے۔ است حرف ربط، سخن مبتدائے موخر۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

مصرع:

تو خود را بہ گفتار ناقص مکن

ترکیب: ضمیر مخاطب یعنی 'تو' مبتدا۔ خود را مفعول بہ۔ ناقص مکن فعل مرکب، ضمیر مستتر اس کا فاعل، گفتار اس کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا اور مبتدا کی خبر پڑا۔ مبتدا خبر سے مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ بیت:

ہر کہ تحمل نکند در جواب بیشتر آید سخنش ناصواب

ترکیب : 'ہر' کے بعد لفظ 'آں' جو محذوف ہے، وہ موصول ہے۔ تحمل نکند فعل مرکب ضمیر غائب یعنی 'او' جو نکند میں مستتر ہے، وہ اس کا فاعل درجواب اس کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور کاف بیانیہ سے مل کر موصول کا صلہ ہوا۔ موصول اپنے صلے سے مل کر مبتدا ہوا۔ آید فعل ناقص، تخش مرکب اضافی اس کا اسم۔ ناصواب اس کی خبر، بیشتر مفعول فیہ۔ فعل ناقص اپنے اسم اور خبر اور مفعول فیہ سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور مبتدا کی خبر پڑا۔

بیت :

آواز خوش از کام و دہان و لب شیریں ‏ ‏ ‏ گر نغمہ کند ور نکند دل بفریبد

ترکیب : مرکب توصیفی یعنی آواز خوش موصوف، کام معطوف علیہ، دہاں ولب دونوں معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر موصوف ہوئے۔ شیریں ان کی صفت، یہ سب مل کر حرف 'از' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'گر' حرف شرط، نغمہ کند فعل۔ ضمیر غائب جو اس میں مستتر ہے، وہ اس کا فاعل۔ فعل اور فاعل معطوف علیہ۔ 'ور' حرف عطف اور حرف شرط۔ نکند فعل اور فاعل اور معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر شرط ہوا۔ دل مفعول بہ، فریبد فعل اور فاعل۔ یہ سارا جملہ مل کر جزا ہوا۔ شرط اور جزا مل کر جملۂ شرطیہ ہوا۔ مبتدا کی خبر ٹھہرا۔

نثر : عابدی را حکایت کنند کہ بشب دہ من بخوردی و تاسحر ختمی بکردی۔

ترکیب : عابدی مضاف الیہ، 'را' علامت اضافت، حکایت مضاف۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول بہ ہوا۔ کنند فعل، ضمیر غائب جو فعل کے ساتھ متصل ہے وہ فاعل۔ فعل اور فاعل اور مفعول بہ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ کاف بیانیہ، 'دہ' اسم عدد، من تمیز۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہوئے۔ بخوردی فعل، ضمیر مستتر اس کا فاعل، بشب اس کا متعلق۔ فعل اور فاعل اور مفعول بہ اور متعلق فعل مل کر جملۂ فعلیہ اور معطوف علیہ ہوا۔ واؤ حرف عطف، ختمی مفعول بہ، کردی فعل و فاعل۔ تاسحر فعل کا متعلق۔ یہ سب مل کر معطوف ہوا۔ دونوں جملے یعنی معطوف علیہ اور معطوف مل کر پہلے جملے کا بیان ہوا۔

نثر : پارسای بر یکی از خداوند نعمت گزر کرد کہ بندہ را دست و پای بستہ عقوبت ہمی کرد۔

ترکیب : پارسای مبتدا، گزر کرد فعل اور ضمیر غائب جو اس میں مستتر ہے وہ اس کا

فاعل۔ یکے موصوف، از خداوندان نعمت صفت، دونوں مل کر 'بر' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'بر' اپنے مدخول سے مل کر فعل سے متعلق ہوا، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ اور مبتدا کی خبر ہوا۔ کاف حالیہ، بندہ را ذوالحال، دست و پائے بستہ حال، دونوں مل کر مفعول بہ ہوئے۔ عقوبت ہمی کرد فعل و فاعل۔ یہ سب مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور کاف حالیہ کے نیچے داخل ہو کر یکی از خداوندان نعمت کا حال ٹھہرا۔ یہ سب مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

بیت:

خدائے خواست کہ بر عالمی بخشاید ترا بلطف و کرم بادشاہ عالم کرد

ترکیب: حرف 'چوں' جو اس بیت کے سرے پر محذوف ہے، وہ حرف شرط ہے۔ خدائے مبتدا، خواست فعل و فاعل، بخشاید بھی فعل و فاعل، بر عالمی بخشاید کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور کاف کے واسطے سے سارا جملہ خواست کا مفعول ہوا۔ خواست اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر مبتدا کی خبر ہوا۔ مبتدا اور خبر مل کر شرط ہوئی۔ 'ترا' مفعول اول، بادشاہ عالم مفعول ثانی، کرد فعل متعدی بدو مفعول، ضمیر مستتر فاعل، بلطف و کرم فعل کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا اور شرط کی جزا ٹھہرا۔ شرط اور جزا مل کر جملۂ شرطیہ ہوا۔

نثر: ہرگز ندی کہ توانی بدشمن مرساں کہ باشد وقتی دوست گردد۔

ترکیب: ہرگز ند موصوف، یائے مجہول موصول، کاف بیانیہ، توانی فعل و فاعل، ضمیر غائب محذوف جو گزند کی طرف پھرنی چاہیے 'وہ' مفعول بہ، فعل اور فاعل اور مفعول بہ کاف بیانیہ سے مل کر صلہ ہوا اور موصول صلے سے مل کر 'ہرگزند' کی صفت ہوا، موصوف اور صفت مل کر مفعول بہ مقدم ہوا۔ 'مرساں' فعل و فاعل، بدشمن فعل کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مقدم اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ کاف تعلیلیہ، باشد حرف تمنا، گردد فعل ناقص، ضمیر مستتر اس کا اسم، دوست اس کی خبر، وقتی مفعول فیہ۔ فعل اور اس کا اسم اور خبر اور مفعول فیہ حرف تمنا سے مل کر جملۂ انشائیہ ہوا اور کاف سے مل کر پہلے جملے کی علت ٹھہرا۔

بیت

سخن در نہاں نباید گفت کاں سخن برملا نشاید گفت

ترکیب : سخن موصوف ، یائے مجہول موصول، کاف بیانیہ، 'آں سخن' نائب فاعل مقدم، نشاید گفت فعل قائم مقام فعل مجہول، (بمعنی نگفتہ شود) برملا اس کا متعلق فعل۔ نائب فاعل اور متعلق فعل اور کاف بیانیہ سے مل کر صلہ ہوا۔ موصول صلے سے مل کر موصوف کی صفت ہوا۔ موصوف اور صفت مل کر مبتدا ہوئے۔ نباید گفت فعل قایم مقام فعل مجہول۔ ضمیر مستتر نائب فاعل۔ درنہاں متعلق فعل۔ فعل اور نائب فاعل اور متعلق فعل مل کر مبتدا کی خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا (اس کلام کی اصل یہ تھی کہ "سخنی کاں برملا نشاید گفت، درنہاں نباید گفت")۔

نثر : ازتنِ بیدل طاعت نیاید و پوست بے مغز بضاعت را نشاید۔

ترکیب : طاعت مبتدا، نیاید فعل و فاعل، ازتن بیدل فعل کا متعلق۔ فعل اور اس کا فاعل اور متعلق مل کر مبتدا کی خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور معطوف علیہ ہوا۔ واؤ حرف عطف، پوست بے مغز مبتدا، نشاید فعل و فاعل، بضاعت را فعل کا متعلق۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا کی خبر ہوا۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور معطوف ہوا۔

نثر : نہ ہر کہ بصورت نکوست سیرت زیبا دروست، کار اندرون دارد نہ پوست۔

ترکیب : نون نفی ایں چنیں نیست کا قائم مقام ہو کر خبر مقدم ہوا۔ ہر کہ اسم شرط اور مبتدا۔ بصورت تمیز، نکو اسم، دونوں مل کر خبر ہوئے، است حرف ربط۔ مبتدا اور خبر اور حرف ربط مل کر جملہ اسمیہ اور شرط ہوئے۔ سیرت زیبا مبتدا، دروست خبر۔ یہ دوسرا جملۂ اسمیہ جزا ہوا۔ شرط اور جزا مل کر ایں چنیں نیست کے مبتدا ٹھہرے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ اندروں معطوف علیہ، نون حرف عطف، پوست معطوف۔ دونوں مل کر مبتدا ہوئے۔ دارد فعل و فاعل، کار مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر خبر ہوا۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ مستانفہ ہوا۔

بیت :

سایہ پروردہ را چہ طاقت آں کہ رود با مبارزاں بقتال

ترکیب : سایہ پروردہ را خبر مقدم، چہ حرف استفہام، طاقت مضاف، آں موصول، کاف بیانیہ، رود فعل، ضمیر مستتر فاعل، با مبارزاں اور بقتال دونوں فعل کے متعلق۔ فعل اور فاعل اور متعلق مل کر صلہ ہوا۔ موصول اپنے صلے سے مل کر مضاف الیہ ہوا۔ دونوں مل کر مبتدائے موخر ہوا۔ مبتدا اور خبر مل کر صورت میں جملۂ انشائیہ اور حقیقت میں جملۂ خبریہ ہوا، کیونکہ استفہام انکاری قائم

مقامِ نفی کا ہوتا ہے۔

بیت:

سنگ در دست و مار بر سنگ خیرہ رائے بود قیاس درنگ

ترکیب: ہرگاہ اسم شرط محذوف، سنگ مبتدا، در دست متعلق فعل محذوف، یعنی باشد۔ فعل اور فاعل اور متعلق مل کر خبر ہوئی۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور معطوف علیہ ہوا۔ واوٗ حرف عطف، مار مبتدا، بر سر سنگ متعلق فعل محذوف یعنی باشد۔ فعل اور فاعل اور متعلق مل کر خبر ہوئی۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر شرط ہوئے۔ خیرہ رائے خبر مقدم، بود حرف ربط، قیاس معطوف علیہ، واوٗ حرف عطف، درنگ معطوف۔ دونوں مل کر مبتدائے موخر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور جزا ہوئے۔ شرط اور جزا مل کر جملۂ شرطیہ ہوا۔

بیت

شرطِ عقل است صبر تیر انداز کہ چو رفت از کماں نیاید باز

ترکیب: شرطِ عقل خبر مقدم، است حرف ربط، صبر تیرانداز مبتدائے موخر۔ دونوں مل کر جملۂ اسمیہ ہوئے۔ کاف تعلیلیہ، چو حرف شرط، رفت فعل و فاعل، از کماں متعلق فعل۔ فعل اور فاعل اور متعلق فعل مل کر جملۂ فعلیہ اور شرط ہوئے۔ باز نیاید فعل و فاعل اور جزا۔ شرط و جزا مل کر جملۂ شرطیہ اور جملۂ سابقہ کی علت ہوا۔

نثر درویشے بقناعت بہ از توانگری بہ بضاعت۔

ترکیب: درویشے موصوف بقناعت صفت، دونوں مل کر مبتدا ہوئے۔ بہ اسم تفضیل قائم مقام بہتر۔ از تفضیلیہ، توانگری موصوف، بہ بضاعت صفت۔ دونوں مل کر 'از' کے نیچے داخل ہوئے۔ 'از' اپنے مدخول سے مل کر متعلق اسم تفضیل کے ہوا۔ اسم تفضیل اپنے متعلق سے مل کر خبر ہوا۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

بیت:

بپرس ہرچہ ندانی کہ ذلِ پرسیدن دلیل راہ تو باشد بعزِ دانائی

ترکیب: بپرس فعل و فاعل، ہرچہ موصول، ندانی فعل و فاعل، آنرا ضمیر غائب محذوف

مفعول بہ، فعل اور فاعل اور مفعول مل کر صلہ ہوا۔ موصول صلے سے مل کر پرس کا مفعول ہوا۔ فعل اور فاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ کاف تعلیلیہ، ذلّ پرسیدن (پوچھنے کی ذلّت) مبتدا، دلیل راہ تو خبر، باشد حرف ربط، بعزّ دانائی (علم کی عزت) متعلق خبر۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور پہلے جملے کی علت ہوا۔

بیت:

پند است خطاب مہتراں آنگہ بند چوں پند دہند و نشنوی بند نہند

ترکیب: پند معطوف علیہ، آنگہ حرف عطف (جس کا ترجمہ عربی میں ثُمّ اور ہندی میں "پھر" ہے)۔ بند معطوف، معطوف علیہ اور معطوف مل کر خبر مقدم ہوئے۔ است حرف ربط، ،خطاب مہتراں مبتدائے موخر، مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ چوں حرف شرط، پند دہند فعل و فاعل، ترا ضمیر مخاطب محذوف مفعول، فعل اور فاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ اور معطوف علیہ ہوا۔ واؤ حرف عطف، نشنوی فعل و فاعل، آنرا ضمیر محذوف مفعول؛ فعل او رفاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ اور معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر شرط ہوئے۔ بند نہند فعل مرکب اور فاعل، ترا ضمیر محذوف مفعول۔ فعل او رفاعل او رمعفول مل کر جزا ہوئے۔ شرط اور جزا مل کر جملۂ شرطیہ مبیّنہ (جو جملہ پہلے جملے کو بیان کر دے) ہوا۔

بیت:

آنرا کہ بجائے تست ہردم کرمے عذرش بنہ ار کند بعمرے ستمے

ترکیب: آں موصول، را علامت اضافت، کاف بیانیہ، بجائے تست خبر مقدم، ہر دم ظرف متعلق مبتدا، کرمے مضاف، ضمیر محذوف یعنی او مضاف الیہ جس کی علامت لفظ 'را' ہے۔ مضاف اور مضاف الیہ اور ظرف مل کر مبتدائے موخر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل جر جملۂ اسمیہ اور موصول کا صلہ ہوا۔ موصول صلے سے مل کر مبتدا ہوا (اس کی اصل یہ تھی "آں کہ ہر دم کرم او بجائے تست") عذر بنہ فعل و فاعل، شین ضمیر مفعول، تینوں مل کر جملۂ فعلیہ او جزائے مقدم ہوئے۔ 'ار' حرف شرط کند فعل و فاعل، بعمرے متعلق فعل، ستمے مفعول۔ فعل او رفاعل اور متعلق فعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ اورشرط ہوئے۔ شرط و جزا مل کر جملۂ شرطیہ ہوا اور پہلا مصرع جو مبتدا ٹھہرایا گیا تھا، اس کی خبر بنا۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

بیت:

ماری تو کہ ہر کرا بہ بینی بزنی یا بوم کہ ہر کجا نشینی بکنی

ترکیب: ماری موصوف، کاف بیانیہ، ہر کہ اسم شرط اور مفعول بہ، را علامت مفعول، بہ بینی فعل و فاعل، تینوں مل کر جملہ فعلیہ اور شرط ہوئے۔ بزنی فعل اور فاعل، ضمیر محذوف یعنی او را مفعول، تینوں مل کر جملۂ فعلیہ اور جزا ہوئے۔ شرط و جزا مل کر موصوف کی صفت ہوئے۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف علیہ ہوا۔ 'یا' حرف عطف، بوم موصوف، کاف بیانیہ، ہر کجا اسم شرط اور مفعول فیہ، نشینی فعل و فاعل، فعل اور فاعل اور مفعول فیہ مل کر جملۂ فعلیہ اور شرط ہوئے۔ بکنی فعل و فاعل، ضمیر محذوف یعنی آنرا مفعول، تینوں مل کر جملہ فعلیہ اور جزا ہوئے۔ شرط و جزا مل کر صفت ہوئے۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر جز ہوئے۔ 'تو' ضمیر مخاطب مبتدا۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

بیت:

دو بامداد گر آید کسے بخدمت شاہ سوم ہر آئینہ دروے کند بلطف نگاہ

ترکیب: دو اسم مبہم، بامداد تمیز، دونوں مل کر مفعول فیہ ہوئے اگر حرف شرط، آید فعل، کسے فاعل، بخدمت شاہ متعلق فعل۔ فعل اور فاعل اور مفعول فیہ اور متعلق فعل مل کر جملۂ فعلیہ اور شرط ہوئے۔ سوم مفعول فیہ، ہر آئینہ کلمۂ تحقیق، کند فعل و فاعل، دروے اور بلطف دووں متعلق فعل۔ نگاہ مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ اور متعلق سے مل کر جملۂ فعلیہ اور جزا ہوئے۔ شرط و جزا مل کر جملۂ شرطیہ ہوا۔

بیت:

کس نیاموخت علم تیر از من کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

ترکیب: کس موصوف، کاف بیانیہ، مرا مفعول اول، عاقبت مفعول فیہ، نشانہ مفعول ثانی، نکرد فعل و فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعولوں سے مل کر جملۂ فعلیہ اور صفت ہوئے۔ موصوف اور صفت مل کر مبتدا ہوئے، نیاموخت فعل و فاعل، علم تیر مفعول بہ، از من متعلق فعل۔ فعل اور فاعل اور مفعول اور متعلق مل کر جملۂ فعلیہ اور خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

نثر: درویشے مجرد بگوشۂ صحرائے نشستہ بود۔ بادشاہے بروے بگذشت۔ درویش از

[illegible] فراغت ملک قناعت است بدو اسقات [illegible]۔

ترکیب: درویشے موصوف، مجرد صفت؛ دونوں مل کر مبتدا ہوئے۔ نشستہ بود فعل و فاعل، بگوشۂ صحرائے متعلق فعل۔ یہ سب مل کر جملۂ فعلیہ اور خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ بادشاہے مبتدا، بگذشت فعل و فاعل، بروے متعلق فعل؛ تینوں مل کر جملۂ فعلیہ اور خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ متانفہ ہوا۔ درویش مبتدا، ازانجا میں 'جا' موصوف اور آں موصول، کاف بیانیہ، فراغت ملک قناعت ترکیب اضافی قائم مقام مبتدا و خبر، است حرف رابط؛ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ اور موصول کا صلہ ہوا۔ موصول صلے سے مل کر صفت ہوا۔ موصوف صفت سے مل کر 'از' سبیہ کے نیچے، اخل ہوا۔ 'از' اپنے مدخول سے مل کر متعلق فعل ہوا۔ 'بدو' فعل کا دوسرا متعلق، التفات مفعول بہ، نکرد فعل و فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملۂ فعلیہ اور خبر ہوئے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملۂ اسمیہ متانفہ ہوا۔

نثر: گفت پشم بایستی کاشتن تا تلف نشدی۔

ترکیب: گفت فعل و فاعل، بایستی فعل، کاشتن مصدر متعدی، پشم کاشتن کا مفعول۔ مصدر اپنے مفعول سے مل کر بایستی کا فاعل ہوا۔ فعل اپنے فاعل سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ تا حرف تعلیل، نشدی فعل ناقص، ضمیر مستتر اس کا اسم، تلف خبر مقدم۔ فعل ناقص اسم اور خبر سے مل کر پہلے جملے کی علت ہوا۔ دونوں جملے مل کر گفت کا مفعول پڑے۔ گفت فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

خاتمہ

علمِ نحو کے سوالات میں

۱۔ بتاؤ علم نحو کے سیکھنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے اور اس علم میں کس کس چیز کی بحث کی جاتی ہے؟

۲۔ ع: ''اے متاع درد! در بازار جاں انداختہ''۔ بتاؤ اس مصرع میں منادیٰ کیا چیز

ہے۔

۳۔ ''بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد'' بتاؤ یہ بیت جملۂ اسمیہ ہے یا جملہ فعلیہ؟ اور ''کہ ز تقصیر خویش'' سے لے کر آخر بیت تک جو ایک جملہ ہے اس کو نحو کی اصطلاح میں کیا کہتے ہیں؟

۴۔ ع: ''خدارا ندانست و طاعت نکرد''۔ بتاؤ یہاں لفظ طاعت ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۵۔ ''بشکر اندرش مزید نعمت''۔ بتاؤ اس جملے میں مسند کیا ہے اور مسند الیہ کیا؟

۶۔ ع ''مایم نظارگان غمناک''۔ بتاؤ اس جملے میں مبتدا کیا ہے اور خبر اور حرف ربط کیا ہے؟

۷۔ ''اے کریمی کہ از خزانۂ غیب''، ''گبر و ترسا وظیفہ خورداری''۔ بتاؤ ''از خزانہ'' سے لے کر آخر بیت تک جو ایک جملہ ہے، یہ کون سے موصول کا صلہ پڑا ہے؟

۸۔ ع ''سری در عہد ما ساماں ندارد''۔ بتاؤ لفظ 'سری' میں یائے تحتانی مجہول ہے یا معروف اور یہاں کیا معنی دیتی ہے؟

۹۔ ع ''دوستاں منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم''۔ بتاؤ کنندم اور دادم میں ضمیر فاعل کون سا میم ہے؟ اور ضمیر مفعول کون سا میم؟

۱۰۔ ع ''نصیحت ہائے بے درداں شنیدن آرزو دارم''۔ بتاؤ یہاں مفعول بہ کون سا لفظ واقع ہوا ہے؟

۱۱۔ بتاؤ ''زیں خجالت چوں بروں آیم کہ دل در موج خون نو عروساں غمت را موکشاں انداختہ'' بتاؤ یہاں 'انداختہ' کا فاعل کون سا لفظ ہے؟ اور موکشاں ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۱۲۔ ع ''می رزدہم را برہمن کفری برغبت گفتہ شد'' بتاؤ یہاں لفظ کفری مسندالیہ کی کون سی قسم ہے؟

۱۳۔ ''سخن را بار خاطر بود کوہی''، ''نبودش صاجبی صاحب شکوہی''۔ بتاؤ اس بیت میں فعل ناقص 'بود' ہے یا 'نبود' یا دونوں ناقص ہیں یا دونوں تام؟

۱۴۔ ع ''دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا'' بتاؤ یہاں 'دردا' میں کون سا الف ہے اور

راز پنہاں میں کون سی اضافت اور 'آشکارا' ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۱۵۔ ع ''مرا باریست سنگین دل ستمگر سست پیمانی''۔ بتاؤ یہاں لفظ 'مرا' میں 'را' اضافت کا فائدہ دیتا ہے یا مفعولیت کا اور 'سست پیمانی' میں یائے تحتانی کچھ معنی دیتی ہے یا نہیں؟

۱۶۔ ''ابرو باد ومہ وخورشید و فلک درکاراند''، ''تا تونی بکف آری و بغفلت نخوری''۔ بتاؤ یہاں مسند کیا ہے اور مسند الیہ کیا؟ اور حرف 'تا' کیا معنی دیتا ہے؟

۱۷۔ ع ''اے شب بمرگ من کہ تو فردای کیستی؟'' بتاؤ یہاں بمرگ میں بائے موحدہ کیا معنی دیتی ہے؟

۱۸۔ ع ''امروز دیگرم بفراق تو شام شد'' اور ع ''دریغا آبروے دیرگر غالب مسلماں شد''۔ بتاؤ ان دونوں مصرعوں میں کون سا 'شد' فعلِ تام ہے اور کون سا فعل ناقص؟

۱۹۔ ''ہمہ صورت از پیش و فرہنگ و رائے''، ''بنقاش صورت بود رہنمائے''۔ بتاؤ یہاں 'از' کیا معنی دیتا ہے اور بنقاش میں بائے موحدہ کیا معنی دیتی ہے؟

۲۰۔ ''نگویم از من بیدل بسہو کردی یاد''، ''کہ در حساب خرد نیست سہو در قلمت''۔ بتاؤ یہاں 'من بیدل' میں کون سی اضافت ہے اور 'از' کیا معنی دیتا ہے؟

۲۱۔ ''توازندہ تر زاں شد انصاف شاہ''، ''کہ رحمت برد خاصہ بر بیگناہ''۔ بتاؤ یہاں زائے معجمہ جواز کا مخفف ہے اگر سببیہ ٹھہرا جائے تو بیت کے کیا معنی ہوتے ہیں اور اگر تفضیلیہ گردانا جائے تو کیا معنی ہوتے ہیں؟

۲۲۔ ''اگرچہ لالۂ طور است روے روشن او''، ''چراغ صبح بود با بیاض گردن او''۔ بتاؤ اس بیت میں 'با' کس معنی پر آیا ہے؟

۲۳۔ ''آں پری چہرہ کہ مارانگراں میدارد''، ''چشم باما ونظر با دگراں میدارد''۔ بتاؤ اس بیت میں 'آں' اسم اشارہ ہے یا موصول یا ضمیر غائب۔ اور لفظ 'با' جو دوسرے مصرعے میں دو جگہ آیا ہے، کیا معنی دیتا ہے؟

۲۴۔ ''پری چہرہ با آں پری پیکراں''، ''شدند از پے گنج و گوہر گراں''۔ بتاؤ یہاں مبتدا صرف لفظ پری چہرہ ہے یا اس کے ساتھ کچھ اور بھی ہے؟ اور اگر نرا پری چہرہ مبتدا ہے تو صیغۂ جمع میں 'شدند' لفظ واحد کی خبر کیونکر پڑ سکتا ہے؟

۲۵۔ ''جان بیمارم با ستقبال آمد تا بلب''، ''قوتی از تو مگر با جان بیمار آمد است''۔ بتاؤ یہاں 'با ستقبال' کی 'بے' اور 'قوتی' کی 'یے' اور 'مگر' اور لفظ 'با' کس کس معنی پر آئے ہیں؟

۲۶۔ ''دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست''، ''تا نہ پنداری کہ تنہا میروی''۔ بتاؤ یہاں لفظ 'تا' کیا معنی دیتا ہے؟ اور 'دیدۂ سعدی' کا معطوف فقط لفظ دل ہے یا اس کے ساتھ کوئی کلمہ مقدر بھی ہے؟ اور 'تنہا' ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۲۷۔ بتاؤ فاعل و اسم فاعل میں اور مفعول اور اسم مفعول میں کیا فرق ہے؟

۲۸۔ بتاؤ اسم تفضیل کس کس طرح مستعمل ہوتا ہے؟

۲۹۔ ''مسکیں حسن میگویدت اے وقت عشاق تو خوش''، ''گر من از ایشان نیستم در کار ایشاں کن مرا''۔ بتاؤ 'مسکین حسن' میں کون سی ترکیب ہے؟ اور میگویدت میں تائے خطاب مسند الیہ ہے یا مسند؟ اور اگر نہ یہ ہے نہ وہ تو کیا ہے؟؟

۳۰۔ بتاؤ جس کلمے کے آخر میں ہائے مختفی ہو اس کو ضمیر متصل کی طرف کیونکر مضاف کریں گے؟

۳۱۔ بتاؤ مضاف کے حرفِ اخیر کا کسرہ دور کرنا مستحسن کہاں کہاں ہے؟ اور جائز کہاں اور ممتنع کہاں؟

۳۲۔ بتاؤ جب مضاف عام اور مضاف الیہ خاص ہو تو کون سی اضافت کہنی چاہیے؟

۳۳۔ بتاؤ ''باران تیغ'' میں کون سی اضافت ہے؟

۳۴۔ ''زہدت بچکار آید گر راندۂ درگاہی''، ''کفرت چہ زیاں دارد گر نیک سرانجامی''۔ بتاؤ زہدت اور کفرت میں تائے خطاب مضاف الیہ واقع ہوئی ہے یا مفعول بہ؟

۳۵۔ ''جلوہ در آئینہ ام پرتو رخسار تو داشت''، ''سینۂ آتشکدۂ حسن دل آرائے تو بود''۔ بتاؤ آتشکدہ کون سی ترکیب ہے؟ اور دل آرا کون سی ترکیب اور حسن دل آرا میں کون سی اضافت ہے؟

۳۶۔ ''حرف غم عشق از لب خنداں کہ جست است''، ''ایں شور قیامت ز نمکدان کہ جست است''۔ بتاؤ یہاں ''کہ جست است'' میں کاف کیا معنی دیتا ہے اور ''لب خنداں'' میں کون سی ترکیب ہے اور ''نمکدان'' میں کون سی ترکیب اور ''جست است'' کا فاعل کون ہے؟

۳۷۔ ''ہمتی بدرقہ اے پیر خرابات کہ باز برد''، ''از کعبہ ام آں زلف چلیپا

بلغشت''۔ بتاؤ ہمتی بدرقہ پورا جملہ ہے یانہیں اور پورا جملہ ہے تو اس میں مسند اور مسندالیہ کیا ہے اور کعبہ ام میں لفظ 'ام' مضاف الیہ ہے یا کچھ اور؟

۳۸۔ ''در طینتم از بسکہ رگ و ریشہ وفا داشت''، ''خاکم چہ بہاران وچہ دی مہرگیا داشت''۔ بتاؤ یہاں لفظ چہ کی تکرار کیا فائدہ دیتی ہے اور داشت کا فاعل کون ہے؟ اور مفعول بہ کون؟ اور 'مہرگیا' ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۳۹۔ ''اے یوسفِ مصر از تو گرفتار محبت''، ''عیسیٰ بتمنائے تو بیمار محبت''۔ بتاؤ یہاں منادیٰ کیا چیز ہے؟

۴۰۔ ''تاقدر جفائے تو ندانی کہ ندانیم''، ''ہر زخم لب شکر گزاری شدہ مارا''۔ بتاؤ یہاں لفظ 'تا' کیا معنی دیتا ہے؟ اور نادانی کا مفعول کیا ہے؟ اور ندانیم کا مفعول کیا؟

۴۱۔ ''سرت گردم نمی پرسی چہ شد دیوانہ داری''، ''نہ آخر اے چراغ وچشم من پروانہ داری''۔ بتاؤ یہاں دیوانہ اور پروانہ میں یائے مجہول کس معنی پر آئی ہے؟ اور 'سرت' ترکیب میں کیا پڑا ہے؟ اور 'نمی پرسی' کے کیا معنی کہنے چاہئیں تا کہ 'چہ شد' اس کا مفعول پڑ جائے۔

۴۲۔ ''اے از بت چیں ثبات بردہ''، ''صد نقب بہ سومنات بردہ''۔ بتاؤ یہاں 'بردہ' میں جو ضمیر مستتر ہے اس کا مرجع کون ہے اور ثبات ترکیب میں کیا پڑا ہے؟

۴۳۔ ''ہر مرغ کہ در زمانہ تست''، ''منقار پر از ترانہ تست''۔ بتاؤ یہاں ہر مرغ کی خبر جو دوسرا مصرع واقع ہوا ہے، ہم پوچھتے ہیں کہ خبر مفرد پڑی ہے یا جملہ اور اگر جملہ پڑی ہے تو کوئی لفظ محذوف ماننا پڑے گا یا نہیں؟ اور کسی صورت سے مفرد بھی پڑ سکتی ہے یا نہیں؟

۴۴۔ ''اے تازہ بہار نازنینی''، ''آتش زن بوستان چینی''۔ بتاؤ یہاں 'تازہ بہار نازنینی' میں کون سا لفظ موصوف ہے اور کون سا لفظ صفت؟ اور مضاف کیا ہے؟ اور مضاف الیہ کیا؟ اور 'نازنینی' میں یائے تحتانی کیا فائدہ دیتی ہے؟

۴۵۔ ''درویش بمن دعا نمی کرد''، ''امید پدر روا نمی کرد''۔ بتاؤ اس بیت میں 'امید پدر' ترکیب میں کیا پڑا ہے؟ اور 'روا' کیا لفظ ہے؟ اور 'نمی کرد' دونوں مصرعوں میں دو مفعولوں کو چاہتا ہے یا ایک کو؟

تیسرا حصہ

علمِ معانی کے بیان میں

مقدّمہ

علمِ معانی: وہ علم ہے جس سے کلامِ بلیغ بولنے کا ملکہ حاصل ہو۔

بلیغ: وہ کلام جس میں بلاغت پائی جائے یا وہ متکلم جس کے کلام میں بلاغت پائی جائے۔

بلاغت: وہ کلمہ یا وہ کلام جس میں فصاحت پائی جائے، یا وہ متکلم جس کے کلام میں فصاحت پائی جائے۔

فصاحت: تنافر اور غرابت اور مخالفت لغت سے کلمے کا پاک ہونا۔

تنافر: کلمے میں ایسے حرفوں کا جمع ہونا جو زبان سے بہ دشواری ادا ہوں اور جن کے تلفظ سے طبعِ سلیم نفرت کرے جیسے 'آ ژ غ' (مٹہ)۔

غرابت: اوپرا اور اجنبی ہونا کلمے کا، جیسے 'نیلوفل' بجائے نیلوفر۔

مخالفتِ لغت: کلمے کا ایسے معنی میں برتا جانا جو اہلِ لغت کی تصریح کے خلاف ہو، جیسے شُلستن بجائے گُسستن۔

فصاحتِ کلام: جملے کے کلموں کا فصیح ہونا اور جملے کا ضعفِ تالیف اور تنافرِ کلمات اور تعقید سے پاک ہونا۔

ضعفِ تالیف: ترکیبِ کلام کا سست اور اہلِ زبان کی بول چال کے خلاف ہونا۔

تنافرِ کلمات : کلموں کے ملنے سے زبان پر ثقل پیدا ہونا، جیسے : ع "بقربِ قبرِ غریباں گذر ئی چہ شود"۔ یہاں قرب اور قبر دونوں لفظ بجائے خود ثقیل نہیں ہیں، مگر دونوں کے ملانے سے ایک نوع کا ثقل پیدا ہو جاتا ہے

تعقید : کلام کا پیچدار یا فہم سے دور ہونا، جیسے :

تو نیکو روش باش تا بدسگال ﴿ بہ نقصِ تو گفتن نیابد مجال

یہاں دوسرے مصرع کی عبارت یوں چاہیے تھی: "بہ نقصِ تو مجال گفتن نیابد"۔ یا جیسے:

"اے زلف صبا بریدہ از دم"

اس مصرع میں گھوڑے کی طرف خطاب ہے اور مطلب شاعر کا یہ ہے کہ تو ہوا سے بھی زیادہ تیز رفتار ہے۔ حالانکہ یہ بات اس مصرع میں فہم سے بہت دور ہے۔

مقتضائے حال : جس بات کا موقع ہو۔

مطابقتِ مقتضائے حال : جیسا موقع دیکھنا ویسا کلام کرنا۔

اسناد : ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف نسبت کرنا۔

اخبار : جس کلام میں مطابق واقعہ ہونے کی لیاقت ہو۔

انشا : جس کلام میں مطابق واقعہ ہونے کی لیاقت نہ ہو۔

اسنادِ خبری : وہ اسناد جو جملۂ خبریہ میں پائی جائے۔

مسند الیہ : جس کی طرف کوئی چیز اسناد کی جائے۔

مسند : جو چیز کسی کی طرف اسناد کی جائے۔

متعلقاتِ فعل : مفعول بہ اور مفعول مطلق اور حال اور تمیز اور ظروف وغیرہ کو کہتے ہیں۔ اور ظروف سے مراد صرف ظروف زمان و مکان ہی نہیں، بلکہ جس اسم پر حرف 'د' اور 'بر' اور 'از' وغیرہ آئیں وہ بھی ظروف میں داخل ہیں۔

قصر : ایک چیز کو دوسری چیز میں حصر کر دینا۔

فصل : دو جملوں کے بیچ میں حرف عطف۔

وصل : دو جملوں کے بیچ میں حرف عطف لانا۔

ایجاز : تھوڑے سے لفظوں میں بہت سا مطلب ادا کرنا۔

مساوات: جتنا مطلب ہو اتنے ہی لفظ بولنے۔

اطناب: تھوڑا سا مطلب کسی فائدے کے لیے بہت سے لفظوں میں ادا کرنا۔

تنبیہ: چوں کہ اصولِ فارسی کی کتابوں میں علم معانی کے مسائل بہت کم بیان کیے گئے ہیں، اور اگر کسی نے کچھ لکھے ہیں تو ان سے علم معانی کی ماہیت اور علم معانی کے فائدے اور منفعتیں کچھ نہیں معلوم ہوسکتیں، اس لیے ہم مطلب سے پہلے چند سطریں اس علم کی حقیقت کے بیان میں لکھے دیتے ہیں۔

علمِ معانی وہ علم ہے جس سے ہر جگہ موقع دیکھ کر بات کرنے کی قدرت حاصل ہو۔ کیونکہ عالم یا عاقل یا ذہین آدمی سے کلام کرنے کا اور دستور ہے، اور جاہل یا احمق یا غبی سے گفتگو کرنے کا اور طریقہ۔ جہاں کہیں مخاطب کو خوش کرنا ہوتا ہے وہاں اور ہی طرح سے گفتگو کی جاتی ہے۔ جہاں سامع کو ملول کرنا ہوتا ہے، وہاں اور ہی ڈھنگ سے بات چیت کرتے ہیں۔ کہیں عالم کو جاہل بنانا منظور ہوتا ہے، کہیں احمق کو عاقل۔ کوئی مقام تفصیل چاہتا ہے، کوئی مقام اجمال۔ ایک مضمون تاکید سے ادا کرنا پڑتا ہے، ایک بدون تاکید کے۔ کہیں بے پوچھے جواب دینا پڑتا ہے، کہیں جان بوجھ کر انجان بننے کی ضرورت ہوتی ہے۔

غرض کہ آدمی کو نت نیا موقع اور نیا محل پیش آتا ہے۔ پس کوئی ایسا ضابطہ چاہیے جس سے انسان کو ہر جگہ موقع دیکھ کر بات کرنے کی قدرت حاصل ہو۔ سو وہ علم معانی ہے، اور اسی کو علمِ بلاغت کہتے ہیں۔ اگرچہ ہر موقع پر اس کے موافق کلام کرنے کا بڑا ضابطہ اور عمدہ قاعدہ آدمی کا سلیقہ اور اس کی دانش مندی ہے، مگر علم معانی کے اصول جاننے سے بے شک اس میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہاں تک بلاغت کی حقیقت بیان کی گئی اور اس حصے میں بلاغت ہی کا ذکر کیا جائے گا۔

فصاحت، جو علم معانی کا ایک جزو ہے، سو اس کے بعض مراتب تو ایسے ہیں جن کو ذوقِ سلیم اور طبعِ مستقیم جانچ اور تول سکتے ہیں، جیسے تنافرِ کلمہ و کلام، اور بعضے لغت کی ممارست سے معلوم ہوتے ہیں جیسے مخالفت لغت۔ اور بعضے اہل زبان کے محاورات اور مخاطبات دیکھنے سے؛ جیسے غرابت اور ضعفِ تالیف۔ اور بعضے نحو سے متعلق ہیں، جیسے تعقید، اس لیے فصاحت کا بیان اس حصے میں کچھ ضرور نہیں۔

پہلا باب

اسنادِ خبری کے بیان میں

جب مخاطب کا ذہن مضمونِ خبر سے بالکل خالی ہو، وہاں خبر کو مؤکد کرنا کچھ ضرور نہیں۔ مثلاً ایک ناواقف آدمی کو زید کے مرنے کی خبر یوں دینی چاہیے کہ ''زید مُرد'' اور جس کو اس خبر میں تردّد ہو اس سے یوں کہنا چاہیے کہ ''بدرستی کہ زید بمرد'' یا ''در مُردن زید شک نیست'' کیونکہ اس کا تردد فی الجملہ تاکید چاہتا ہے۔ اور جب کوئی شخص اس خبر کے انکار میں اصرار کرے تو وہاں کہنا چاہیے کہ ''بجانِ شما یا بسرِ شما یا بخدا سوگند کہ زید بمرد''۔ کیونکہ اس کا انکار بہت تاکید چاہتا ہے۔

جب کوئی اہل علم کوئی بات اپنے علم کے خلاف کرے تو اس کو جاہل ٹھہرا کر اس بات کو جتانا عین بلاغت ہے۔ مثلاً عالمِ دروغ گو سے یوں کہنا کہ ''دروغ گفتن بدتریں اشیا است'' یا ''راستی موجب رضائے خدا است''۔

جب کوئی شخص کسی بات کے اشارے سے کچھ سمجھ کر اس کی تشریح کا منتظر ہو، اس کے آگے بات کو ایسے طور پر بیان کرنا جیسے سائل کو جواب دیتے ہیں، عین بلاغت ہے۔ مثلاً بادشاہ وزیر سے کہے کہ ''در بابِ فلانی حرفِ شفاعت بر زبان نیاری'' تو اس سے وزیر یہ سمجھے گا کہ دیکھیے اس کے واسطے کیا سزا تجویز ہو۔ اب بادشاہ کا وزیر کے بے پوچھے یہ کہنا کہ ''او بر دار کشیدہ خواہد شد'' عین بلاغت ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص ایک بات کا منکر نہ ہو مگر اس کی کسی وضع سے انکار مفہوم ہوتا ہو، اس کو منکر ٹھہرا کر کلام کو موکد کرنا اور جب کوئی شخص ایک بات کا منکر ہو، مگر اس

سے یہ توقع ہو کہ بہ ادنیٰ تأمل انکار پر قائم نہیں رہنے کا، اس کے آگے کلام کو مؤکد نہ کرنا عین بلاغت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسنادِ خبری سے یا تو مخاطب کو کسی بات سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے یا اپنی واقفیت جتانی منظور ہوتی ہے۔ پس جملہ مخاطبات میں ان دونوں باتوں پر لحاظ رکھنا چاہیے۔

دوسرا باب

مُسند الیہ کے بیان میں

مُسند الیہ کا حذف کرنا بلاغت میں داخل ہے، جہاں قرینہ موجود ہو۔ جیسے کوئی پوچھے کہ ''زید چون است؟'' وہاں صرف ''بیمار است'' کہنا کافی ہے۔ ''زید بیمار است'' کہنا کچھ ضرور نہیں۔ یا جہاں مسند کے بولتے ہی مسند الیہ کا خیال فوراً سامع کے ذہن میں آ جائے، جیسے ''کارسازی است بندہ نواز''، یعنی خدائے تعالیٰ۔ یا جہاں مسند الیہ کی تعظیم منظور ہو، گویا اس کا نام زبان پر لانا بے ادبی ہے۔ یا جہاں اس کی تحقیر منظور ہو، گویا وہ اس قابل نہیں کہ زبان اس کے نام سے آلودہ کی جائے۔ یا جہاں یہ بات منظور ہو کہ اگر کوئی اعتراض کرے گا تو کسی اور کو مسند الیہ ٹھہرا دیں گے۔ جیسے کسی موقع پر زید کا ذکر ہو، وہاں صرف یہ کہنا کہ ''کجباز و حیلہ ساز است'' کیونکہ اگر اس بات سے کوئی زید کا دوست برا مانے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو عمرو کو کہا ہے۔ یا جہاں بسببِ قلق و اضطراب کے یا بسببِ قلتِ فرصت کے یا بخوفِ ملالِ سامع کے مجالِ بیاں تنگ ہو۔ یا جہاں سامع کے سوا اوروں سے چھپانا منظور ہو۔

اسی طرح مسند الیہ کا ذکر کرنا بھی بلاغت میں داخل ہے جہاں کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ یا جہاں سامع غبی یا جاہل ہو۔ یا جہاں مخاطب کو اچھی طرح سمجھانا منظور ہو۔ یا جہاں مسند الیہ کی تعظیم منظور ہو۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''امروز محسن و مربی ما دریںجا قدم رنجہ فرمودہ بودند''۔ یا جہاں اس کی اہانت کرنی منظور ہو۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''امروز حاکم شوم از شہر بدر رفت''۔ یا جہاں کسی چیز کا ذکر کرنا اور بار بار نام لینا مرغوبِ طبع ہو۔

اسی طرح جہاں مقام کا مقتضی یہ ہو کہ مسند الیہ متعین ہو جائے، وہاں معرفہ لانا چاہیے

اور جہاں موقع یہ چاہتا ہو کہ مسند الیہ مبہم رہے، وہاں نکرہ لانا چاہیے۔ مثلاً ایک شخص کی چند صفتیں نیک بیان کر کے یوں کہنا کہ ''این است سزاوارِ ستائش''۔ یا جہاں یہ جتانا منظور ہو کہ میں بھی غلام رکھتا ہوں، وہاں یہ کہنا کہ ''غلام من حاضر است''۔ پہلی مثال میں معرفہ اسم اشارہ یعنی لفظ 'این' ہے اور دوسری میں نکرہ یعنی غلام، بسبب اضافت ضمیر متکلم کے معرفہ ہوگیا ہے۔ یا جہاں مسند الیہ کی کثرت کا اظہار یا اس کی تحقیر یا تعظیم منظور ہو، وہاں نکرہ لانا چاہیے، جیسے ''بگلشنے منم طائران آزاداند'' یعنی بسیار طائران آزاد اند۔ اور جیسے ''پہلوانے در شہر رسیدہ است''۔ یعنی پہلوان عظیم۔ اور جیسے ''دہقانے بجنگ سلطان برخاستہ است''۔ یعنی دہقانے ذلیل۔

اسی طرح جیسا موقع ہو ویسا برتاؤ کرنا چاہیے۔

تیسرا باب

مُسند کے بیان میں

مُسند کے حذف کرنے اور ذکر کرنے کے بھی اکثر وہی مقامات ہیں جو مسند الیہ میں ذکر کیے گئے۔ جہاں مسند کو چھپانا منظور ہو وہاں حذف کرنا عین بلاغت ہے جیسے، رباعی:

خواہم شبکے چنانکہ تو دانی و من بزمے کہ در آں بزم تو وامانی و من
من بر سرِ بسترت بخوابانم و تو آں نرگس مست را بخوابانی و من

یہاں چوتھے مصرع میں 'من' کا مسند ایسا لفظ ہے کہ ہم کو بھی اس کے بیان کرنے سے حجاب آتا ہے۔

مسند فعل وہاں پڑتا ہے جہاں اسناد کا زمانہ بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کوئی زید کو پکارے اور اس کے جواب میں یوں کہیں کہ ''زید نماز می گذارد'' کیونکہ یہاں اس بات کا جتانا منظور ہے کہ یہ وقت زید کے نماز پڑھنے کا ہے، اس وقت وہ جواب نہیں دے سکتا۔ اور اگر یوں کہیں گے کہ زید نمازی است تو یہ غرض فوت ہو جائے گی۔

مسند اسم وہاں پڑتا ہے جہاں اسناد کا دوام ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً جب زید کا مقیّد نماز ہونا بیان کریں تو کہنا چاہیے کہ ''زید نمازی است''۔ اور اگر یوں کہیں گے کہ ''زید نماز میگذارد'' یا ''زید نماز گذاردہ است'' تو یہ مطلب حاصل نہ ہوگا۔

مسند کو کسی قید کے ساتھ مقیّد وہاں کرتے ہیں جہاں مخاطب کو مضمون خبر سے اچھی طرح آگاہ کرنا منظور ہوتا ہے، مثلاً ''زید آمد و بر اسپ سوار بود'' یا ''کشت زید مر عمرو را کشتنِ بیدردان'' یا ''امروز در بازار زید با عمرو در آویخت''۔ پہلی مثال میں قید جملۂ حالیہ ہے اور دوسری میں مفعولِ

مطلق اور تیسری میں مفعول فیہ۔ اسی طرح مسند کو کسی قید کے ساتھ مقید نہیں کرتے۔ جہاں وقت تنگ ہو یا یہ احتیاط ہو کہ سامع کے سوا کوئی اور نہ سمجھ جائے، یا مخاطب سے کچھ پردہ رکھنا منظور ہو یا قید لگانے پر کوئی عمدہ فائدہ مرتب نہ ہو۔

مسند ظرف وہاں پڑتا ہے جہاں اختصار منظور ہو۔ جیسے ''زید در خانہ است'' یعنی زید درخانہ موجود است۔

چوتھا باب

فعل کے متعلقات کے بیان میں

جہاں اصل مقصود فعل کو فاعل کی طرف نسبت کرنا ہو اور اس سے کچھ غرض نہ ہو کہ فعل کس پر واقع ہوا تو مفعول کو حذف کریں گے، یہاں تک کہ مقدر بھی نہ مانیں گے، اور فعل کو لازمی سمجھیں گے۔ جیسے:

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہلِ مرکب ابد الدہر بماند

یہاں اصل مقصود یہ ہے کہ دانستن کی اسناد فعل کی طرف ہو جائے اور اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہ کیا جانے اور کس کو جانے اس لیے صرف فاعل پر اکتفا کیا گیا اور 'نداند' اور 'بداند' کے معنی متصف نبود بعلم اور متصف بود بعلم سمجھ لیے۔

اگر مفعول سے یہی قصد متعلق ہے اور قرینہ موجود ہے تو بھی اس کو حذف کریں گے مگر مقدر مانیں گے۔ جیسے ''اگر خواہد ہدایت کند شمارا''۔ یعنی ''اگر خواہد ہدایت شما ہدایت کند شمارا''۔

جہاں مفعول کی تعیم جتانی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے: ع

زمیں ناورد تا نکوئی بیار

یعنی ہیچ نیاورد۔

مفعول کا فعل پر مقدم کرنا کبھی حصر کا فائدہ دیتا ہے، جیسے:

مر او را رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

اور کبھی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے، جیسے ''مارا دشنام دادہ'' یعنی ہم سے لوگوں کو۔ اور کبھی وہاں مقدم کیا جاتا ہے جہاں مخاطب کا تردد مفعول ہی کے ساتھ متعلق ہو۔ جیسے کسی کو یہ تردد ہو کہ قوم میں سے کون مارا گیا؟ اس سے یوں کہنا کہ ''زید را کشتہ ام''۔

ظرف کو فعل پر کبھی اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ فعل سے پہلے اس کا جتانا منظور ہوتا ہے۔ جیسے ''از راہِ دور آمدہ ام''۔ یا ''از مکہ آمدہ ام''۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ راہِ دور اور مکہ معظمہ سامع کے دل میں اول تہ نشیں ہو جائے۔

کبھی اظہار تعجب کے لیے مقدم کرتے ہیں، جیسے کسی پارسا سے کہیں کہ ''در میخانہ میروی!'' اور کبھی اس لیے کہ ظرف فعل کی علت پڑتا ہے؛ جیسے ''شاہ و گدا بعد مردن ہمہ خاک شوند''۔

حال کو فعل پر وہاں مقدم کرتے ہیں جہاں فعل سے پہلے اس کا جتانا منظور ہوتا ہے۔ جیسے ''روے ترش مکن کہ عذر خواہ آمدہ ام''۔ یہاں عذر خواہ کو آمدہ ام پر اس لیے مقدم کیا ہے کہ عذر خواہی کا مضمون مخاطب کے دل میں اول تہ نشیں ہو جائے۔

پانچواں باب

قصر کے بیان میں

ایک چیز کو دوسری چیز میں حصر کر دینا، اس کا نام اہلِ معانی کے نزدیک قصر ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: کسی موصوف کو ایک صفت میں حصر کرنا جیسے ''زید نیست مگر کاتب''۔ یا کسی صفت کو ایک موصوف میں حصر کرنا جیسے ''شاعر نیست مگر زید''۔ اور دونوں جملوں کے دو دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اگر قائل کا مقصود یہ ہے کہ زید میں کتابت کے سوا کوئی صفت نہیں پائی جاتی یا شاعر دنیا میں ایک زید ہی ہے، تو اس کو قصرِ حقیقی کہتے ہیں۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ زید کاتب ہے شاعر نہیں یا اس شہر میں شاعر زید ہی ہے، اور کوئی نہیں، تو اس کو قصرِ اضافی کہتے ہیں۔

پس قصرِ اضافی کا محل یہ ہے کہ مثلاً جب کوئی شخص زید کو کاتب بھی جانے اور شاعر بھی، اس سے یوں کہیں کہ ''نیست زید مگر کاتب''۔ یا کوئی شخص کسی شہر میں زید اور عمرو دونوں کو شاعر جانتا ہو، اس سے یوں کہیں کہ ''شاعر نیست مگر زید''۔

قصرِ حقیقی کا محل یہ ہے کہ مثلاً جب کوئی شخص آفرینش دنیا میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہو، اس سے یوں کہیں کہ ''نیست آفرینندۂ زمین و آسماں مگر خدا تعالیٰ۔''

قصر اکثر چار طریقوں سے کیا جاتا ہے: کبھی استثنا کے ساتھ، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے معلوم ہوا، اور کبھی عطف کے ساتھ جیسے ''زید شاعر نیست بل کاتب است''۔ یا ''زید کاتب است نہ شاعر''۔ (حرفِ 'بل' اور نونِ نفی یہاں عطف کا فائدہ دیتے ہیں)۔

کبھی پہلے لانا اس چیز کا جس کی شان سے یہ ہے کہ پیچھے آئے، یہ بھی قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے ''من سیّد ہستم'' کی جگہ ''سیّد منم'' کہنا۔ اس کے یہ معنی کہ سید میرے سوا کوئی نہیں۔

کبھی لفظ 'مر' کے ساتھ جیسے ''منّت مر خدائے را عزّ وجل''۔

چھٹا باب

انشا کے بیان میں

انشا کی بہت سی قسمیں ہیں۔ ازاں جملہ تمنّی یعنی جس کلام میں حرفِ تمنّا لایا جائے۔ اور استفہام یعنی جس کلام میں حرفِ استفہام لایا جائے۔ اور امر اور نہی اور ندا۔

تمنّی کے لیے یہ کچھ ضرور نہیں کہ امرِ مطلوب ممکن الحصول ہو، بلکہ بعض اوقات محض خواہشِ دل کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی بوڑھا یوں کہے کہ ''کاش جوانی باز گردد''۔ ظاہر ہے کہ اس جملے کا قائل یہ بھی ضرور جانتا ہوگا کہ جوانی پھرنے والی نہیں۔ یا کوئی شخص ایسے لوگوں کے سامنے جن سے اس کو شفاعت کی درخواست نہ ہو، یوں کہے کہ ''آیا کسے ہست کہ بشفاعت من برخیزد؟''

استفہام کی تین قسمیں ہیں: انکاری، تقریری، استخباری۔ سو ان قسموں کا بیان دوسرے حصے کے تیسرے باب میں کیا گیا۔

امر کو اکثر وہاں بولتے ہیں جہاں کسی پر کوئی کام لازم کرنا ہوتا ہے۔ جیسے بادشاہ کسی کی نسبت کہے کہ ''رانده شود از پیش ما'' یا ''برانند او را از پیشِ ما''۔ یا ''بخوانید فلانی را در حضورِ ما''۔ اور کہیں امر کا صیغہ تخییر (اختیار دینا) کے لیے بھی برتا جاتا ہے۔ جیسے ''خواہ اینجا باش خواہ آنجا''۔ اور کبھی تہدید کی جگہ بھی بولتے ہیں؛ جیسے کوئی اپنے غلام سے کہے ''آنچہ خواہی بکن من از حال تو غافل نیم''۔ اور کبھی اظہار مساوات کے لیے، جیسے کوئی بادشاہ کسی واجب التعزیر سے کہے کہ ''خاموش باش یا فریاد کن، چارہ نیست از سزائے تو''۔ اور کبھی دعا کے وقت، جیسے ''یارب بر حال من بخشائی''۔

نہی کو اکثر وہاں بولتے ہیں جہاں کسی کو کسی بات سے روکنا ہوتا ہے، جیسے ''ایں کار مکن''۔ اور ''دیگر روئے خودمنما''۔ اور ''بعد ازیں پیش ما میا''۔ اور کبھی محض تہدید کے لیے بھی بولتے ہیں جیسے کوئی اپنے غلامِ نافرمان سے کہے کہ ''تو و خدا کہ بفرمان من مباش''۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ تیری کیا مجال ہے کہ میری نافرمانی کرے۔

ندا اکثر پکارنے اور بلانے کی جگہ اور کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مستعمل ہوتی ہے۔ جیسے: ''اے خالق آسمان و انجم'' اور کہیں محض اظہار شوق و بے صبری کے لیے کسی کو منادی ٹھہرا لیتے ہیں۔ جیسے:

صبا ! بلطف بگو آں غزالِ رعنا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ ما را

اور کہیں جب کسی کو یاد کر کے روتے ہیں تو اس کو بھی منادی ٹھہرا لیتے ہیں۔ جیسے:

مہا تاجدارا ! گوا ! داورا !

کبھی خبر کو بھی انشا کی جگہ برتتے ہیں اور بھید اس میں یہ ہے کہ خبر میں کسی امر کے وقوع کی حکایت ہوتی ہے اور انشا میں کسی بات کی طلب ہوتی ہے۔ پس جہاں حرص طلب حد سے زیادہ ہو وہاں انشا کی جگہ خبر لانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ امر یہاں تک مرغوب و مطلوب ہے کہ اس کو بصیغۂ طلب بیان کرنا فال بد ہے۔ جیسے ''یارب! زید را فرزند ارزانی کنی''۔ یا ''پسر مرا علم و عمل روزی کنی''۔ یا ''ایں خطہ را از فتنہ و فساد نگاہداری''۔ دیکھو یہاں ارزاں کنی بجائے ارزاں کن اور روزی کنی بجائے روزی کن اور نگاہداری بجائے نگاہدار واقع ہوا ہے۔

جہاں کسی شے کی طلب میں تاکید اور مبالغہ کرنا ہو، وہاں انشا کی جگہ خبر لانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ امر ایسا ہونا چاہیے کہ اس کے واقع ہونے کی خبر دی جائے: مثلاً ''دیگر بخانۂ ما نیائی'' یا ''من می روم تو نیز از پس من بیائی''۔ یہاں نیائی بجائے میا اور بیائی بجائے بیا بولا گیا ہے۔ یا یہ اشارہ ہے کہ میں جو انشا کو بصیغۂ خبر بیان کرتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ میری خبر جھوٹی ہو جائے۔ مثلاً کوئی اپنے دوست سے یوں کہے کہ ''فردا بخانۂ من می آئی'' یا ''خواہی آمد''۔ یعنی ''فردا بخانۂ من بیا''۔

ساتواں باب

فصل و وصل کے بیان میں

دو جملوں کے بیچ میں حرفِ عطف لانے کو وصل کہتے ہیں اور دو جملوں کو بغیر حرف عطف کے لانا اس کا نام فصل ہے۔ جملے کا عطف جملے پر جب اچھا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں جملوں میں کسی طرح کی مناسبت ہو، جیسے : ع ''عمر برف است و آفتاب تموز'' یا ''زید گاہی براسپ سوار می شود گاہی پیادہ می رود''۔ پس اگر کوئی یوں کہے کہ ''زید گاہے براسپ سوار می شود و گاہے نان میخورد'' اس کو کلامِ بلیغ نہ کہیں گے۔

جب ایک جملے کو دوسرے جملے کے حکم میں شریک کرنا منظور ہو تو وصل کرنا چاہیے اور نہیں تو فصل کرنا چاہیے؛ جیسے نثر: ''یکے از شعرا پیشِ امیرِ دزداں رفت و ثنا گفت۔ امیرِ دزداں فرمود: تا جامہ ازتنش برکشند و از قریہ بدر کنند مسکینِ برہنہ بسر ما ہمی رفت''۔

دیکھو یہاں جملہ 'ثنا گفت' کو پہلے جملے پر معطوف کیا، کیونکہ اس کو اس کے حکم میں شریک کرنا منظور تھا۔ یعنی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں جملے 'یکی از شعرا' کی خبر پڑے ہیں۔ اور ''مسکین برہنہ بسر ما ہمی رفت'' اس جملے کو جملۂ سابق سے جدا کر دیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ جملہ پہلے دو جملوں کی طرح امیر دزداں کا مقولہ نہیں۔

جملۂ انشائیہ کو جملۂ خبریہ پر معطوف کرنا خلاف بلاغت ہے۔ مثلاً یوں بولنا کہ ''زید را پسرے رشید بود، کجا رفت آں پسر'' عین بلاغت ہے۔ کیونکہ پہلا جملہ خبریہ اور دوسرا جملہ انشائیہ ہے۔ کیونکہ اس میں استفہام واقع ہوا ہے۔ جہاں پہلے جملے سے مخاطب کچھ پوچھنے کا محتاج ہو اور دوسرا جملہ اس کے سوال مقدر کا جواب ہو، وہاں بھی فصل بہتر ہے، جیسے ''از حال من چہ می پرسی کہ

دردی جانگزا دارم در فراق پسر روز در بیقراری و شب در بیداری میگذرد'۔ دیکھو یہاں 'از حال' سے لے کر 'دادم' تک ایسا جملہ ہے کہ مخاطب اس کو سن کر درد جانگزا کی حقیقت پوچھنے کا محتاج ہوتا ہے، اور اس کے جو جملہ واقع ہوا ہے وہ اس کے سوالِ مقدر کا جواب ہے۔ پس یہاں وصل مناسب نہیں۔

آٹھواں باب

مساوات اور ایجاز و اطناب کے بیان میں

کسی مطلب کے ادا کرنے میں نہ کوئی لفظ بڑھانا نہ گھٹانا اس کا نام تو مساوات ہے اور لفظوں کو وہاں تک گھٹانا جہاں تک اصل مطلب فوت نہ ہو، اس کو ایجاز کہتے ہیں۔ اور لفظوں کو ادائے مطلب کی مقدار سے کسی فائدے کے لیے بڑھانا یہ اطناب ہے۔ کلام میں یہ تینوں اسلوب برتنے اچھے ہیں۔ ہاں اگر اختصار ایسا ہو جس سے مطلب فوت ہو جائے یا طول بے فائدہ ہو تو وہ البتہ بلاغت کے خلاف ہے اور ایسے اختصار کو اخلال اور ایسے طول کو تطویل کہتے ہیں۔

مثلاً ہم کو یہ مطلب ادا کرنا منظور ہے کہ ہم نے زید کو اکثر عمرو کے ساتھ کوچہ و بازار میں پھرتے دیکھا ہے۔ فارسی میں اس کو یوں بولنا کہ ''زید را بارہا دیدہ ایم کہ ہمراہ عمرو در کوچہ و بازار می گردد''، یہ تو مساوات ہے۔ اور یوں بولنا کہ ''زید را بارہا ہمراہ عمرو دیدہ ایم'' یہ ایجاز ہے۔ کیونکہ اس میں اصل مطلب فوت نہیں ہوا، اگرچہ کوچہ و بازار کا لفظ نہیں آیا۔ اور یوں بولنا کہ ''زید را بارہا بچشم خود دیدہ ایم کہ ہمراہ عمرو در کوچہ و بازار می گردد'' یہ اطناب ہے۔ کیونکہ اس میں بچشم خود کا لفظ مساوات کی عبارت سے زیادہ ہے مگر بے فائدہ نہیں۔ بلکہ تائید کے وقت ایسے لفظ بولنے ضرور ہیں۔ اور یوں بولنا کہ ''زید را ہمراہ عمرو دیدہ ایم''۔ یہ اخلال ہے کیونکہ یہ عبارت 'بارہا' کے لفظ کا فائدہ نہیں دیتی۔ اور یوں بولنا کہ ''زید را بارہا دیدہ ایم کہ ہمراہ عمرو در کوچہ و بازار از شہر می گردد''۔ یہ تطویل ہے، کیونکہ لفظ 'شہر' بڑھانے سے کچھ فائدہ نہ نکلا۔

تنبیہ:

ہم نے جو یہ چند ضابطے علم معانی کے لکھے ہیں اور اس کی بحث کو زیادہ نہیں بڑھایا اس کے دو سبب ہیں؛ ایک یہ کہ ہم کو یہاں صرف علم معانی کے اصول بیان کرنے منظور تھے، کیونکہ جب یہ معلوم ہو گئے، اب جس کو زبان فارسی اچھی طرح آتی ہوگی، وہ تقریر و تحریر میں اس علم کی رعایت ہر جگہ کر سکتا ہے، اگرچہ اس علم کے مسائل تفصیل کے ساتھ نہ جانتا ہو۔

دوسرے ہم کو آگے چل کر ایک ضروری بحث یعنی علم بیان اور علم بدیع کو شرح و بسط کے ساتھ لکھنا ہے، اور علم معانی کو ہم ان دونوں فنون کے برابر نہیں جانتے۔ پس اگر معانی کا بیان بھی تفصیل سے کیا جائے تو کتاب بلا ضرورت حدِ معیّن سے بڑھ جائے گی۔

خاتمہ

علمِ معانی کے سوالات میں

۱۔ بتاؤ علمِ معانی کی تعریف اور اس کے سیکھنے سے فائدہ کیا ہے؟

۲۔ بتاؤ، فصاحت اور بلاغت میں کیا فرق ہے؟

۳۔ بتاؤ تنافر اور غرابت اور ضعفِ تالیف اور تعقید کس کو کہتے ہیں؟

۴۔ بتاؤ کلام میں تاکید کے الفاظ کس محل پر لانے چاہئیں؟

۵۔ بتاؤ بے پوچھے کس بات کے جواب دینے کا کون سا محل ہے؟

۶۔ ''فلک بیں چہ ظلم آشکارا کند''، ''کہ اسکندر آہنگ دارا کند''۔ بتاؤ یہاں دوسرے مصرع میں مسند الیہ کی تقدیم نے کیا فائدہ دیا؟

۷۔ بتاؤ مسند الیہ کو کہاں کہاں حذف کرنا چاہیے؟

۸۔ ع: ''یاری آید و من فکر نثاری دارم''۔ بتاؤ یہاں لفظ 'یار' جو مسند الیہ واقع ہوا ہے،

اس کے ذکر کا کیا موقع تھا؟

۹۔ بتاؤ مسند الیہ کو معرفہ کہاں لانا چاہیے اور نکرہ کہاں لانا چاہیے؟

۱۰۔ بتاؤ مسند فعل کہاں لانا چاہیے اور اسم کہاں لانا چاہیے اور ظرف کہاں لانا چاہیے؟

۱۱۔ بتاؤ مفعول بہ کے حذف کرنے میں کیا کیا فائدے ہیں؟

۱۲۔ بتاؤ مفعول کا فعل سے پہلے لانا کیا فائدہ دیتا ہے؟

۱۳۔ بتاؤ ظرف کو کہاں کہاں فعل سے پہلے لانا چاہیے؟

۱۴۔ بتاؤ حال کی تقدیم کا کون سا محل ہے؟

۱۵۔ بتاؤ قصرِ حقیقی اور قصرِ اضافی میں کیا فرق ہے؟

۱۶۔ بتاؤ امر اخبار کی قسم ہے یا انشا کی؟

۱۷۔ بتاؤ امر محال کے تمنا کرنے سے کیا مقصود ہوتا ہے؟

۱۸۔ بتاؤ ندا کے استعمال کے کون کون سے محل ہیں؟

۱۹۔ ع: ''مال تخم است و بہر شورہ منہ''۔ بتاؤ اس مصرع میں فصل ہے یا وصل اور محل فصل کا ہے یا وصل کا؟

۲۰۔ ''و رندانی کہ در نہانش چیست''، ''محتسب را درون خانہ چہ کار''۔ یہاں پہلے مصرع کے بعد اتنی عبارت محذوف ہے کہ ''تجسس عبش مکن زیرا کہ''۔ بتاؤ یہاں ایجاز ہے یا مساوات ہے یا اطناب؟

۲۱۔ ''ندارد عاشق آں طالع ندارد''، ''کہ یکدم بر مراد دل بر آرد''۔ بتاؤ یہاں لفظ 'ندارد' کی تکرار اطناب میں داخل ہے یا تطویل میں؟

چوتھا حصہ

علمِ بیان میں

مقدّمہ

علم بیان: وہ علم ہے جس سے ایک مطلب کو کئی طرح سے ادا کرنے کے طریقے معلوم ہوں۔

تشبیہ: ایک چیز کو کسی بات میں دوسری چیز کے مثل ٹھہرانا۔

مشبّہ: وہ چیز جس کو دوسری چیز کے مثل ٹھہرائیں۔

مشبّہ بہ: دوسری چیز جس کے مثل کسی چیز کو ٹھہرائیں۔

وجہِ شبہ: وہ بات جس میں ایک چیز دوسری چیز کے مثل ٹھہرائی جائے۔

غرض تشبیہ: وہ امر جس کے لیے ایک چیز دوسری چیز کے مثل ٹھہرائی گئی۔

اداۃِ تشبیہ: وہ کلمہ جو تشبیہ پر دلالت کرے۔

مطلق: وہ کلمہ جس میں کوئی قید نہ لگی ہو اور اس کو غیر مقید بھی کہتے ہیں جیسے رخسار اور گل۔

مقید: وہ کلمہ جس کے ساتھ کوئی قید لگی ہو، جیسے رخسارِ زید اور گلِ تر یا گلِ رعنا۔

دلالت: ایک شے کے جاننے سے دوسری شے کا معلوم ہو جانا۔

دال: جس شے کے جاننے سے دوسری شے جانی جائے۔

مدلول: جو شے کسی شے کے جاننے سے معلوم ہو۔

دلالتِ لفظی: لفظ سے معنی کا مفہوم ہونا۔

وضع: لفظ کو کسی معنی پر دلالت کرنے کے لیے معیّن کرنا۔

موضوع: جو لفظ کسی معنی پر دلالت کرنے کے لیے معیّن کیا گیا ہو۔

موضوع لہ: جس معنی پر دلالت کرنے کے لیے کوئی لفظ معیّن کیا گیا ہو۔

حقیقت: جو لفظ اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال کیا جائے۔

مجاز: جو لفظ اپنے معنی موضوع لہ کے سوا کسی اور معنی میں استعمال کیا جائے جو مناسبت کہ حقیقت ومجاز میں پائی جائے۔

استعارہ: لفظ کو ایسے معنیِ مجازی میں استعمال کرنا کہ اس معنی میں اور معنیِ حقیقی میں علاقۂ تشبیہ پایا جائے۔

مستعار: وہ لفظ جس کو ایسے معنی میں استعمال کریں۔

مستعار لہ: معنی مجازی جس میں لفظ مستعار استعمال کیا گیا۔

مستعار منہ: معنی حقیقی جس کے لیے لفظ مستعار کو واضع نے وضع کیا۔

وجہِ جامع: وہ بات جس میں مستعار لہ کو مستعار منہ کے ساتھ مشابہت ہو۔

مجاز مرسل: جو لفظ ایسے معنیِ مجازی میں استعمال کیا جائے جس کو معنیِ حقیقی کے ساتھ علاقۂ تشبیہ کے سوا کوئی اور علاقہ ہو۔

تسمیہ: کسی چیز کو کسی نام سے بولنا۔

محل: ظرف کو کہتے ہیں۔

حال: مظروف کو کہتے ہیں۔

کنایہ: جس لفظ سے معنیِ موضوع لہ اور لازم معنیِ موضوع لہ دونوں مراد لے سکیں۔

تنبیہ: جو کہ اصول فارسی کی کتابوں میں علم بیان کے مسائل بہت کم لوگوں نے لکھے ہیں اور اگر کسی نے لکھے ہیں تو کچھ کچھ قواعد صرف ونحو کے ضمن میں لکھے ہیں، اس سبب سے اکثر

لوگ علم بیان کی ماہیت اور اس کے فائدوں سے ناواقف ہیں۔ سو ہم اصل مطلب سے پہلے علم بیان کی حقیقت اور اس کے فائدے بیان کیے دیتے ہیں۔

علمِ بیان:

وہ علم ہے جس کے ذریعے سے ایک مطلب کو نئے نئے رنگ اور نئے نئے اسلوب سے ادا کر سکیں، مگر سب اسلوب دلالت میں برابر نہ ہوں۔ بلکہ کوئی ان میں سے روشن اور واضح ہو اور کسی میں ایک ذرا پردہ بھی ہو، اور کسی میں بہت سے پردے ہوں۔ مثلاً زید کی مہمان نوازی اور آؤ بھگت کو یوں بھی بیان کر سکتے ہیں کہ ''زید بڑا مہمان دوست ہے'' اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ''زید کے ہاں رات دن چولھا گرم رہتا ہے''۔ اور یوں بھی بول سکتے ہیں کہ ''زید کے باورچی خانے میں راکھ کے انبار لگے ہوتے ہیں۔

دیکھو! ہم نے ایک مطلب یعنی زید کی مہمان پروری کو تین عبارتوں میں بیان کیا۔ مگر پہلی عبارت نہایت واضح اور روشن ہے، اور دوسری میں تھوڑا پردہ بھی ہے، اور تیسری میں اس سے بھی زیادہ خفا ہے، یعنی جب تک ذہن انسان یہ سب مرحلے طے نہ کرے گا کہ جس قدر مہمانداری زیادہ ہوتی ہے اسی قدر کھانا زیادہ پکتا ہے اور جس قدر کھانا زیادہ پکتا ہے اسی قدر ایندھن زیادہ جلتا ہے اور جس قدر ایندھن زیادہ جلتا ہے اسی قدر راکھ زیادہ اکٹھی ہوتی ہے، تب تک زید کا مہمان دوست ہونا ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا۔

یا مثلاً ہم کو یہ مطلب ادا کرنا منظور ہے کہ زید کے چہرے میں صاف سورج کی سی دمک ہے، سو اس مطلب کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ زید آفتاب رخسار ہے، اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زید رات کو برآمد ہوتا ہے تو ستارے چھپ جاتے ہیں اور یوں بھی بول سکتے ہیں کہ اگر رات کو سوتے میں زید کے چہرے سے نقاب ہٹ جائے تو عجب نہیں کہ مسافر راہ بھول جائیں۔

دیکھو ہم نے یہاں بھی ایک مطلب کو تین طرح سے ادا کیا، مگر تینوں اسلوب دلالت میں برابر نہیں؛ پہلی عبارت بہت صاف اور روشن ہے اور دوسری عبارت میں فی الجملہ اخفا ہے اور تیسری عبارت سے مطلب کی طرف ذہن انتقال نہیں کر سکتا جب تک پہلے یہ نہ سمجھ لے کہ سورج

کی تابش سے ستارے چھپ جاتے ہیں، اور رات کو ستاروں کا چھپ جانا مسافر کے راہ بھولنے کا سبب ہے۔

فائدے علمِ بیان کے:

فائدے علم بیان کے بہت سے ہیں، ازاں جملہ یہ کہ اہل بلاغت اس بات پر متفق ہیں کہ ہمیشہ کنایہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے۔ مثلاً ریختہ کا جو یہ شعر مشہور ہے کہ: بیت

آج بھی اس کے جو آنے کی نہ ٹھہرے گی تو پھر ہم
وہ کر بیٹھیں گے جو جی میں ہیں ٹھہرائے ہوئے

اس کے دوسرے مصرع کا مضمون کنائے میں ادا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس کی جگہ یوں کہا جائے کہ ہم زہر کھا کر مر رہیں گے یا تلوار سے سر کاٹ کر مر رہیں گے تو وہ بلاغت ہرگز نہ رہے گی جو شاعر کے بیان میں ہے۔ چنانچہ کنائے میں ہمیشہ صراحت سے زیادہ اختصار ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

ازاں جملہ بعض جگہ کنائے میں بات کرنی ادب یا حیا کا مقتضیٰ ہوتا ہے۔ مثلاً ریختہ میں کسی کا شعر ہے:

جاگے کسی کے طالعِ خفتہ اگر نہیں
کیوں چشمِ نیم باز تری مستِ خواب ہے

قائل کا مطلب صرف معشوق کو الزام دینا ہے؛ یعنی یہ کہ تو رات کو مقرر کسی غیر کے ساتھ ہم بستر ہوا ہے۔ مگر جو کہ صاف صاف کہنا آدابِ اہلِ ادب کے خلاف تھا اس لیے اس پیرائے میں بیان کیا۔

ازاں جملہ جہاں کوئی بات چھپانی ہوتی ہے اور قائل کو کسی مجمع میں کسی اپنے رازدار سے اس کے کہنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں بھی کنایہ برتنا ضرور پڑتا ہے۔ مثلاً ایک مجلس میں زید اور عمرو یہ ذکر کر رہے ہیں کہ پسر حاکم کے ہم محبت کیسے کیسے نستعلیق اور سنجیدہ آدمی ہیں، با ایں ہمہ اس کو حرکات ناشائستہ سے نہیں روکتے۔ یہ بات سن کر اہل مجلس میں سے ایک شخص بخوف پسر

حاکم اس خیال سے کہ زید اور عمرو کے سوا اور لوگ بات کی تہہ کو نہ پہنچیں، یوں کہے کہ مرد قابل کا آئینہ آدمی ہے، یعنی جو شخص کسی قابل ہوتا ہے وہ اچھوں کے پاس بیٹھ کر خود اپنے عیوب پر مطلع ہو جاتا ہے۔ پسرِ حاکم خود نا قابل ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں رہتا ہے اور اپنی برائیوں سے باز نہیں آتا۔

پہلا باب

تشبیہ کے بیان میں

اہلِ بلاغت کے نزدیک تشبیہ کے معنی یہ ہیں کہ دو چیزوں کا ایک معنی میں یکساں اور برابر ہونا بیان کریں۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''روئے زید چوں ماہِ چاردہ است''۔ اس جملے سے قائل کا مقصود یہ ہے کہ زید کا چہرہ اور چودھویں رات کا چاند روشنی میں برابر ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ وہ دو چیزیں جس طرح ایک معنی میں باہم شریک ہیں اسی طرح کسی اور اعتبار سے ان میں مغایرت بھی ہو، جیسے زید کا چہرہ اور چودھویں رات کا چاند کہ نفسِ فروغ اور روشنی کے اعتبار سے باہم شریک ہیں اور حقیقتیں دونوں کی جدا جدا ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ ان دونوں چیزوں میں سے ایک کو مشبّہ اور ایک کو مشبّہ بہ کہتے ہیں۔ اور وہ معنی جس میں ان دونوں کو مساوی ٹھہرایا جاتا ہے اس کا نام وجہ مشبہ ہے۔ اور جس غرض کے واسطے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے اس کو غرضِ تشبیہ کہتے ہیں۔ اور وہ کلمہ جو دونوں کی مساوات پر دلالت کرتا ہے اس کو اداۃ تشبیہ کہتے ہیں۔ مثلاً مثالِ مذکور میں روئے زید مشبّہ ہے اور ماہِ چاردہ مشبّہ بہ ہے۔ اور روشنی اور فروغ وجہِ شبہ ہے اور اظہارِ حسن و جمالِ زید غرضِ تشبیہ ہے اور کلمہ 'چوں' اداۃِ تشبیہ۔

مشبّہ اور مشبّہ بہ کا بیان:

اوپر کی تقریر سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ جس چیز کو تشبیہ دیتے ہیں اس کا نام مشبّہ ہے اور جس کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اس کا نام مشبّہ بہ ہے۔ اب یہ سمجھو کہ مشبّہ کو مشبّہ بہ کے ساتھ اعتبار کرنے سے چار قسمیں نکلتی ہیں۔

اول: یک یہ کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ دونوں محسوس ہوں۔ یعنی آنکھوں سے دیکھے جائیں یا کانوں سے سنے جائیں یا ناک سے سونگھے جائیں یا ذائقے سے چکھے جائیں یا ہاتھ سے چھوئے جائیں۔

پہلی مثال، بیت:

عذاری چو گل خاطر افروز دید فروزندہ چوں صبح نوروز دید

اس بیت میں رخسارِ معشوق کو اول گلاب کے پھول کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور پھر صبحِ نوروز کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشبّہ اور دونوں مشبّہ بہ محسوس بحس بصر ہیں۔

دوسری مثال، بیت:

گاہ چو حالِ عاشقاں صبح کند تلوّنی گہ چو حلی دلبراں مرغ کند نواگری

ترجمہ: کبھی عاشقوں کے حال کی طرح صبح نئے نئے رنگ بدلتی ہے، کبھی معشوقوں کے خلخال کی طرح مرغ نغمہ سنجی کرتا ہے۔

اس بیت کے دوسرے مصرع میں مرغ سحری کی آواز کو معشوقوں کی خلخال کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں محسوس بحسِ سمع ہیں۔

تیسری مثال، بیت:

ز انگشتم شمیمِ غنچۂ فردوس می آید نمی دانم سحر بند گریبانِ کہ وا کردم

اس بیت میں بوئے سر انگشت کو غنچۂ فردوس کی خوشبو سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں محسوس بحسِ شم ہیں۔

چوتھی مثال، بیت:

شرابے داشت ساقی دوش در جام کہ بردے لذّتِ تسنیم ازو کام

اس بیت میں شراب کے مزے کو تسنیمِ جنت (نہرِ جنت کا نام ہے) کے مزے سے تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں بحسِ ذوق ہیں۔

پانچویں مثال، بیت:

بر چوں پرند لیک دلش گونۂ پلاس من بر پلاس صبر کنم از پرند او

ترجمہ: بدن جیسے ریشم لیکن دل اس کا جیسے پلاس ہے۔ میں پلاس پر صبر کرتا ہوں اس کی

پرند کے بدلے۔

اس بیت میں معشوق کی گات کی نرمی کو پرند کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں محسوس بحس لمس (چھونا) ہیں۔

دوسری: یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں؛ یعنی دیکھنے سے یا سننے سے یا سونگھنے سے یا چکھنے نے یا چھونے سے ان کی کیفیت دریافت نہ ہو سکے۔ مثال، بیت:

مردگی جہل و زندگی دین ست — ہرچہ گفتند مغز آں این ست

اس بیت میں جہل و نادانی کو موت کے ساتھ اور دین کو زندگی کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ یہاں دونوں مشبہ اور دونوں مشبہ بہ ایسے ہیں جن کا ادراک بدون عقل کے ممکن نہیں۔

تیسری: یہ کہ مشبہ حسّی ہو اور مشبہ بہ عقلی ہو۔ مثال، بیت:

روئے چوں حاصلِ نکو کاراں — زلف چوں نامۂ گنہ گاراں

اس بیت میں روئے معشوق کو جزائے اعمال نیک کے ساتھ اور زلف کو گنہ گاروں کے نامۂ اعمال کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں مشبہ محسوس بحس بصر ہیں اور دونوں مشبہ بہ ایسے ہیں کہ حواس خمسہ ان کے ادراک سے عاجز ہیں۔

چوتھے: یہ کہ مشبہ عقلی اور مشبہ بہ حسّی ہو۔ مثال، بیت:

عمر پُلے است رخنہ سر حادثہ سیل پل شکن — کوش کہ نارسیدہ سیل از پُل رخنہ بگذری

ترجمہ: عمر ایک پُل ہے بوسیدہ اور حوادثِ روزگار پل کے توڑنے والی رو ہے۔ تو کوشش کرتا کہ رو کے پہنچنے سے پہلے بوسیدہ پل سے گزر جائے۔

اس بیت میں عمر کو پل شکستہ کے ساتھ اور حادثے کو سیلاب کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں مشبہ عمر اور حادثہ عقلی ہیں۔ یعنی حواس خمسہ سے محسوس نہیں ہو سکتے۔ اور دونوں مشبہ بہ یعنی پل اور سیلاب محسوس بحسِ بصر ہیں۔

وجہِ شبہ کا بیان:

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں ایک وجہ سے اشتراک اور ایک وجہ سے مغایرت ہونی ضرور ہے۔ پس وہ امر جو طرفین میں مشترک ہے اسی کو اہلِ بلاغت وجہِ شبہ کہتے

ہیں اور وہ امر کبھی حقیقت اور ذات ہوتی ہے۔ جیسے دو جسم کہ ایک ان میں سے سیاہ اور دوسرا سفید ہو، اور ایک کو دوسرے سے تشبیہ دیں۔ اور کبھی کوئی صفت ہوتی ہے، جیسے ایک رسی کو درازی میں کسی خط سے تشبیہ دیں۔ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں طرفین کی حقیقت واحد ہے کیونکہ دونوں جسم فرض کیے گئے ہیں، ہاں مگر صفت میں مغایرت ہے کہ ایک سیاہ اور دوسرا سفید فرض کیا گیا ہے۔ اور دوسری صورت میں دونوں کی حقیقتیں جدا جدا ہیں کیونکہ رسی جسم ہے اور خط کی حقیقت جسم کی حقیقت سے جدا ہے۔ ہاں مگر صفت یعنی نفس طول میں دونوں متحد ہیں۔

اب جاننا چاہیے کہ وجہِ شبہ کبھی واحد ہوتی ہے اور کبھی متعدد اور متعدد کبھی واحد کے حکم میں ہوتی ہے کبھی نہیں ہوتی۔ اور وجہِ شبہ واحد کبھی حسی ہوتی ہے کبھی عقلی۔

وجہِ شبہ واحد حسّی: وہ ہے جو آنکھ یا کان یا ناک یا زبان یا ہاتھ سے محسوس ہو۔ مثلاً رخسار کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ سرخیِ رنگ ہے، اور رنگ کی سرخی آنکھ سے محسوس ہوتی ہے۔ یا جانوران خوش لہجہ کی آواز کو خلخالِ پائے معشوق کی آواز سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ خوبیِ آواز ہے اور وہ کانوں سے محسوس ہوتی ہے۔ یا زلفِ معشوق کو عنبر اور مشک سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبیہ بوئے خوش ہے، اور وہ ناک سے محسوس ہوتی ہے۔ یا پانی کو شربت سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ حلاوت ہے، اور وہ زبان سے محسوس ہوتی ہے۔ یا جلدِ بدن کو اطلس اور حریر سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ نرمی اور صفائی ہے اور وہ ہاتھ سے محسوس ہوتی ہے۔

وجہِ شبہ واحد عقلی: اُس وجہِ شبہ کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ کے ادراک سے باہر ہو۔ مثلاً شجاع کو شیر سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ جرأت ہے اور جرأت کو حواس خمسہ ادراک نہیں کر سکتے۔ یا علم کو نور سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ ہدایت اور راہنمائی ہے اور اس کا ادراک بدون عقل کے نہیں ہو سکتا۔ یا خلقِ کریم کو عطر سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہِ شبہ استطابتِ نفس (پاکیزگی نفس) ہے اور وہ حواس خمسہ کے ادراک سے باہر ہے۔

وجہِ شبہ متعدد: جو بمنزلہ وجہِ شبہ واحد کے سمجھی جاتی ہے، اُس ہیأت مجموعی کا نام ہے جو کئی چیزوں کی ترکیب سے حاصل ہو اور اس کو وجہِ شبہ مرکب بھی کہتے ہیں اور وہ کبھی حسی ہوتی ہے کبھی عقلی۔

حسی کی مثال یہ ہے کہ آگ کی چنگاری کو مرغ کی آنکھ سے تشبیہ دیں، کیونکہ یہاں وجہ

شبہ وہ ہیأت ہے جو گولائی اور سرخی اور مقدار مخصوص کو ایک ساتھ لحاظ کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ یعنی مشبہ اور مشبہ بہ میں یہ تینوں چیزیں جدا جدا لحاظ نہیں کی گئیں بلکہ معاً تینوں چیزیں طرفین میں تصور کی گئی ہیں، اور جو کہ یہ ہیأت آنکھ سے محسوس ہوتی ہے اس لیے اس کو حسی کہتے ہیں۔ یا گھوڑے کو ہیکلِ آسمان سے تشبیہ دیں، کیونکہ یہاں وجہ شبہ وہ ہیأت مجموعی ہے جو عظمت اور جسامت اور سرعت سیر کو ایک ساتھ لحاظ کرنے سے حاصل ہوئی ہے۔ یعنی طرفین میں یہ تینوں چیزیں جدا جدا لحاظ نہیں کی گئیں بلکہ معاً ان کا تصور کیا گیا ہے۔ اور جو کہ یہ ہیأت آنکھ سے محسوس ہوسکتی ہیں اس لیے اس کو حسی کہتے ہیں۔ یا جیسے مصرع:

رخسار تو شیرے است بر آمیختہ با مُل

اس مصرع میں رخسارِ معشوق کو تشبیہ دی ہے اس دودھ سے جس میں شراب ملی ہو۔ سو یہاں وجہ شبہ وہ ہیأت مجموعی ہے جو سرخی اور سفیدی کے ملنے سے حاصل ہوئی ہے، اور وہ ہیأت محسوس بحس بصر ہے۔

عقلی کی مثال یہ ہے، بیت:

در جہانی و از جہاں بیشی ہمچو معنی کہ در بیاں باشد

اس بیت میں ممدوح کا جہاں میں پایا جانا اور پھر جہاں سے قدر و قیمت میں زیادہ ہونا تشبیہ دیا گیا ہے معانی کے ساتھ کہ لفظوں میں پائے جاتے ہیں اور لفظوں سے قدر و قیمت میں زیادہ ہوتے ہیں۔ پس یہاں وجہِ شبہ مظروف کا ظرف سے زیادہ ہونا ہے اور اس ہیأتِ مجموعی کا ادراک بدون عقل کے نہیں ہوسکتا۔

وجہِ شبہ متعدد، جو واحد کے حکم میں نہیں سمجھی جاتی اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ کئی چیزیں جدا جدا وجہ شبہ ٹھہرائی جائیں اور تشبیہ میں ہر چیز کے ساتھ جدا جدا قصد متعلق ہو۔ سو اس کی تین قسمیں ہیں؛ ایک یہ کہ سب چیزیں حسی ہوں، جیسے کاسہ و قدح شراب کو نور اور استدارت (گولائی) میں چاند اور سورج سے تشبیہ دیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں وجہ شبہ روشنی اور گولائی ہے اور وہ دونوں محسوس بحسِ بصر ہیں۔

دوسری یہ کہ سب چیزیں عقلی ہوں۔ مثلاً کسی جانور کو تیزی نظر اور کمال حذر (سہناک ہونا) اور اخفائے جماع میں کوّے سے تشبیہ دیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں تینوں چیزیں جو وجہ شبہ

ٹھہرائی گئی ہیں، حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں ہوسکتیں۔

تیسری یہ کہ بعض ان میں سے حسی ہوں اور بعض عقلی ہوں۔ مثلاً، بیت:

گہی خوردنِ مے چوں خونِ بدخواہ گہی تکیہ زدن بر مسند شاہ

اس بیت کے پہلے مصرع میں شراب کو خونِ بدخواہ سے تشبیہ دی ہے۔ یہاں وجہِ شبہ دو چیزیں ہیں؛ سرخیِ رنگ اور مرغوب ہونا۔ ظاہر ہے کہ پہلی ان میں سے حسی ہے اور دوسری عقلی۔

ضمیمہ:

ان سب قسموں کے سوا وجہِ شبہ کی ایک اور قسم بھی ہے؛ یعنی کبھی دو ضدوں کو ظرافت کی راہ سے تشبیہ دیتے ہیں اور نفسِ تضاد کو وجہِ شبہ ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً ہیز کو کہیں کہ شیر ہے یا بخیل کو کہیں کہ حاتم ہے۔ اور ان دو بیتوں میں بھی اسی طرح کی تشبیہ واقع ہوئی ہے۔ نظم:

دریں موسم کہ باغ از فرطِ نزہت بود خوانے پُر از الوانِ نعمت
کلیدِ در بدستِ باغبان است عجائب حاتمے سالارِ خوان است

دوسرے بیت میں باغبان کو حاتم کہنا ظرافت کی راہ سے ہے۔ مقصود اس سے باغبان کے بخل اور تنگ دلی کا اظہار ہے۔

غرضِ تشبیہ کا بیان:

غرضِ تشبیہ وہ امر ہے جس کے لیے تشبیہ دینے کی حاجت پڑی اور اس کو اکثر مشبہ کے ساتھ علاقہ ہوتا ہے، مشبہ بہ کے ساتھ نہیں ہوتا۔ اور اس کی چند صورتیں ہیں:

کہیں مشبہ کے ممکن ہونے کا بیان مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً کسی تعریف میں یوں کہیں کہ ''اگر تو فائق شوی بر خلق ممکن است زیرا کہ مشک پارۂ از خونِ آہو است و از جنسِ خون ممتاز است''۔ یہاں ممدوح کو مشک سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کا تمام خلق سے فائق ہونا مستبعد نہ رہے۔ اور یہ بیت بھی اسی قبیل سے ہے، بیت:

گر از خلق آمد و بر خلق شاہ است عجب مشمر گل ز جنسِ گیاہ است

کہیں صرف مشبہ کا حال بیان کرنا منظور ہوتا ہے۔ جیسے کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ سیاہی یا سفیدی میں تشبیہ دیں، مگر اس صورت میں شرط یہ ہے کہ مشبہ بہ کا حال نہایت ظاہر اور

روشن ہو۔ جیسے ابو الفرج کہتا ہے، بیت:

دل از وداع رفیقاں چو دیگ بر آتش تن از غریو عزیزان چو مرغ در مضراب

یہاں دل کو دیگِ گرم کے ساتھ اور بدن کو مرغ مضراب (بعضے مضراب کو جانور کی صورت بناتے ہیں اور اس کو مرغِ مضراب کہتے ہیں) کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ دل کا جلنا اور بدن کا قلق اور اضطراب سامع کے دل نشیں ہو جائے۔ کیونکہ دیگ کا آگ پر جلنا اور مرغ مضراب کی بیقراری ایسی کھلی بات ہے کہ ہر کوئی جانتا ہے۔

کہیں تشبیہ سے مقصود مقدارِ مشبہ کا بیان ہوتا ہے۔ جیسے انوری کہتا ہے، بیت:

حدیثِ سرین و میانش چو گویم کہ دید است کوہی معلق بکاہی

اس بیت میں سرینِ معشوق کو کوہ کے ساتھ اور اس کی کمر کو کاہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ مقصود اس سے صرف مقدارِ سرین و مقدارِ کمر کا بیان ہے۔

یا جیسے کمال اسماعیل کہتا ہے، بیت:

مانندِ پنبہ دانہ کہ در پنبہ تعبیہ است اجرام کوہ ہا است نہاں درمیان برف

اس بیت میں برف کو پنبہ سے اور پہاڑوں کو پنبہ دانہ سے تشبیہ دی ہے اور غرض اس سے کثرت برف کا بیان ہے؛ یعنی جیسے بنولے روئی میں چھپے ہوتے ہیں اسی طرح پہاڑ برف میں چھپ گئے ہیں۔

کہیں ایسا ہوتا ہے کہ حال مشبہ کا بسبب محسوس نہ ہونے کے ذہن میں نہیں آ سکتا۔ وہاں کسی محسوس چیز کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں تا کہ مشبہ کی تصویر آنکھوں میں پھر جائے۔ جیسے سعی بے فائدہ کو نقش روئے آب کے ساتھ تشبیہ دیں۔ یا جیسے حکیم عنصری کہتا ہے، بیت:

با سبکسار کس مکن صحبت تا نمانی حقیر و خوار و ذلیل
زاشتر و محملت فرو رفتی اے پسر چوں سبک بودت عدیل

یہاں اُس ذلت کو جو کہ سبکسار لوگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، تشبیہ دی ہے اونٹ پر سے گرنے کے ساتھ جبکہ عدیل (سواری کا شریک) بوجھ میں ہلکا ہو۔ چونکہ یہاں مشبہ محسوس نہ تھا اس لیے مخاطب کے دل نشیں کرنے کو ایک امر محسوس کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

کہیں تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مشبہ کی خوبی اور زینت سامع کے دل نشیں ہو جائے جیسے انوری کہتا ہے، بیت :

بہ بیں وقتِ سخن گفتن لب شیرین و داندانش
کہ گوئی دُرِّ عمان است در لعل بدخشانش

یہاں معشوق کے لب و دنداں کو دُر و لعل سے تشبیہ صرف اس غرض سے دی گئی ہے کہ مشبہ بہ کی خوبی اور زینت سامع کے دلنشیں ہو جائے۔

کہیں تشبیہ سے مشبہ کی مذمت اور برائی ظاہر کرنی مقصود ہوتی ہے جس کو سن کر مشبہ سے سامع کو نفرت ہو جائے۔ جیسے کلیم کہتا ہے، بیت :

اے ہمچو مگس طبع تو بر جملہ گراں
طاعون صفت از تو محترز پیر و جواں

زاں گونہ ثقیلی کہ زرفتن ماند
افتد اگر از تو سایہ بر آبِ رواں

ترجمہ: اے ایسے شخص کہ مکھی کی طرح تیری طبیعت سب پر بوجھل ہے۔ وبا کی طرح تجھ سے بچتے ہیں پیر و جواں۔ تو اتنا بوجھل ہے کہ چلنے سے رہ جائے اگر پڑ جائے تیرا سایہ پانی پر۔

کہیں تشبیہ سے اس امر کا اظہار مقصود ہوتا ہے کہ مشبہ ایک نرالی اور عجیب و غریب شے ہے۔ جیسے انوری کہتا ہے، بیت :

آتشِ سیّال دیدستی در آب منجمد
گر ندیدستی بخواہ از ساقیانش ساغری

اس بیت میں شراب کو آتشِ سیال (آگ بہتی ہوئی) سے اور شیشے کو آب منجمد سے تشبیہ دی ہے۔ غرض اس سے یہ ہے کہ شراب کی ندرت اور غرابت سامع کے ذہن نشین ہو جائے۔

یہاں تک ان قسموں کا بیان ہوا جن میں غرضِ تشبیہ مشبہ سے علاقہ رکھتی ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ کبھی کبھی غرضِ تشبیہ کو مشبہ بہ کے ساتھ بھی علاقہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جس چیز کو مشبہ ٹھہرانا چاہیے اس کو مشبہ بہ قرار دیں اور جو شے وجہ شبہ میں کامل العیار ہو اس کو مشبہ ٹھہرائیں، اور منظور اس بات کا جتانا ہو کہ مشبّہ بہ نفس الامر میں مشبّہ سے کامل تر ہے۔ بھید اس میں یہ ہے کہ مشبہ بہ ہمیشہ وجہ شبہ میں مشبہ سے اکمل اور اقویٰ ہوتا ہے۔ پس ضعیف کو قوی کی جگہ رکھنے سے صاف ظاہر ہے کہ قائل کو اس کی قوت جتانی منظور ہے، جیسے حکیم ازرقی کہتا ہے،

رباعی:

آتش بسنانِ دیو بندت ماند پیچیدنِ افعی بکمندت ماند
اندیشہ برفتنِ سمندت ماند خورشید بہمتِ بلندت ماند

یہاں ممدوح کے نیزے کو اور کمند کو اور گھوڑے کو اور ہمت کو مشبہ بہ ٹھہرایا ہے اور آگ کو اور سانپ کے بل کھانے کو اور خیال کو اور آفتاب کو مشبہ گردانا ہے۔ حالانکہ چاروں مشبہ بہ وجہِ شبہ میں چاروں مشبہ سے ناقص العیار ہیں۔ مقصود اس سے صرف اس قدر جتانا ہے کہ ممدوح کی چاروں چیزیں وجہِ شبہ میں ان چاروں چیزوں سے زیادہ کامل العیار ہیں۔ کیونکہ مشبہ بہ کی شان سے یہ ہے کہ مشبہ سے اکمل ہو۔ یا جیسے میر شمس الدین فقیر کہتے ہیں بیت:

گدا از بسکہ دیدہ قحط احسان ہلال عید را داند لب نان

یہاں لب ناں کو مشبہ بہ گردانا ہے حالانکہ لائق مشبہ بہ ہونے کے ہلال عید تھا، کیونکہ زمانے کے دولت مند کیسے ہیں بخیل اور ممسک ہوں، بحسبِ عادت لبِ ناں ہرگز ہلالِ عید کے برابر نادر اور عزیز الوجود نہیں ہو سکتا۔ مگر قائل کا مطلب جبھی تمام ہوتا ہے جب لبِ ناں مشبہ بہ ٹھہرایا جائے کیونکہ اس کو اس بات کا جتانا منظور ہے کہ لبِ ناں ہلال عید سے زیادہ نادر اور عزیز الوجود ہے۔

تنبیہ: تشبیہ میں شرط ہے کہ مشبہ بہ نفس الامر میں یا بحسب فرض مشبہ سے زیادہ قوی ہو اور جہاں کہیں ایسا نہ ہو، اہل بلاغت اس کو تشبیہ نہیں کہتے، بلکہ تشابہ کہتے ہیں۔ اور تشابہ میں مشبہ کو مشبہ بہ اور مشبہ بہ کو مشبہ ٹھہرانا جائز ہے، جیسے اس قطعے میں، قطعہ:

ہست پر مانا بچشم خوں فشاں در کفم از بادۂ احمر قدح
یا شراب است اینکہ میریزم ز چشم یا سرشک است اینکہ دارم در قدح

دیکھو یہاں ایک جگہ آنسو کو شراب کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور ایک جگہ شراب کو آنسو سے تشبیہ دی ہے۔

اقسامِ تشبیہ کا بیان:

تشبیہ کی بہت سی قسمیں ہیں؛ ایک یہ کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد غیر مقید ہوں جیسے

رخسار کو گل سے یا شجاع کو شیر سے یا علم کو نور سے تشبیہ دینی۔

دوسری یہ کہ دونوں مفرد مقید ہوں، جیسے سعی بیفائدہ کو نقش روئے آب سے تشبیہ دینی۔

تیسری یہ کہ ایک مفرد مقید ہو اور ایک غیر مقید، جیسے رخسار کو گل خنداں سے یا علم کو مہرِ منیر سے تشبیہ دیں۔ یا جیسے شاعر کہتا ہے، بیت:

شکلِ غنچہ است چو پیکاں کہ بود در آتش   برگِ بید است چو تیغی کہ بر آرد زنگار

یہاں غنچے کو مطلق پیکان سے تشبیہ نہیں دی، بلکہ اس کے ساتھ آگ میں ہونے کی قید بھی ملحوظ ہے، اور برگِ بید کو مطلق تلوار سے تشبیہ نہیں دی بلکہ اس کے ساتھ زنگ لگنے کی قید بھی معتبر ہے۔

چوتھی یہ کہ دونوں یعنی مشبہ اور مشبہ بہ مرکب ہوں، اور مرکب سے وہ ہی ہیأت مجموعی مراد ہے جس کا بیان وجہ شبہ میں گزرا۔ جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

دیدہ باشی عکس خورشید آتش انگیز از بلور   از بلوریں جام عکس مے ہماں انگیختہ

یہاں جام بلوریں میں شراب کی جھلکی سے جو ایک ہیأت حاصل ہوتی ہے اس کو مشبہ ٹھہرایا ہے اور بلور میں خورشید کی تابش سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کو مشبہ بہ قرار دیا ہے۔

پانچویں یہ کہ ایک مفرد ہو اور ایک مرکب، جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

بلبلہ چوں کبک خوں گرفتہ بمنقار   کز دہنش نالۂ حمام بر آید

ترجمہ: صراحیِ شراب کا یہ حال ہے کہ گویا چکور کی چونچ میں خون ہے اور اس کے منہ سے کبوتر کی سی آواز نکلتی ہے۔

اس بیت میں بلبلہ مشبہ ہے اور کبک مع اپنی صفات کے، جو بیت میں مذکور ہیں، مشبہ بہ ہے۔

چھٹی یہ کہ دونوں متعدد ہوں اور اس کی دو صورتیں ہیں: ایک ملفوف یعنی پہلے چند مشبہ ذکر کریں اور پھر اسی ترتیب سے مشبہ بہ لائے جائیں۔ مثال اس کی یہ ہے، بیت:

بافتہ زلف و شگفتہ رخ و زیبا قد او   مشک سارا و گل سوری و سرو چمن است

پہلے مصرع میں تین مشبہ یعنی زلف اور رخ اور قد ذکر کیے گئے۔ پھر دوسرے مصرع میں اول زلف کا مشبہ بہ یعنی مشک اور پھر رخ کا مشبہ بہ یعنی گل سوری اور پھر قد کا مشبہ بہ یعنی سرو ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے مفروق یعنی کئی مشبہ اور کئی مشبہ بہ ذکر کریں مگر ہر مشبہ کے ساتھ ہی اس کا مشبہ بہ بھی ذکر کیا جائے، جیسے کمال اسماعیل کہتا ہے، رباعی:

رویت دریائے حسن ، لعلت مرجاں　　زلفت عنبر ، صدف دہن ، دُر دنداں
ابرو کشتی و چینِ پیشانی موج　　گرداب بلا غبغب و چشمت طوفاں

ساتویں یہ کہ ایک واحد ہو اور ایک متعدد۔ جیسے مولوی جامی کہتے ہیں، بیت:

عارض است ایں یا قمر یا لالۂ حمراست ایں　　یا شعاعِ شمس یا آئینۂ دلہا است ایں

یہاں عارض مشبہ ہے اور قمر اور لالۂ سرخ اور شعاعِ خورشید اور آئینۂ دلہا سب مشبہ بہ ہیں۔

آٹھویں یہ کہ وجہِ شبہ کئی چیزوں سے نکالی گئی ہو اور اس قسم کی تشبیہ کو تمثیل کہتے ہیں۔ جیسے مولوی نظامی کہتے ہیں، نظم:

نظر کردم ز روئے تجربت ہست　　خوشی ہائے جہاں چوں خارشِ دست
کہ اول دست را خارش خوش افتد　　بآخر دست در آتش افتد

یہاں وجہِ شبہ ایک امر ہے جس کا آغاز اچھا اور انجام برا ہو۔

نویں یہ کہ وجہِ شبہ مرکب نہ ہو، بلکہ واحد ہو یا متعدد۔ اس کی مثالیں وجہ شبہ کی بحث میں لکھی گئیں۔

دسویں یہ کہ وجہ شبہ مذکور نہ ہو اور اس قسم کی تشبیہ کو تشبیہِ مجمل کہتے ہیں اور یہ کئی طور پر آتی ہے۔ کہیں ایسا ہوتا ہے کہ وجہ شبہ طرفین پر نظر کرنے سے فوراً ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے شجاع کو شیر سے تشبیہ دیں کیونکہ یہاں وجہ مشبہ جرأت شجاع اور شیر کے تصور کرنے سے فوراً ذہن میں آ جاتی ہے۔ کہیں وجہ شبہ کو عوام نہیں سمجھ سکتے، جیسے مثلاً ایک جماعت فضلا کہ رتبے میں مساوات رکھتے ہوں حلقہ دائرہ سے تشبیہ دیں۔ یہاں وجہ شبہ تناسب اجزا ہے یعنی جس طرح دائرے کے کسی جزو کو مبدا اور کسی کو وسط اور کسی کو منتہیٰ نہیں ٹھہرا سکتے، اسی طرح جماعت مفروضۂ فضلا میں باعتبار شرف اور رتبے کے امتیاز اول و آخر کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وجہ شبہ بغیر نظر دقیق کے ذہن میں نہیں آ سکتی۔

اور تشبیہِ مجمل کی ان دو صورتوں کے سوا اور صورتیں بھی ہیں۔

گیارھویں یہ کہ وجہِ شبہ ذکر کی جائے اور اس کو تشبیہِ مفصل کہتے ہیں۔ جیسے سلمان

ساوُجی کہتا ہے، بیت:

لغزد خرد ز لعلِ تو چوں از شراب پای   لرزد دلم ز چشم تو چو از خمار دست

یہاں وجہ شبہ لغزیدن اور لرزیدن ہے، سو دونوں مذکور ہیں۔

تنبیہ: وجہِ شبہ میں پردہ کئی وجہ سے ہوتا ہے۔ کہیں اس سبب سے کہ وجہ شبہ متعدد یا مرکب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے اور کہیں اس وجہ سے کہ مشبہ بہ کو مشبہ کے ساتھ بہت دور کی نسبت ہوتی ہے، جیسے مختاری کہتا ہے، بیت:

ز ابر سیہ و برف سفید و زمین سبز   طوطی ہمی پدید شد از بیضۂ غراب

یہاں ابر سیاہ کو غراب سے اور برف کو بیضہ سے اور زمینِ سبز کو طوطی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تشبیہ کا قدم درمیان نہ ہو تو مشبہ کو مشبہ بہ کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہیں۔

اور کہیں اس لیے کہ وجہِ شبہ مرکب عقلی ہوتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ اہل بلاغت کے نزدیک تشبیہ بلیغ وہی ہے جس میں کچھ ندرت اور غرابت پائی جائے، ورنہ جس تشبیہ میں کوئی نئی بات نہ ہو اور بے زحمتِ فکر و اندیشہ ہر عامی کی سمجھ میں آ جائے، اور عوام کے محاورے میں کثیر الاستعمال ہو، وہ ہرگز ستائش کے قابل نہیں، جیسے حبشی کو کوئلے سے یا شہد کو برف سے یا گال کو سیب سے یا زلف کو رات سے یا رخسار کو آفتاب سے تشبیہ دیں۔ ہاں اگر اس قسم کی تشبیہات میں کوئی تصرف خاص ایسا کیا جائے جس سے اس میں ایک نوع کی لطافت اور غرابت پیدا ہو جائے تو البتہ اس کو بھی تشبیہ بلیغ کہیں گے، جیسے اس بیت میں، بیت:

ماہی اگر ماہ را چو سرو بود قد   سروی اگر سرو را ز ماہ بود بر

اس بیت میں اگر معشوق کو صرف ماہ اور سرو سے تشبیہ دی جاتی تو اس میں کچھ خوبی نہ تھی۔ مگر دونوں جگہ شاعر نے قید شرط لگا کر مضمونِ پست کو بلند کر دیا۔

ضمیمہ:

تشبیہ کا مقبول ہونا کئی باتوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ جس غرض کے لیے تشبیہ دی گئی

ہے، وہ غرض اس سے اچھی طرح پوری ہوتی ہو۔ دوسرے یہ کہ مشبہ بہ وجہ شبہ میں مشہور اور مسلم ہو۔ تیسرے یہ کہ ذوقِ صحیح اور وجدانِ سلیم اس کو ناپسند نہ کرے۔ جس تشبیہ میں یہ نہیں، وہ تشبیہ مردود ہے۔

اداتِ تشبیہ کا بیان:

جس تشبیہ میں کلمۂ تشبیہ مذکور نہ ہو، اس کو تشبیہ موکد کہتے ہیں۔ موکد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ فقط حرفِ تشبیہ کو حذف کر دیں، اس کے سوا اور کسی طرح کا تصرف نہ کریں، جیسے، بیت:

می آفتابِ زرفشاں جامش بلوریں آسماں مشرق کف ساقیش داں مغرب لب یار آمدہ

اس بیت میں چار تشبیہیں ہیں۔ چاروں میں سے آداتِ تشبیہ کو حذف کیا اور مشبہ اور مشبہ بہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

دوسری یہ کہ آداتِ تشبیہ کو حذف کر کے مشبہ کو مشبہ بہ کی طرف مضاف کریں، جیسے بیت:

عبہر چشمش گرفتہ سرخی لالہ لالۂ رویش گرفتہ زردی عبہر

یہاں آنکھ کو عبہر (نرگس) سے اور چہرے کو لالہ سے تشبیہ دی ہے اور آداتِ تشبیہ کو حذف کر کے مشبہ کو مشبہ بہ کی طرف مضاف کر دیا ہے۔ یعنی آنکھ اس کی جو مثل نرگس کے ہے اور چہرہ اس کا مثل لالہ کے ہے۔

جس تشبیہ میں آداتِ تشبیہ مذکور ہوں اس کو تشبیہ مرسل کہتے ہیں۔

فارسی میں جو کلمات واسطے بیان تشبیہ کے برتے جاتے ہیں، وہ بہت سے ہیں۔ ازاں جملہ 'مانند' اور 'چو' اور 'چوں' اور 'ہمچو' اور 'ہمچوں' اور 'چناں' اور 'آنچناں' اور 'ہمچناں' اور 'برنگ' اور 'بسان' اور 'بصورت' اور 'بشکل' اور 'گوئی' اور 'گوئیا' اور 'گویا' اور 'گفتی' اور 'پنداری' اور 'پنداشتی' اور 'زانگونہ' اور 'بدانگونہ' اور 'بنوعی'۔

شعرائے عجم ان کے سوا اور عبارتیں بھی تشبیہ کے بیان میں لاتے ہیں جیسے، بیت:

از یک صدف گہر شدہ رائے تو و خرد وز یک رحم جدا شدہ طبع تو و کرم

یہاں رائے ممدوح کو نفسِ خرد سے اور طبع ممدوح کو ذات کرم سے تشبیہ دی گئی ہے، حالانکہ کوئی کلمہ کلماتِ تشبیہ سے استعمال نہیں کیا گیا۔ یا جیسے، بیت:

بوئے یار من ازیں ست وفا می آید   گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

یہاں یار کی بے وفائی کو پھول کی ناپائداری سے تشبیہ دی ہے، حالانکہ کوئی حرف تشبیہ نہیں لایا گیا۔

خلاصہ یہ کہ ایسی عبارت ہو جس سے تشبیہ دینا ایک چیز کا دوسری چیز سے سمجھا جائے۔

ضمیمہ:

اجزائے تشبیہ میں بعضے اجزا کبھی حذف کیے جاتے ہیں، کبھی نہیں۔ اس اعتبار سے تشبیہ کی آٹھ قسمیں ہیں:

ایک یہ کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ کو ذکر کریں اور وجہِ شبہ اور آداتِ تشبیہ کو حذف کریں۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''زید شیر است''۔

دوسری یہ کہ سوال کے جواب میں مشبہ کو بھی حذف کر دیں، مثلاً کوئی پوچھے کہ ''زید کیست؟'' اس کے جواب میں یوں کہیں کہ ''شیر است''۔

تیسری یہ کہ فقط آداتِ تشبیہ کو حذف کریں، مثلاً یوں کہیں کہ ''زید'' شیر است در جرأت''۔

چوتھی یہ کہ سوال کے جواب میں مشبہ کو بھی حذف کریں۔ مثلاً جب کوئی پوچھے کہ ''زید کیست؟'' اس کے جواب میں کہیں کہ ''شیر است در جرأت''۔

پانچویں یہ کہ فقط وجہِ شبہ کو حذف کریں۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''زید مانند شیر است''۔

چھٹی یہ کہ سوال کے جواب میں مشبہ کو بھی حذف کر دیں۔ مثلاً جب کوئی پوچھے کہ ''زید کیست؟'' اس کے جواب میں کہیں کہ ''مانندِ شیر است''۔

ساتویں یہ کہ تشبیہ کے چاروں اجزا کو ذکر کریں۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''زید مانند شیر است در جرأت''۔

آٹھویں یہ کہ سوال کے جواب میں مشبہ کو حذف کر دیں۔ مثلاً جب کوئی پوچھے کہ ''زید کیست؟'' اس کے جواب میں کہیں کہ ''مانند شیر است در جرأت''۔

ان آٹھوں قسموں میں سے پہلی دو قسمیں قوت میں سب سے زیادہ ہیں اور پچھلی دو قسمیں ضعف میں سب سے زیادہ ہیں۔ رہی چار قسمیں بیچ کی سو وہ نہ ایسی ضعیف ہیں نہ بہت قوی۔ بات یہ ہے کہ جہاں آداتِ تشبیہ اور وجہِ شبہ حذف کیے جائیں گے، تشبیہ کو قوت حاصل ہوگی۔ کیونکہ آداتِ تشبیہ کا حذف کرنا گویا مشبہ کو عین مشبہ بہ ٹھہرانا ہے۔ اور وجہِ شبہ کا حذف کرنا گویا مشبہ کو جملہ صفات میں مثل مشبہ بہ کے قرار دینا ہے۔

پس پہلی دو قسموں میں جو غرضِ تشبیہ متحقق ہوتی ہے، وہ باقی اقسام میں نہیں ہوتی اور پچھلی دو قسموں میں جو آداتِ تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں ذکر کیے جاتے ہیں اس لیے وہ سب قسموں سے اضعف شمار کیے گئے ہیں، اور بیچ کی چار قسموں میں، جو ایک ان دونوں میں سے ذکر کیا جاتا ہے اور ایک حذف کیا جاتا ہے، اس واسطے ان میں نہ ایسی قوت ہے نہ ایسا ضعف۔

دوسرا باب

استعارہ کے بیان میں

تنبیہ:

لفظ کو معنی مجازی میں استعمال کرنے کی شرط یہ ہے کہ معنی حقیقی اور معنی مجازی میں کچھ نہ کچھ علاقہ ہو ورنہ استعمال غلط ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ "بگیر از دست من ایں اسپ را" اور اسپ سے کتاب مراد لے تو یہ کلام صحیح نہ ہوگا کیونکہ کتاب اور گھوڑے میں کسی طرح کی مناسبت نہیں ہے۔

جب یہ بات ٹھہر چکی تو اب جہاں کہیں لفظ معنی مجازی میں مستعمل ہو، وہاں دیکھنا چاہیے کہ اس لفظ کے معنی حقیقی اور معنی مجازی میں کیا مناسبت ہے اور کون سا علاقہ ہے۔ اگر علاقہ تشبیہ ہے، یعنی دونوں کی ایک بات میں مشابہت ہے تو جانو کہ لفظ کے ایسے استعمال کو اہل بلاغت استعارہ کہتے ہیں۔ اور صورت استعارہ کی یہ ہے کہ فقط مشبہ بہ کو ذکر کریں اور مشبہ مراد لیں۔ مثلاً یوں کہیں کہ "در حمام شیر است"۔ اور شیر سے زید مراد لیں۔ دیکھو یہاں مشبہ بہ یعنی شیر کو ذکر کیا اور مشبہ یعنی زید مراد لیا۔

تشبیہ اور استعارہ میں فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں اظہار مشابہت طرفین مقصود ہوتا ہے، لہٰذا اس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ملحوظ ہوتے ہیں، اور استعارہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کا عین فرض کر کے ایک کا دوسرے پر اطلاق کرتے ہیں۔ مثلاً تشبیہ کی صورت میں یوں کہیں گے کہ "چشم شوخش کہ نرگس می ماند دلہا از دست می رباید"۔ اور استعارہ یوں کیا جائے گا کہ "نرگس شوخش دلہا از دست می رباید"۔

استعارہ کو استعارہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ کو موضوع لہ سے واسطے غیر موضوع لہ کے مانگ لیتے ہیں۔ جیسے مثال مذکور میں لفظ نرگس کہ ایک خاص قسم کے پھول کے لیے موضوع ہے، اس کو بسبب علاقۂ تشبیہ کے آنکھ کے واسطے مانگ لیا۔ استعارہ میں مشبہ کو مستعارلہ اور مشبہ بہ کو مستعار منہ اور جو لفظ مشبہ بہ پر دلالت کرتا ہے، اس کو مستعار اور وجہ شبہ کو وجہ جامع کہتے ہیں۔ مثلاً مثال مذکور میں آنکھ مستعارلہ اور لفظ نرگس مستعار اور جس پھول پر لفظ نرگس دلالت کرتا ہے وہ مستعار منہ اور گولائی وجہ جامع ہے۔ یا کوئی یوں کہے کہ ''شیر براسپ سوار است''۔ یہاں زید جس کو شیر ٹھہرایا ہے، مستعارلہ اور لفظ شیر مستعار لفظ شیر کا موضوع لہ یعنی سبع مخصوص مستعار منہ اور جرأت وجہ جامع ہے۔

استعارہ میں ایک شرط یہ ہے کہ لفظ مستعار کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں لفظ اپنے موضوع لہ پر نہیں بولا گیا۔ مثلاً مثال مذکور میں گھوڑے پر سوار ہونا قرینہ ہے کہ یہاں شیر اپنے معنیٔ حقیقی کے لیے نہیں استعمال کیا گیا کیونکہ شیر کا گھوڑے پر سوار ہونا بحسبِ عادت محال ہے۔

تنبیہ:

جس طرح تشبیہ کی تقسیم کئی اعتبار سے کی گئی، اسی طرح استعارہ بھی کئی اعتبار سے تقسیم ہوتا ہے۔ کبھی مستعار منہ اور مستعارلہ کے اعتبار سے اور کبھی وجہ جامع کے اعتبار سے اور کبھی ان تینوں چیزوں کے اعتبار سے۔

مستعار منہ اور مستعارلہ کا بیان:

مستعار منہ اور مستعارلہ کے اعتبار سے استعارہ کی دو قسمیں ہیں: وفاقیہ او رعنادیہ۔

وفاقیہ: اُس استعارے کو کہتے ہیں جس میں مستعار منہ اور مستعارلہ ایسے ہوں جن کا شخص واحد میں جمع ہونا ممکن ہو۔ مثلاً کوئی یوں کہے کہ ''زید مردہ بود عمرو زندہ کرداو را''۔ اور مراد یہ رکھے کہ زید گمراہ تھا، عمرو نے اس کو ہدایت کی۔ دیکھو یہاں حیات مستعار منہ اور ہدایت مستعارلہ ہے اور ہدایت اور حیات ایک شخص میں جمع ہو سکتے ہیں۔

عنادیہ: اس استعارے کو کہتے ہیں جس میں مستعار منہ اور مستعارلہ ایسے ہوں جن کا شخص واحد

میں جمع ہونا ممکن نہ ہو۔ مثلاً جاہلِ زندہ کو مردہ کہیں۔ دیکھو یہاں موت مستعارمنہ اور جہل مستعارلہ ہے اور یہ دونوں ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

عنادیہ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ ظرافت کی راہ سے مثلاً نامرد کو شیر یا بخیل کو حاتم کہیں۔ کیونکہ نامردی اور جرأت یا بخل اور سخاوت ایک شخص میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

وجہِ جامع کا بیان:

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ جس کو تشبیہ میں وجہ شبہ کہتے ہیں اس کا نام استعارہ میں وجہ جامع ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ وجہ جامع کے اعتبار سے استعارے کی چار قسمیں ہیں:

ایک یہ کہ وجہ جامع مستعارمنہ اور مستعارلہ کے مفہوم میں داخل ہو۔ جیسے، بیت:

بر سیرتِ لطیف تو گفتار تو دلیل ــــ بر نسبتِ شریف تو کردار تو گواہ

بیت کا حاصل یہ ہے کہ تیری خصلتِ پاکیزہ اور تیری نسبتِ شریف کو تیرا قول وفعل ثابت کرتا ہے۔ دیکھو یہاں معنی گواہ اور دلیل کے مستعار منہ اور مثبت یعنی ثابت کرنے والا مستعارلہ ہے اور وجہِ جامع اثبات ہے اور وہ گواہ اور دلیل اور مثبت دونوں کے مفہوم میں داخل ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وجہ جامع دونوں کے مفہوم سے خارج ہو۔ مثلاً جیسے زید کو شیر کہیں۔ دیکھو یہاں وجہ جامع جرأت ہے اور وہ نہ زید کے مفہوم میں داخل ہے نہ شیر کے۔ اور جیسے مولوی نظامی کہتے ہیں، بیت:

کشیدہ قامتی چوں سرو سیمیں ــــ دو زنگی بر سر نخلش رطب چیں

دیکھو یہاں زلف مستعارلہ اور زنگی مستعار منہ ہے اور وجہ جامع سیاہی ہے اور وہ دونوں کے مفہوم سے خارج ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ وجہ جامع اول نظر میں ظاہر ہو جائے۔ جیسے مثلاً مختاری کہتا ہے،

بیت:

برقے گرفتہ در کف و ابرے بہ پیش رو ــــ ماہی نہادہ بر سر و چرخی بزیر راں

دیکھو یہاں برق اور ابر ماہ اور چرخ مستعار منہ اور تلوار اور ڈھال اور چتر اور گھوڑا مستعارلہ ہیں اور وجہ جامع چاروں استعاروں میں ظاہر ہے۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ وجہِ جامع میں کچھ ایک پردہ ہو اور عوام کی سمجھ میں نہ آ سکے۔ جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

در بُرِ بلبلہ فواق افتد کز دہاں آب احمر اندازد

ترجمہ: صراحی کے گلے میں ہچکی لگ جائے کہ منہ سے لہو تھوکے۔ دیکھو یہاں قلقلِ مِینا مستعارلہ اور فواق یعنی ہچکی مستعارمنہ ہے اور وجہ جامع کیا ہے گلے میں پھندا لگ جانا اور یہ بات عوام کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔

مستعارلہ اور مستعار منہ اور وجہ جامع کا بیان:

مستعارلہ اور مستعار منہ اور وجہِ جامع کے اعتبار سے استعارے کی چھ قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ تینوں حسی ہوں جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

گاوِ سفالین کہ آب تر خورد اَرزَنِ زریّنش از مسام بر آمد

ترجمہ: گاوِ سفالین یعنی صراحی نے جو آب لالۂ تر یعنی شراب پی، چینا سنہری مسام سے نکلا۔

اس بیت میں اَرزن یعنی چینا مستعار منہ اور صراحی کا پینا مستعارلہ ہے، اور وجہ جامع رنگ اور شکل اور مقدار ہے۔ اور یہ سب چیزیں حسی ہیں۔

دوسری یہ کہ مستعارلہ اور مستعارمنہ حسی ہوں اور وجہ جامع عقلی ہو۔ مثلاً چمن بولیں اور کوچۂ معشوق مراد لیں۔ دیکھو یہاں مستعارمنہ یعنی چمن اور مستعارلہ یعنی کوچۂ معشوق دونوں حسی ہیں۔ اور وجہ جامع یعنی اُنس اور دلبستگی امر عقلی۔

تیسری یہ کہ مستعارلہ حسی اور مستعارمنہ اور وجہ جامع دونوں عقلی ہوں۔ جیسے، بیت:

کوہ پویندہ در مصافّ فگن برگ تابندہ از نیام برآر

ترجمہ: دوڑنے والا پہاڑ صف جنگ میں ڈال، چمکنے والی موت میان سے نکال۔

یہاں موت مستعارمنہ اور تلوار مستعارلہ اور فنا کرنا وجہ جامع ہے۔ دیکھو تلوار جو کہ مستعارلہ ہے، ایک وہ تو حسی ہے اور موت اور فنا کرنا یعنی مستعارمنہ اور وجہ جامع عقلی ہیں۔

چوتھی یہ کہ مستعار منہ حسّی اور مستعار لہ اور وجہ جامع عقلی ہوں، جیسے:

تیغ او آبستن فتح است اینک بنگرش نقطہ ہائے چہرہ بر آبستنی دارد گواہ

ترجمہ: تلوار اس کی حاملہ فتح کی ہے۔ آ دیکھ اس کو، نقطے چہرے کے حاملہ ہونے پر گواہ رکھتی ہے۔ یعنی جیسے حاملہ عورت کے چہرے پر تل نمودار ہو جاتے ہیں، اسی طرح ممدوح کی تلوار میں جوہر نمودار ہیں۔ گویا فتح اور فیروزی اس سے پیدا ہوتی ہے۔ یہاں آبستن یعنی حاملہ مستعار منہ اور منتج یعنی نتیجہ دینے والی مستعار لہ، اور نتیجہ نیک دینا وجہ جامع ہے۔ دیکھو یہاں مستعار منہ حسی اور مستعار لہ اور وجہ جامع عقلی ہیں۔

پانچویں یہ کہ مستعار منہ اور مستعار لہ اور وجہ جامع تینوں عقلی ہوں۔ جیسے مثلاً بہارِ بے خزاں سے طبع ممدوح مراد لیں۔ دیکھو یہاں مستعار منہ یعنی بہار اور مستعار لہ یعنی طبع ممدوح اور وجہ جامع یعنی شگفتگی و انبساط، تینوں امر عقلی ہیں۔

چھٹی یہ کہ وجہ جامع کے بعضے اجزا حسی اور بعضے عقلی ہوں اور مستعار لہ اور مستعار منہ دونوں حسی ہوں۔ مثلاً یوں کہیں کہ ''امروز آفتابی بر اسپ سوار دیدہ ام'' اور آفتاب سے آدمی حسین اور صاحبِ شان وشوکت مراد لیں۔

دیکھو یہاں مستعار منہ اور مستعار یعنی آفتاب اور آدمی دونوں حسی ہیں اور وجہ جامع کا ایک جز یعنی حسنِ طلعت حسی اور دوسرا جز شان وشوکت عقلی۔

ضمیمہ:

استعارے کے لیے مستعار منہ اور مستعار لہ اور وجہ جامع کے سوا اور اعتبارات بھی ہیں۔ ازاں جملہ لفظ مستعار۔ سو جاننا چاہیے کہ لفظ مستعار کے اعتبار سے استعارے کی دو قسمیں ہیں: اصلیہ اور تبعیہ۔

اصلیہ: وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار اسم جنس واقع ہو جیسے شجاع کو شیر یا رخسار کو گل یا آنکھ کو نرگس یا قد کو سرو کہیں کیونکہ لفظ شیر اور گل اور نرگس اور سرو چاروں اسم جنس ہیں۔

استعارہ تبعیہ وہ ہے جس میں لفظ مستعار فعل ہو یا شبہ فعل۔ فعل کی مثال جیسے، ع:

شور مجنوں ہمہ جا گفتہ کہ لیلائے ہست

دیکھو یہاں لفظ گفتہ فعل ہے اور دلالت کردہ کی جگہ بولا گیا ہے، اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بولا گیا، کیونکہ گفتہ کا فاعل شورِ مجنوں واقع ہوا ہے اور شور و آوازۂ مجنوں ایسی چیز ہیں جس میں نطق اور گویائی کا مادہ ہو۔ یا جیسے بیت

دہنِ مملکت نخندد خوش تا سرِ تیغ تو نگرید زار

ترجمہ: دہانِ ملک خوش ہو کر نہ ہنسے، جب تک تیری تلوار سے خون نہ ٹپکے۔

دیکھو یہاں لفظ نگرید فعل ہے بمعنی خون نریزد بولا گیا ہے۔ اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بولا گیا۔ کیونکہ نگرید کا فاعل سرِ تیغ ممدوح ہے اور ظاہر ہے کہ رونا تلوار کی شان سے نہیں ہے۔ اور شبہ فعل کی مثال جیسے: ع

بہ چشمِ اہلِ دل ہر ذرہ گویا است

دیکھو یہاں لفظ گویا سے مراد دلالت کنندہ ہے، کیونکہ گویائی ہر ذرہ کی شان سے نہیں ہے، اور گویا نہ اسم جنس ہے نہ فعل، بلکہ شبہ فعل یعنی صفت مشبہ ہے جیسے ''امشب نالۂ نی چہ قدر گیرا است''۔ یعنی چہ قدر اثر کنندہ است۔ دیکھو یہاں لفظ گیرا شبہ فعل یعنی اسم فاعل واقع ہوا ہے۔ اور اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بولا گیا۔ کیونکہ گیرا کے معنی پکڑنے والا ہے، اور یہاں مراد اثر کرنے والا ہے۔

استعارے میں وہ الفاظ جو طرفین سے مناسبت رکھتے ہوں، کبھی ذکر کیے جاتے ہیں، کبھی نہیں۔ اس اعتبار سے استعارے کی تین قسمیں اور ہیں۔

ایک یہ کہ کوئی لفظ مستعارلہ یا مستعار منہ کے مناسب ذکر نہ کیا جائے اور اس قسم کا نام استعارۂ مطلقہ ہے۔ جیسے، بیت:

شگوفہ برسرِ شاخ است چوں رخسارۂ جاناں بنفشہ برلب جویست چوں جرارۂ دلبر

یہاں جرارۂ دلبر سے زلفِ دلبر مراد ہے۔ دیکھو اس بیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو مستعارلہ یعنی زلفِ معشوق سے یا مستعار منہ یعنی عقرب جرارہ (بچھو کی ایک قسم ہے) سے مناسبت رکھتا ہو۔

دوسری قسم یہ ہے کہ صرف مستعارلہ کے مناسب ایک یا دو یا زیادہ الفاظ ذکر کیے جائیں اور اس قسم کا نام استعارۂ مجردہ ہے۔ جیسے، بیت:

بناخن زرہ بافت از خشک ناب در آویخت از گوشۂ آفتاب

یہاں زرہ مستعارمنہ اور زلف مستعارلہ ہے۔ دیکھو اس بیت میں کوئی لفظ مناسب مستعارمنہ یعنی زرہ کے نہیں ذکر کیا گیا۔ ہاں مشک ناب اور در آویخت تین لفظ ذکر کیے گئے۔ یا جیسے، بیت:

از شورش آہ من ہمہ شب بادام تو دوش ناغنودہ

یہاں بادام مستعار منہ اور چشم معشوق مستعارلہ ہے۔ دیکھو اس بیت میں بھی کوئی لفظ مستعارمنہ کے مناسب ذکر نہیں کیا گیا۔ ہاں مگر مستعارلہ کے مناسب لفظ غنودن ذکر کیا گیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ فقط مستعارمنہ کے مناسب الفاظ ذکر کیے جائیں اور اس قسم کا نام استعارۂ مرشحہ ہے، جیسے انوری کہتا ہے، بیت:

در خفیہ گر نہ عزم خروج است باغ را چوں آبگیرہا ہمہ پر تیغ و جوشن است

یہاں مستعارمنہ تیغ و جوشن اور مستعارلہ موج آبگیر (آبگیر چشمے کو کہتے ہیں) ہے۔ دیکھو یہاں اس بیت میں کوئی لفظ مستعارلہ کے مناسب ذکر نہیں کیا گیا، ہاں مگر مستعارمنہ یعنی تیغ و جوشن کے مناسب عزم اور خروج دو لفظ ذکر کیے۔

ان تین قسموں کے سوا ایک صورت یہ بھی ہے کہ طرفین یعنی مستعارلہ اور مستعارمنہ دونوں کے مناسب الفاظ ذکر کیے جائیں۔ جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

برشافد صبا مشیمۂ شب طفل خونیں بخاور اندازد

ترجمہ: چیزی صبا بچہ دان رات کا بچہ خون میں بھرا ہوا مشرق میں ڈالے۔

یہاں طفل مستعارمنہ اور آفتاب مستعارلہ ہے اور دونوں کے مناسب الفاظ بیت میں مذکور ہیں؛ مستعارمنہ یعنی طفل کے مناسب مشیمہ اور خونیں اور شگافتن اور مستعارلہ یعنی آفتاب کے مناسب صبا یعنی بادِ سحری اور شب اور خاور۔ یا جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

بدرد جیب آسمان و برد گوئی زر آشکار بندو صبح

ترجمہ: پھاڑے گریبان آسمان کا اور اس پر سنہری گھنڈی علانیہ لگاتی ہے صبح۔

یہاں گوئی زر مستعامنہ اور آفتاب مستعارلہ ہے اور دونوں کے مناسب الفاظ بیت میں مذکور ہیں۔ مستعارمنہ یعنی گوئی زر کے مناسب جیب اور دریدن اور مستعارلہ یعنی آفتاب کے

مناسب آسان اور صحیح۔

استعارے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ یعنی مستعارمنہ ایک ہیأت مجموعی چند چیزوں سے ماخوذ ہو اور مستعارلہ اور وجہ جامع کا بھی یہی حال ہو، اور اس قسم کے استعارہ کو مجاز مرکب کہتے ہیں۔ جیسے مثلاً جو شخص کسی امر میں متردد ہو کہ اس کام کو کیجیے یا نہ کیجیے، اس کو یوں کہیں کہ ''چیست حال تو کہ یک پائے پیش می آری و پائے دیگر پس می بری یا جیسے فردوسی کہتا ہے، بیت

چرا روز و شب جفت اندیشۂ　　تو گوئی کہ با شیر در بیشۂ

یہاں فکر و اندیشہ میں نزار و نزار رہنے کو یوں تعبیر کیا ہے کہ گویا جنگل میں شیر کا سامنا ہے۔ یا جیسے خاقانی کہتا ہے، بیت:

چوں جہانی ز خندق اسپ گلیں　　کآتشیں خندق ست گرد حصار

ترجمہ: کیونکر کدائے گا تو خندق سے گھوڑا کیونکہ قلعے کے گرد خندقِ آتشیں ہے۔

یہاں تک استعارۂ مصرحہ کا بیان ہوا یعنی اس استعارے کا جس میں فقط مشبہ بہ ذکر کیا جائے اور مشبہ نہ ذکر کیا جائے۔ اس کے سوا ایک قسم استعارے کی یہ ہے کہ فقط مشبہ کو ذکر کریں اور مشبہ بہ مراد لیں، اور اس کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ جو لوازم مشبہ بہ کے ذکر کیے جاتے ہیں، اس کو استعارۂ تخیلیہ کہتے ہیں۔ جیسے مسعود کہتا ہے، بیت:

بروئے کردہ ہمہ حجرہ بوستان ارم　　بزلف کردہ ہمہ خانہ کلبۂ عطار

ترجمہ: چہرے سے کیا تمام حجرے کو باغ ارم۔ زلف سے کیا سارے گھر کو گھر عطار کا۔

دیکھو، یہاں چہرۂ معشوق و زلف مشبہ اور گل و مشک مشبہ بہ واقع ہوئے ہیں۔ اس کا نام تو استعارہ بالکنایہ ہے، اور حجرے کو باغ ارم کر دینا اور گھر کو کلبۂ عطار بنا دینا جو مشبہ بہ یعنی گل و مشک کے لوازم ذکر کیے گئے ہیں، یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔ یا جیسے: ع

جانت را دوزخ آشیانہ مکن

ترجمہ: اپنی جان کے لیے دوزخ کو آشیانہ نہ بنا۔

دیکھو یہاں جان مشبہ اور جانور مشبہ بہ ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ اور لازم مشبہ بہ یعنی آشیانہ جو ذکر کیا گیا ہے، یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔

یا جیسے: ع

تو از پنجۂ مرگ ایمن نباشی

یہاں مرگ مشبہ اور جانور درندہ مشبہ بہ واقع ہوا ہے۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ اور لازم مشبہ بہ یعنی پنجہ جو ذکر کیا گیا ہے، یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ میں جو لفظ قرینۂ مجاز ہوتا ہے، اس کو استعارۂ تخیلیہ کہتے ہیں۔

تیسرا باب

مجازِ مُرسل کے بیان میں

تنبیہ:

ہم دوسرے باب میں لکھ چکے ہیں کہ لفظ موضوع کا استعمال معنی مجازی میں صحیح نہیں ہوتا جب تک معنی مجازی اور معنی حقیقی میں کسی طرح کی مناسبت نہ ہو۔ اور اسی مناسبت کو اہل بلاغت علاقۂ مجاز کہتے ہیں۔ پس اگر وہ علاقہ تشبیہ کے سوا کوئی اور امر ہے تو اس لفظ کو جو مجازی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، مجاز مرسل کہتے ہیں۔ جیسے کوئی یوں کہے کہ ''فلاں دریں کار دستی دارد''۔ یعنی قدرتے دارد۔ دیکھو یہاں لفظ دست جو ایک خاص عضو کے لیے موضوع ہے، اپنے حقیقی معنوں میں نہیں بولا گیا، بلکہ معنی مجازی یعنی قدرت کی جگہ بولا گیا ہے اور دست و قدرت میں علاقۂ تشبیہ نہیں ہے بلکہ ایک اور امر ہے۔ یعنی یہ کہ ہاتھ غالباً محل ظہور قدرت ہوتا ہے۔

مجاز مرسل میں یہ بات ضرور ہے کہ معنی حقیقی اور معنی مجازی میں اس قسم کا علاقہ ہو جس کو فصحا نے اپنے کلام میں جائز رکھا ہو۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ہر لفظ کے استعمال کے لیے فصحا کے کلام کی سند درکار ہو۔ مثلاً جب یہ بات تحقیق ہو چکی کہ فصحائے اہل زبان از راہ مجاز محل بول کر حال مراد لیا کرتے ہیں، اب ہم کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں محل بول کر حال مراد لیں۔ ہر استعمال کے واسطے سند درکار نہیں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ فصحا کے کلام میں اس قسم کی عبارتیں اکثر واقع ہوئی ہیں کہ ''بزم سلطان بخندہ در آمد'' اور ''ایران سرکشی کرد'' اور ''نہر جاری شد'' اور ''میزاب رواں گشت'' اور ''جام کشیدہ آمد''۔

دیکھو یہاں پانچوں فقروں میں حال کی جگہ محل یعنی اہل بزم اور اہل ایران اور آب نہر اور آب میزاب اور بادۂ جام کی جگہ بزم اور ایران اور نہر اور میزدب اور جام بولا گیا ہے۔ جب اتنا ثابت ہوگیا، اب ہم جس محل کو چاہیں حال کی جگہ بولیں۔ ہم کو ہر جگہ سند ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں۔

مجازِ مرسل کا بیان:

مجاز مرسل میں جو علاقہ ہوتا ہے، اس کی بہت قسمیں ہیں۔ ان سب کا حصر کرنا دشوار ہے۔ اس لیے یہاں چند قسمیں ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی قسم: جز بول کر کُل مراد لینا اور اس قسم کو تسمیۂ کُل باسم جزو کہتے ہیں۔ جیسے، حکیم سنائی:

عشق را بحر بود و دل را کان شرع را دیدہ بود و دین را جان

ترجمہ: عشق کے لیے دریا تھا اور دل کے واسطے کان۔ شرع کا پاسبان تھا اور دین کی جان۔

دیکھو یہاں جُز یعنی دیدہ بول کر کُل یعنی پاسبان مراد لیا گیا۔

دوسری قسم: کل بول کر جُز مراد لینا اور اس قسم کو تسمیۂ کل باسم جزو کہتے ہیں۔ جیسے شمس الدین فقیر:

مژہ ات دل ز کف آساں ببرد دست از رستم دستاں ببرد

ترجمہ: پلک تیری دل ہاتھ سے آسان لے جاتی ہے۔ پنجہ رستم دستاں کا پھیرتی ہے۔

دیکھو یہاں کل یعنی دست بول کر جز یعنی پنجہ مراد لیا ہے۔

تیسری قسم: سبب بول کر مسبب مراد لینا۔ اس قسم کو تسمیۂ مسبب باسم سبب کہتے ہیں۔ جیسے حکیم سنائی:

اے ز خود گشتہ سیر جوع اینست وے دو تا از ندم رکوع انیست

ترجمہ: تو جو اپنے سے بیزار ہوگیا ہے، بھوک اس کو کہتے ہیں اور تو جو ندامت سے خمیدہ ہو رہا ہے، رکوع اس کو کہتے ہیں۔

دیکھو یہاں سبب یعنی سیر ہونے سے مسبب یعنی بیزار ہونا مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ کھانے سے سیر ہو جانا کھانے سے نفرت ہو جانے کا سبب ہے۔

چوتھی قسم: مسبب بول کر سبب مراد لینا۔ اس قسم کو تسمیۂ سبب باسمِ مسبب کہتے ہیں۔ جیسے حکیم سنائی:

سرد و گرمِ زمانہ ناخوردہ　　نرسی بر درِ سرا پردہ

ترجمہ: انقلابِ زمانہ کا مزہ چکھے بغیر نہ پہنچ سکے گا تو خیمے کے دروازے پر۔ دیکھو یہاں مسبب یعنی سرد و گرم زمانہ سے سبب یعنی انقلابِ زمانہ مراد ہے کیونکہ گرمی و سردی کا سبب انقلاب روزگار ہے۔

پانچویں قسم: ایسی صفت بول کر موصوف مراد لیا جو زمانۂ ماضی میں موصوف پر صادق آتی تھی اب نہیں آتی۔ جیسے فرید الدین عطار:

حمد بے حد مر خدائے پاک را　　آنکہ ایماں داد مشت خاک را

ترجمہ: خوبی بے انتہا اس خدائے پاک کو ہے جس نے ایک خاک کی مٹھی کو ایمان عنایت کیا۔

دیکھو یہاں مشت خاک سے آدم مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس وقت آدم کو ایمان ملا، اُس وقت وہ مشتِ خاک نہ تھا، بلکہ زمانۂ ماضی میں ایک وقت اس پر یہ صفت صادق آتی تھی۔

چھٹی قسم: ایسی صفت بول کر موصوف بہ مراد لینا جو زمانہ مستقبل میں موصوف پر صادق آئے گی۔ جیسے: ع

گفتی کہ مگر بادہ ز انگور فشردم

ترجمہ: گویا کہ شیرہ انگور سے نچوڑا میں نے۔ دیکھو یہاں لفظ بادہ سے شیرۂ انگور مراد ہے، نہ شراب۔ کیونکہ شراب انگور سے نہیں نچوڑی جاتی بلکہ شیرہ بعد نچوڑنے کے ایک مدت میں شراب بنتی ہے۔

ساتویں قسم: محل بول کر حال مراد لینا۔ اس قسم کو تسمیۂ حال باسم محل کہتے ہیں، جیسے نظیری:

جام بر نوش شکوہ تو رقیب تو بس است　　پردہ بردار صبائے تو نگہبان تو بس

ترجمہ: شراب پی، تیری شوکت ہی تیری محافظ ہے۔ پردہ اٹھا، تیری حیا ہی تیری نگہبان ہے۔ دیکھو محل یعنی جام بول کر حال یعنی شراب مراد لی گئی ہے۔

آٹھویں قسم: حال بول کر محل مراد لینا۔ اس قسم کو تسمیۂ محل باسمِ حال کہتے ہیں۔

خاقانی:

در مرکز مثلث بگرفت ربع مسکوں فریاد اوج مریخ از تیغ مہ صقالش

ترجمہ: کرۂ آتش میں ڈال دیا آبادیٔ دنیا کو برج اسد کی فریاد نے ممدوح کی تلوار سے جس کا صیقل چاند کی روشنی میں ملتا ہے۔

دیکھو یہاں اوجِ مریخ سے برج اسد مراد ہے اور ظاہر ہے کہ برج اسد مریخ کا محل ہے۔

نویں قسم: کوئی آلہ بول کر اس آلہ کی صفت مراد لینی جیسے، حکیم سنائی:

متوسط میان صورت و ہوش شدہ زین سو زبان و زان سو گوش

ترجمہ: واسطہ درمیان نشاء ظاہری اور عالم عقل کے۔ ادھر کہنے والا ہے اور ادھر سے سننے والا۔ یعنی نفس ناطقہ عقول اور اجسام کے بیچ میں واسطہ ہے۔ جو فائدہ عقول سے حاصل کرتا ہے، وہ اجسام کو پہنچایا ہے۔ دیکھو یہاں آلۂ نطق یعنی زبان اور آلۂ سمع یعنی گوش بول کر کہنے والے اور سننے والا کہ دونوں صفتیں زبان و گوش کی ہیں مراد لی گئی ہیں۔ ان قسموں کے سوا علاقہ مجاز کی اور بہت قسمیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ مجاز و حقیقت میں کچھ نہ کچھ مناسبت چاہیے۔ مگر اس جنس کی مناسبت ہو جس کو فصحا نے بھی اپنے کلام میں علاقہ مجاز ٹھہرایا ہو۔

چوتھا باب

کنایہ کے بیان میں

تنبیہ:

کنایہ لغت میں ترکِ تصریح کو کہتے ہیں اور اہلِ بلاغت کی اصطلاح میں کنایہ اُس لفظ کا نام ہے جو کلام میں واقع ہو اور اس سے معنیِ موضوع لہ مراد نہ لیے جائیں، بلکہ لازم معنی موضوع لہ مراد لیا جائے۔ مگر معنی موضوع لہ بھی اگر چاہیں تو مراد لے سکیں۔

مجاز اور کنایہ میں یہ فرق ہے کہ مجاز میں معنی موضوع لہ کا ارادہ جائز نہیں اور کنایہ میں جائز ہے۔ مثلاً ''جام بنوش!'' مجاز مرسل ہے، سو یہاں لفظ جام سے معنی موضوع لہ یعنی پیالہ مراد نہیں لے سکتے، بلکہ شراب مراد لیں گے۔ کیونکہ پیالہ پینے کی چیز نہیں۔ اور ''دست پیش اہل دنیا کفچہ مکن'' کنایہ ہے۔ سو یہاں مراد یہ ہے کہ اہل دنیا کے آگے ہاتھ نہ پسار، مگر کفچہ مکن کے معنی موضوع لہ بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اہل دنیا کے ہاتھ کو چمچے کی صورت نہ بنا۔

کنایہ کا بیان: کنایہ کی تین قسمیں ہیں؛ ایک یہ کہ مقصود کنایہ سے ذات موصوف ہو نہ کوئی صفت۔ دوسری یہ کہ مقصود کنایہ سے کوئی صفت ہو نہ ذات موصوف۔ تیسری یہ کہ مقصود کنائے سے کسی کے لیے کوئی صفت ثابت کرنی ہو یا کسی سے کوئی صفت سلب کرنی ہو۔

پہلی قسم کی مثال: خاقانی

آسمان کوہ زہرہ آفتاب کان ضمیر آفت ہرچہ آفتاب از بحر و کان انگیختہ

ترجمہ: ممدوح ایک آسمان ہے جس کا پہاڑ کا سا پتہ اور ایک آفتاب ہے جس کا دل مانند کانِ جواہر کے اور آفت یعنی لٹانے والا ہے اُن چیزوں کا جن کو آفتاب نے دریا اور کان سے

نکالا۔ (مراد ان چیزوں سے جواہر ہیں)۔

دیکھو یہاں ''ہر چہ آفتاب از بحر و کان انگیختہ'' یہ ساری عبارت ایک صفت ہے اور مراد اس سے فقط جواہر کی ذات ہے۔ یا جیسے: خاقانی

بالات شجاعِ ارغوان تن زیرِ تو عروسِ ارغنون زن

ترجمہ: اے آفتاب! تیرے اوپر شجاع سرخ بدن یعنی مریخ ہے اور تیرے نیچے دلہن ارغون بجانے والی، یعنی زہرہ ہے۔

دیکھو یہاں شجاعِ ارغوان تن اور عروسِ ارغنون زن دو صفتیں میں جن سے مراد فقط مریخ اور زہرہ کی ذات ہے۔ یا جیسے مسعود سعد:

بخواہ آں طبع را قوت بخواہ آں کام را لذت بخواہ آں چشم را الالہ بخواہ آں مغز را عنبر

ترجمہ: منگا وہ چیز جو طبیعت کے واسطے قوت ہے اور تالو کے لیے لذت ہے اور آنکھ کے حق میں لالہ ہے اور مغز کے حق میں عنبر ہے۔ یعنی شراب۔

دیکھو یہاں چار صفتوں سے مرد صرف شراب کی ذات ہے۔

دوسری قسم کی مثال: حکیم سنائی

طینتے نے از و خمر تر سالکے نے از و مشمر تر

ترجمہ: کوئی سرشت اس سے بہتر خمیر کی ہوئی نہیں، کوئی سالک اُس سے زیادہ مستعد نہیں۔

یہاں کنایہ لفظ مشمر ہے اور مشمر لغت میں دامن چڑھائے ہوئے کو کہتے ہیں اور اس بیت میں مستعد و سرگرم مراد ہے۔

دیکھو یہاں کنایہ سے ایک صفت یعنی مستعدی مقصود ہے، نہ ذات موسوف۔ یا جیسے: خاقانی

دست کفچہ مکن بہ پیش فلک کہ فلک کاسۂ است خاک انبار

ترجمہ: ہاتھ نہ پسار آگے آسمان کے، کیونکہ آسمان ایک کاسہ ہے جس میں خاک کا ڈھیر ہے۔

دیکھو یہاں 'دست کفچہ مکن' سے مراد سوال کرنا ہے اور سوال کرنا ایک صفت ہے، نہ

ذات۔ یا جیسے مختاری:

مہان آسودہ تن باشند ز اکرام تو در دنیا سراں افگندہ سر خیزند ز انعام تو در محشر

ترجمہ: بڑے آدمی آسائش سے ہیں تیرے احسان سے دنیا میں۔ اور سردار لوگ سر جھکائے اٹھیں گے تیرے انعام سے قیامت کو۔

دیکھو یہاں افگندہ سے شرمندہ و خجل مراد ہے اور شرمندگی و خجالت ایک صفت ہے، نہ ذات۔

تیسری قسم کی مثال: نثر: ''جوانمردی و مروت و شجاعت جز دراں خیمہ نیست کہ بر بالائے خلیفہ زدہ اند''۔

ترجمہ: جوانمردی اور مروت اور سخاوت اسی خیمے میں ہے جو خلیفہ کے لیے کھڑا کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ صفاتِ مذکورہ خلیفہ میں ایسے اسلوب سے ثابت کیجیے جس میں صراحت نہ ہو۔ پس خیمہ میں صفات مذکورہ کا ہونا کنایہ ہے اور غرض اس سے خلیفہ میں ثابت کرنا ان صفات کا ہے۔ یا جیسے مختاری:

دامن ہمت سرافرازش گردن چرخ را گریبان باد

ترجمہ: اس کی ہمت بلند کا دامن آسمان کی گردن کا گریبان ہوجیو۔

یہاں دامن ہمت کا گردن چرخ کے لیے گریبان ہونا کنایہ ہے اور مراد اس سے ہمت ممدوح کے لیے آسمان پر فوقیت ثابت کرنی ہے۔ یا جیسے کمال اسماعیل:

یارب چہ فتنہ بود کہ از سہم ہیبتش مریخ تیر خود ہمہ در دوکداں نہاد

ترجمہ: الٰہی! یہ کیا فتنہ تھا جس کی ہیبت سے مریخ نے اپنے سارے تیر دوکداں میں رکھ دیے (دوکداں ایک ظرف کا نام ہے جس میں چرخہ کاتنے والیاں چرخے کا سامان رکھتی ہیں)۔

یہاں تیر در دوکداں نہادن کنایہ واقع ہوا ہے۔ قائل کو اس سے مریخ کے لیے نامردی اور مشابہت زناں ثابت کرنا مقصود ہے۔

ضمیمہ:

جب کنایہ کی ایسی صورت ہو کہ بولیں کچھ اور مفہوم کچھ ہو تو اس کو تعریض کہتے ہیں۔
مثلاً جب کسی مسلمان مردم آزار کا ذکر آئے تو وہاں یوں کہیں: ''مسلمان کسے است کہ مسلمانان از دست و زبانش سلامت باشند۔''
دیکھو یہ جملہ ظاہر میں مسلمان کی حقیقت بیان کرتا ہے مگر مقصود اس شخص کی نامسلمانی ثابت کرنی ہے اور قرینہ حال سے مفہوم بھی یہی ہوتا ہے۔

اور جب کنایہ معنی مقصود پر بہت واسطوں سے دلالت کرے، یعنی لازم اور ملزوم کے درمیان بہت سے واسطے ہوں، تو اس کو تلویح کہتے ہیں۔ مثلاً جس کے ہاں بہت مہمانداری ہوتی ہو اس کو کثیر الرماد کہیں۔ دیکھو یہاں ملزوم اور لازم میں کئی واسطے ہیں کیونکہ کثیر الرماد کے معنی بہت لاکھ والا ہیں۔ اور راکھ کی کثرت ملزوم یعنی بہت ایندھن جلنے پر دلالت کرتی ہے، اور بہت ایندھن جلنے سے یہ نکلتا ہے کہ کھانا بہت پکا ہوگا، اور کھانا بہت پکنے سے یہ ذہن میں آتا ہے کہ صاحب خانہ بڑا مہمان دوست ہے۔

اگر لازم اور ملزوم میں بہت سے واسطے نہ ہوں مگر ملزوم میں ایک نوع کا پردہ ہو کہ عوام کی سمجھ میں نہ آسکے، تو اُس کو رمز کہتے ہیں جیسے احمق کو عریض القضا یعنی چکلی کمر والا کہیں۔ دیکھو یہاں لازم اور ملزوم میں ایک نوع کا پردہ ہے کیونکہ علم قیافہ میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ کمر کا چکلا ہونا حمق کی نشانی ہے۔ یہ بات واقفِ علمِ قیافہ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

خاتمہ

علمِ نحو کے سوالات میں

۱۔ بتاؤ علم بیان کی کیا تعریف ہے اور علم بیان سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟
۲۔ ''در دل ما غم دنیا غم معشوق شود''، ''بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما''۔ ترجمہ:

ہمارے دل میں اگر دنیا کا غم بھی آتا ہے تو غم معشوق ہو جاتا ہے۔ شراب اگر خام ہوتی ہے تو ہمارا شیشہ اس کو پختہ کر دیتا ہے۔

بتاؤ اس بیت میں مشبہ کون ہے؟ اور مشبہ بہ کون؟ اور طرفین میں سے کون حسی ہے اور کون عقلی؟ یا دونوں حسی ہیں یا دونوں عقلی ہیں؟

۳۔ ''زکای طبع تو گوئی کہ لوح محفوظ است''، ''کہ ذرۂ نبود جائز اندر و نسیان''۔

ترجمہ: تیری طبیعت کی پاکیزگی گویا کہ لوح محفوظ ہے کہ ممکن نہیں اس میں ذرا بھول۔

بتاؤ کہ اس بیت میں مشبہ اور مشبہ بہ کون کون سے الفاظ ہیں؟ اور آداتِ تشبیہ مذکور ہے یا نہیں؟ اور مشبہ اور مشبہ بہ عقلی ہیں یا حسی؟

۴۔ ''یکے برکۂ ژرف در صحن بستاں''، ''چو جان خردمند و طبع سخنور''۔ ترجمہ: ایک حوض گہرا صحن باغ میں ایسا جیسے عقلمند کی جان اور شاعر کی طبیعت۔

بتاؤ اس بیت میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہیں؟ یا ایک عقلی اور ایک حسی؟ اور وجہ شبہ کیا ہے اور آدات تشبیہ مذکور ہیں یا نہیں۔

۵۔ بارہ در زیرداں چو ہیکل چرخ ــــ چتر افراز مہ چو خرمن ماہ

ترجمہ: گھوڑا ران کے نیچے جیسے ہیکل آسمان۔ چتر سر پر جیسے چاند کا ہالہ۔

بتاؤ اس بیت میں وجہ مشبہ واحد ہے یا متعدد اور متعدد ہے تو واحد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور حسی ہے یا عقلی؟

۶۔ ہر طرب را برابر است کرب ــــ ہر یمیں را مقابل است یسار

ترجمہ: ہر خوشی کے ساتھ سختی ہے۔ ہر دائیں کے مقابل بایاں ہے۔

بتاؤ اس بیت میں مشبہ کون اور مشبہ بہ کون ہے؟ اور تشبیہ دینے سے مقصود کیا ہے؟

۷۔ چوں روز علم زد بحسامت ماند ــــ چوں یکشبہ شد ماہ بجامت ماند

تقدیر بعزم تیز گامت ماند ــــ روزی بہ عطائے اذن عامت ماند

ترجمہ: جب دن نکلتا ہے تو تیری تلوار سے ملتا ہے۔ جب چاند نکلتا ہے تو ایک رات کا ہوتا ہے تو تیرے جام شراب سے ملتا ہے۔ تقدیر تیرے ارادۂ تیز رفتار سے ملتی ہے اور روزی تیری بخششِ عام سے ملتی ہے۔

بتاؤ اس رباعی میں غرض تشبیہ مشبہ سے علاقہ رکھتی ہے یا مشبہ بہ سے؟

۸۔ بتاؤ استعارہ اور تشبیہ اور مجاز مرسل اور کنایہ میں کیا فرق ہے؟

۹۔ بتاؤ وجہِ شبہ اور وجہِ جامع میں کیا تفاوت ہے؟

۱۰۔ بتاؤ لفظ کو معنی مجازی میں برتنے کی شرط کیا ہے؟

۱۱۔ ہنوزم ہندواں آتش پرستند ہنوزم چشم چوں ترکان مستند

ترجمہ: ابھی میری زلفیں آتش پرست ہیں۔ ابھی میری آنکھیں ترکان مست کی مانند ہیں۔

بتاؤ اس بیت میں مستعار کون سا لفظ ہے اور مستعار لہ کیا ہے اور مستعار منہ کیا ہے اور وجہ جامع کیا چیز ہے؟

۱۲۔ بہر کہ عرضہ دہم دردِ خویش می بینم کہ غرقہ ام من و او بر کنار می گزرد

ترجمہ: جس کے سامنے ظاہر کرتا ہوں درد اپنا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں ڈوبا ہوا ہوں اور وہ کنارے پر چلا جاتا ہے۔

بتاؤ یہاں وجہ جامع کیا چیز ہے۔

۱۳۔ یک جہانند زیر ایں افلاک کام پُر زہر و خانہ پُر تریاک

ترجمہ: بہت سے لوگ ہیں ان آسمانوں کے نیچے جن کے تالو میں زہر بھرا ہوا ہے اور گھر میں تریاق۔

بتاؤ یہاں مستعار منہ کیا چیز ہے؟

۱۴۔ چوں از مہِ نو زنی عطارد مریخ شود ہدف مر آں را

ترجمہ: جو کمان سے مارے تو تیر تو مریخ نشانہ ہو اس کا۔

بتاؤ اس بیت میں جو مہِ نو سے کمان مراد لی گئی ہے، یہاں کوئی قرینہ بھی پایا جاتا ہے؟ کہ ماہ تو اپنے حقیقی معنوں میں مستعمل نہیں ہوا۔

۱۵۔ رواں را بشمشاد پویندہ رنج خرد را بمرجان گویندہ گنج

ترجمہ: جان کو ساتھ سرِوِ خراماں کے دکھ دینے والا۔ عقل کو لب گویا سے خزانہ بخشنے والا۔

بتاؤ یہاں شمشاد سے قامت ممدوح اور مرجان سے لب ممدوح مراد لینا کون سے قرینے سے جائز ہوا؟

۱۶۔ بتاؤ مجاز مرسل کس کو کہتے ہیں؟

۱۷۔ بتاؤ مجاز مرسل اور استعارہ میں کیا فرق ہے؟

۱۸۔ بتاؤ مجاز مرسل میں کون کون سے علاقے ہیں جو فصحا کے کلام میں پائے جاتے ہیں اور جن کا ذکر اس کتاب میں کیا گیا؟

۱۹۔ بتاؤ مجاز اور کنایہ میں کیا فرق ہے؟

۲۰۔ نسخۂ سحر سامری کاغذ توتیا شود   گر بکرشمہ سرد ہی نرگس سرمہ سای را

ترجمہ: سامری کی جادو کی کتاب کاغذ باطل ہو جائے اگر کرشمہ ساز کرے تو چشم سرمہ گیں کو۔

بتاؤ اس بیت میں کاغذ توتیا مجاز واقع ہوا ہے یا کنایہ؟

۲۱۔ بزرگی بایدت دل در سخا بند   سرِ کیسہ ببرگ گندنا بند

ترجمہ: بزرگی چاہیے تجھ کو تو سخاوت اختیار کر۔ تھیلی کا منہ گندنا کے پتے سے کہ بہت کمزور چیز ہے، باندھ۔ بتاؤ اس بیت میں کنایہ کی کون سی قسم ہے؟

۲۲۔ نکو گفت دانا کہ دختر مباد   چو باشد بجز خاکش افسر مباد

ترجمہ: خوب کہا ہے حکیم نے کہ کسی کے ہاں لڑکی نہ ہو، اور جو ہو تو سوا خاک کے اس کا چھتر نہ ہو۔

بتاؤ یہاں کنایہ کون سا لفظ واقع ہوا ہے؟

پانچواں حصہ

علمِ بدیع کے بیان میں

مقدّمہ

علمِ بدیع: جس علم سے معنوی اور لفظی صنعتوں کی حقیقت معلوم ہو۔
صنعت: کلام میں فصاحت و بلاغت کے سوا کوئی ایسا التزام کرنا جس سے کلام کی خوبی زیادہ ہو جائے۔
صنعتِ معنوی: جو التزام معانی میں کیا جائے۔
تضاد: ایک معنی کا دوسرے معنی کی ضد ہونا۔
مراعاۃ النظیر: کلام میں ایک سی چیزیں ذکر کرنی۔
عکس: دو لفظوں کو دو بار دو ترتیبوں کے ذکر کرنا۔
رجوع: کچھ کہہ کر اس سے پھر جانا۔
توریہ: ایسا لفظ ذکر کرنا جس کے دو معنی ہوں اور دونوں لگتے ہیں۔
لف ونشر: کئی لفظ لپٹواں بول کر پھر ایک ایک کو کھولنا۔
مرتب: جس کلام میں پہلا پہلے اور پچھلا پیچھے ذکر کیا جائے۔
جمع: کئی چیزوں پر ایک حکم لگانا۔
تفریق: ہر ایک چیز کا تفاوت بیان کرنا۔

تقسیم: چند چیزوں کو چند چیزوں پر بانٹنا۔

مبالغہ: بات کو حد سے زیادہ بڑھانا یا گھٹانا۔

تبلیغ: بات کو وہاں تک بڑھانا جہاں تک خلاف عقل و عادت نہ ہو۔

اغراق: دعویٰ خلافِ عادت کرنا۔

غلو: دعویٰ خلافِ عقل و عادت کرنا۔

مذہبِ کلامی: کلام میں دعویٰ دلیل کے ساتھ پیش کرنا۔

حسنِ تعلیل: کسی مناسبت سے ایک شے کو کسی شے کی علت ٹھہرا دینا۔

استتباع: ایسی مدح کرنی جس سے ایک اور مدح نکل آئے۔

محتمل الضدین: ایسا کلام کرنا جس کے دو پہلو ہوں۔

تجاہلِ عارف: جان بوجھ کر انجان بننا۔

اعتراض: کلام کے بیچ میں جملہ معترضہ لانا۔

صنعتِ لفظی: جو التزام لفظوں میں کیا جائے۔

تجنیس: کلام میں ملتے جلتے لفظ لانے۔

قلب: کلام میں ایسے لفظ لانے کہ ایک کو الٹو تو دوسرا پیدا ہو جائے۔

ردّ العجز علی الصدر: عجز کو صدر پر الٹ مارنا۔

صدر: بیت کے پہلے مصرع کا پہلا جزو۔

عجز: دوسرے مصرع کا پچھلا جزو۔

رقطاء: جن لفظوں میں ایک حرف پر نقطہ ہو اور ایک پر نہ ہو۔

خیفاء: جس کلام میں ایک کلمہ منقوطہ ہو اور ایک غیر منقوطہ۔

ترصیع: پچھلے جملے میں پہلے جملے کے مقابل اور ہموزن کلمے لانے۔

تلوّن: ایک بیت میں کئی بحریں رکھنی۔

سیاق الاعداد: کلام میں اسمائے عدد کو ایک لطف کے ساتھ لانا۔

تنسیقِ صفات: ایک چیز کی کئی صفتیں برابر ذکر کرنی۔

تنبیہ:

علم بدیع اُس علم کو کہتے ہیں جس سے یہ بات معلوم ہو کہ کلام میں بعد رعایت فصاحت و بلاغت کے کن کن باتوں سے حسن و خوبی زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ کلام فصیح و بلیغ میں علم بدیع کی رعایت کرنی واجب نہیں۔ اگر کی جائے تو بہتر ہے اور نہ کی جائے تو کلام کی قدر و قیمت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ علمِ بدیع میں بہت سی صنعتیں لفظی ہیں اور بہت سی معنوی، لہٰذا اس حصے کے دو باب ٹھہرائے گئے۔

پہلا باب

صنایع معنوی کے بیان میں

تضاد:

صنعتِ تضاد کی حقیقت یہ ہے کہ دو لفظ جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں، کلام میں ذکر کیے جائیں۔ پھر خواہ وہ دونوں لفظ اسم ہوں، خواہ دونوں فعل، خواہ دونوں حرف، خواہ ایک اسم ایک فعل۔ پس اس اعتبار سے تضاد کی چار قسمیں ہوئیں:

پہلی قسم کی مثال: انوری

بخشش را مزاج سحر حلال   درگہش را خواص بیت حرام

دیکھو یہاں حلال اور حرام ایسے دو لفظ ہیں جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں لفظ اسم واقع ہوئے ہیں۔

دوسری قسم کی مثال: بابا فغانی

نمی شود مژہ ام گرم زاں سحر کہ بناز   کشاد نرگسِ مخمور و بست خواب مرا

دیکھو یہاں کشاد اور بست دونوں ایسے لفظ ہیں جن کے معنی متضاد ہیں اور دونوں لفظ فعل واقع ہوئے ہیں۔

تیسری قسم کی مثال: شمس الدین فقیر

مالِ دنیا میشود وزر و وبالِ صاحبش   آنچہ از خود می شماری بر تو باشد ہوشدار

ترجمہ: مال دنیا کا اپنے مالک کے حق میں شامت و وبال ہو جاتا ہے۔ جو چیز تو اپنے فائدے کی سمجھتا ہے وہ تیرے حق میں زیاں ہے، ہوشیار ہو!

دیکھو یہاں 'از' اور 'بر' ایسے دو لفظ ہیں جن کے معنی میں تضاد ہے۔ کیونکہ 'از' نفع کے لیے آتا ہے اور 'بر' نقصان کے لیے اور دونوں لفظ حرف واقع ہوئے ہیں۔

چوتھی قسم کی مثال: میلی

مُردم و بر زندگانم رحم می آید کہ تو   خو بہ آں بیداد ہا داری کہ با ما کردۂ

دیکھو یہاں مُردم اور زندگانی ایسے دو لفظ ہیں جن کے معنی میں تضاد ہے اور ایک ان میں سے فعل ہے اور دوسرا اسم۔

تضاد کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ دو سے زیادہ الفاظ متضاد ایک کلام میں واقع ہوں۔ مثلاً عناصرِ اربعہ یعنی آگ اور ہوا اور پانی اور مٹی کو ایک جگہ جمع کر دیں، سو یہ بھی تضاد میں داخل ہے۔ مثلاً: انوری

اے باد خاک مرکب گردوں شتاب تو   آتش بخار چشمۂ تیغ چو آب تو

تضاد کی ایک یہ بھی صورت ہے کہ ایک کلام میں امر و نہی یا اثبات و نفی واقع ہو۔

مثال: کمال اسماعیل

پشتِ من بشکن و پیماں مشکن   خون من میخور و زنہار مخور

('زنہار خوردن'، بدعہدی کو کہتے ہیں)

دیکھو یہاں بشکن اور میخور بکسر میم صیغۂ امر، مشکن اور مخور صیغۂ نہی واقع ہوئے ہیں۔

تضاد کی ایک یہ بھی قسم ہے کہ اول چند لفظ جن میں تضاد نہ ہو ذکر کریں اور پھر اسی قدر ایسے الفاظ جو الفاظِ مذکورہ کی ضد ہوں، اسی ترتیب سے وارد کریں۔ اور اس کو صنعتِ مقابلہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے: امیر معزی

ولی در خط فرمانش عزیز از طالع فرخ   عدو در بند زندانش ذلیل از اختر واژوں

دیکھو یہاں اول ولی اور عزیز اور طالع فرخ یہ تین لفظ ایسے ذکر کیے جن میں باہم تضاد نہیں۔ پھر دوسرے مصرع میں ولی کے مقابل عدو اور عزیز کے مقابل ذلیل اور طالع فرخ کے مقابل اختر واژوں ذکر کیا۔

مراعاۃ النظیر :

اس صنعت کو تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں چند باتیں ایسی جمع کریں جو آپس میں کسی طرح کی نسبت سوائے نسبت تضاد کے رکھتی ہوں۔ جیسے: انوری

ساقیا ! خیز کہ گل رشک رخ حورا شد بوستاں جنت و مے کوثر و طوبیٰ است چنار

دیکھو یہاں حورا اور جنت اور کوثر اور طوبیٰ چار لفظ ایسے ذکر کیے گئے ہیں جو باہم تناسب رکھتے ہیں اور ان میں نسبتِ تضاد نہیں۔

عکس :

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ اول دو لفظ ذکر کریں، پھر انھی دو لفظوں کی تکرار کریں، مگر دوسری ترتیب پہلی ترتیب کا عکس ہو۔ یعنی جو لفظ پہلی بار اول ذکر کیا گیا ہے دوسری بار پیچھے ذکر کیا جائے۔ اور جو لفظ پہلی بار پیچھے ذکر کیا گیا ہے؛ دوسری بار پہلے ذکر کیا جائے۔ جیسے: سلمان

از بسکہ شکستہ باز بستم توبہ فریاد ہمی کند ز دستم توبہ

دیروز بہ توبہ شکستہ ساغر امروز بہ ساغری شکستم توبہ

دیکھو یہاں پچھلے دونوں مصرعوں میں لفظ شکستم و ساغر دو بار ذکر کیا گیا ہے مگر دوسری ترتیب پہلی ترتیب کا عکس ہے۔

رجوع :

اس صنعت کی تعریف یہ ہے کہ اول ایک بات کہہ کر پھر اس سے کسی غرض کے لیے پھر جائیں۔ جیسے: انوری

آسمانی نے کہ ثابت رای نبود آسماں آفتابی نے کہ زائد نور نبود آفتاب

دیکھو یہاں اول ممدوح کو کہتا ہے کہ تو آسمان ہے، پھر کہتا ہے نہیں۔ کیونکہ آسمان کی رائے کو ثبات و قرار نہیں۔ پھر دوسرے مصرع میں اول ممدوح کو کہتا ہے کہ تو آفتاب ہے۔ پھر آپ ہی اس سے رجوع کرتا ہے کہ نہیں کیونکہ آفتاب کا نور روز افزوں نہیں۔ مقصود اس رجوع

سے ممدوح کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے۔

توریہ:

حقیقت اس کی یہ ہے کہ کلام میں ایسا لفظ لائیں جس کے دو معنی ہوں اور دونوں وہاں لگتے ہوں۔ جیسے: مولوی جامی

جاں بخشد از لب کشتہ را وانگہ بخون فرماں دہد   خون خواری آن شوخ بیں کز بہر کشتن جان دہد

یہاں ''از بہر کشتن جاں دہد'' کے دو معنی ہیں؛ ایک یہ کہ مارنے کے لیے زندہ کرتا ہے دوسرے یہ کہ خون کرنے پر جان دیتا ہے، یعنی قتل کرنے کا بڑا شایق ہے۔

استخدام:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ اول ایک لفظ لائیں جس کے دو معنی ہوں اور مراد ایک معنی رکھیں۔ پھر اسی لفظ کی طرف ضمیر پھیریں اور مرجع ضمیر دوسرے معنی کو ٹھہرائیں۔ جیسے: شمس الدین فقیر

تا بزمِ خویش مارا دادہ است آں سرو بار   از نہالِ قامتش آنرا شدیم امیدوار

یہاں لفظ 'بار' جو پہلے مصرع میں آیا ہے اس کے دو معنی ہیں اذن اور ثمر۔ سو پہلے مصرع میں پہلے معنی مراد ہیں اور دوسرے مصرع میں جو ضمیر لفظ 'بار' کی طرف پھرتی ہے، وہ دوسرے معنی کے اعتبار سے پھرتی ہے۔

لف ونشر:

اس صنعت کی تعریف یہ ہے کہ اول چند چیزیں ذکر کریں، پھر اسی قدر ان چیزوں کے متعلقات ذہنِ سامع کے اعتماد پر بلاتعین ذکر کریں۔ ان میں سے پہلی ترتیب کو 'لف' اور دوسری کو 'نشر' کہتے ہیں، اور اس کی دو قسمیں ہیں؛ لف ونشر مرتب اور لف ونشر غیر مرتب۔ لف ونشر مرتب کی مثال:

چوں جود و جلال و ہنر و طبع و کف او   ابر و فلک و اختر و دریا و مطر نیست

دیکھو یہاں اول پہلے مصرع میں پانچ چیزیں ذکر کیں۔ یعنی ممدوح کا جود اور جلال اور

ہنر اور طبع اور کف۔ پھر اسی ترتیب سے پانچوں چیزوں کے متعلقات بیان کیے۔ یعنی جود کا متعلق ابر اور جلال کا متعلق فلک اور ہنر کا متعلق اختر اور طبع کا متعلق دریا اور کف کا متعلق مطر۔ اور تعلق ہر ایک کا نہیں بتایا۔ اس اعتماد پر کہ سامع ہر چیز کو ان کے متعلق کے ساتھ لگا لے گا۔ لف ونشر مرتب کی عمدہ ترقسم یہ ہے کہ ایک جگہ کئی لف ونشر اس طور پر ذکر کریں کہ ہر نشر دوسرے نشر کا لف ہو لیکن نظم میں یہ صنعت برتنی نہایت دشوار ہے۔ جیسے: فردوسی

بروزِ نبرد آں یلِ ارجمند　　بشمشیر و خنجر بہ گرز و کمند
برید و درید و شکست و بہ بست　　یلاں را سر و سینہ و پا و دست

دیکھو اس قطعے میں دو لف ونشر ہیں۔ پہلے بیت کے دوسرے مصرع میں چار چیزیں بطور لف کے جمع کی گئیں۔ پھر دوسرے بیت کے پہلے مصرع میں ان چاروں چیزوں کی صفات ذکر کی گئیں۔ پھر اسی بیت کے دوسرے مصرع میں ان صفات کے متعلقات بیان کیے گئے اور تینوں مصرعوں میں ترتیب کی رعایت ملحوظ رہی۔ پس دوسرے مصرع میں فقط لف ہے اور تیسرے مصرع میں دوسرے مصرع کا نشر ہے اور چوتھے مصرع کا لف اور چوتھے مصرع میں فقط تیسرے مصرع کا نشر ہے۔

لف ونشر غیر مرتب کی مثال: بابا فغانی

دل را فراغ می دہد و دیدہ را فروغ　　دیدار آفتاب وشان و شراب صبح

دیکھو یہاں پہلے مصرع میں فراغ دل کا ذکر پہلے ہے اور فروغ دیدہ کا ذکر پیچھے اور دوسرے مصرع میں فراغ دل کا متعلق یعنی شراب صبح پیچھے ذکر کیا گیا اور فروغِ دیدہ کا متعلق یعنی دیدارِ آفتاب وشاں پہلے ذکر کیا گیا۔

لف ونشر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ لف میں اجمال ہو اور نشر میں تفصیل۔ یعنی لف میں ایک ایسا لفظ بولیں جس کے متعلق کئی چیزیں ہو سکتی ہوں۔ جیسے: مختاری

سرِ بریدۂ دو نوک خامۂ او　　خیر و شر است درد و درماں است

دیکھو یہاں پہلے مصرع میں لفظ 'دو نوک' ایک ایسا کلمہ ہے جس کے متعلق دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ پس 'دو نوک خامۂ او' لف ہے اور خیر و شر پہلا نشر اور 'درد و درماں' دوسرا نشر ہے یعنی ممدوح کے قلم کی ایک نوک میں خیر اور درماں ہے اور ایک نوک میں شر اور درد ہے۔

جمع:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ چند چیزوں پر ایک حکم لگایا جائے جیسے: نظامی

نشاید یافتن در ہیچ برزن وفا در اسپ و در شمشیر و در زن

دیکھو یہاں اسپ اور شمشیر اور عورت پر ایک حکم لگایا گیا ہے، یعنی بے وفائی۔

تفریق:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ دو چیزیں جو کسی صفت میں متحد ہوں، کسی غرض کے لیے ان کا تفاوت بیان کریں۔ جیسے: حافظ

دستِ ترا بہ ابر کہ یارد شبیہ کرد کیں بدرہ بدرہ میدہد و قطرہ قطرہ آں

ترجمہ: تیری بات کو ابر سے کون تشبیہ دے سکتا ہے، کیونکہ یہ یعنی ہاتھ تیرا ہمیانی پر ہمیانی دیتا ہے اور وہ یعنی ابر قطرہ قطرہ دیتا ہے۔

دیکھو یہاں دستِ ممدوح اور ابر دونوں صفت ایثار و عطا میں متحد ہیں۔ شاعر نے ان کا تفاوت بیان کر دیا اور مقصود اس سے ممدوح کی بڑائی کرنی ہے۔

تقسیم:

اس صنعت کی ماہیت یہ ہے کہ اول کئی چیزیں یا ایک چیز جس کے کئی جز ہوں، ذکر کریں۔ پھر اسی ترتیب سے ان کے متعلقات کو بیان کریں۔ اس صنعت میں اور صنعت لف ونشر میں اتنا فرق ہے کہ لف ونشر میں یہ بات نہیں بتائی جاتی کہ یہ چیز فلانی چیز کے ساتھ متعلق ہے اور یہ فلانی کے ساتھ، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، بخلاف صنعت تقسیم کے کہ یہاں تعلق ہر چیز کا بتایا جاتا ہے۔ جیسے: خاقانی

دستی کہ گرفتی سر آں زلف چو شست پائے کہ رہ وصل نوشتی پیوست

زاں دست کنوں در گل غم دارم پای زاں پائے کنوں برسر دل دارم دست

ترجمہ: جو ہاتھ کہ ہمیشہ پکڑتا تھا اس زلف کو شست تیر کی طرح اور جو پاؤں کہ وصل کی راہ طے کرتا تھا ہمیشہ، اب اس بات کی بدولت غم کی دلدل میں پاؤں رکھتا ہوں اور اس پاؤں کی

بدولت دل پر ہاتھ رکھتا ہوں۔

دیکھو یہاں اول اپنے ہاتھ اور پاؤں کا وصل دوست سے بہرہ مند ہونا ذکر کیا۔ پھر ہر ایک کا نتیجہ جدا جدا بیان کر دیا۔ یا جیسے: عبدالواسع جیلی

بنانِ اوست در بخشش سنان اوست در کوشش   لقائے اوست در مجلس لوائے اوست در میداں
یکی ارزاق را باسط دوم ارواح را قابض   سعادت را سوم مایہ چہارم فتح را برہاں

ترجمہ: انگلیاں ممدوح کی بخشش میں اور نیزہ اس کا کوشش میں اور صورت اس کی مجلس میں اور جھنڈا اس کا میدان میں؛ ایک رزق کی پھیلانے والی ہیں اور دوسرا روحیں قبض کرنے والا، تیسری سعادت کی پونجی ہے اور چوتھا فتح کی دلیل ہے۔

دیکھو پہلے دو مصرعوں میں چار چیزیں ذکر کیں اور پھر ایک ایک کا خواص جدا جدا یعنی پہلی اور دوسری اور تیسری اور چوتھی کہہ کر بتا دیا۔

ضمیمہ:

یہ تینوں صنعتیں یعنی جمع اور تفریق اور تقسیم جو اوپر ذکر کی گئیں، کبھی دو دو اور کبھی تینوں ایک جگہ اکٹھی بھی ہو جاتی ہیں۔

جمع وتفریق کی مثال: فقیر

من و تو ہر دو مائلیم اے شیخ !   تو بہ محراب و من بہ ابروئے یار

پہلے مصرع میں شیخ سے کہتا ہے کہ میرا اور تیرا حال مائل ہونے میں برابر ہے۔ پھر دوسرے مصرع میں تفریق کرتا ہے کہ تو محراب پر مائل ہے اور میں ابروئے یار پر۔

جمع وتقسیم کی مثال: اہلی شیرازی

بے تو چو شمع کردہ ام خندہ و گریہ کار خود   خندہ بروز دل کنم گریہ بروز کار خود

اول پہلے مصرع میں خندہ و گریہ کو ایک حکم میں جمع کیا۔ پھر دوسرے مصرع میں دونوں کا محل جدا جدا بتا دیا۔

جمع وتفریق وتقسیم کی مثال: خاقانی

مجلس دو آتش دادہ بر ایں از حجر وآں از شجر   ایں کردہ منقل را مقر واں جام را جاداشتہ

ترجمہ: مجلس نے دو آتشیں ظاہر کیں۔ ایک وہ جو پتھر سے نکلی، یعنی سچ مچ کی آگ، اور دوسری وہ جو درخت سے نکلی، یعنی شراب۔ اس ایک نے اپنا ٹھکانہ انگیٹھی میں کیا اور اس دوسری نے اپنی جگہ جام کو ٹھہرایا۔

مبالغہ:

یعنی کسی چیز کو حد سے زیادہ بڑھانا یا حد سے زیادہ گھٹانا۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں؛ تبلیغ اور اغراق اور غلو۔

تبلیغ: اُس ادعا کا نام ہے جو عقل کی رو سے بھی ممکن ہو اور عادت کی رو سے بھی۔ اگر چہ وہ ادعا جس چیز کے حکم میں کیا گیا ہے، اس میں بالفعل نہ پایا جائے۔

اغراق: اُس کو کہتے ہیں جو عقل کے نزدیک ممکن اور عادت کی رو سے محال ہو۔

غلو: اُس ادعا کو کہتے ہیں جو عقل کے نزدیک بھی محال ہو اور عادت کی رو سے بھی محال۔

تبلیغ کی مثال، اسدی:

چناں دارم ایں راز را روز و شب   کہ با جاں بود گر بر آید ز لب

دیکھو یہاں اس بات کا ادعا ہے کہ میں نے رازِ مخصوص کو ایسا ضبط کیا ہے کہ ہرگز لب سے باہر نہیں نکلتا اور اگر نکلے گا تو جان ہی کے ساتھ نکلے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ ادعا اگر چہ اس قائل کی نسبت صحیح نہ ہو مگر کسی بات کو تمام عمر زبان پر نہ لانا محال نہیں۔ نہ عقلاً نہ عادۃً۔

اغراق کی مثال، عرفی:

ما را بکام خویش بدید و دلش بسوخت   دشمن کہ ہیچ گاہ مبادا بکام ما

دیکھو یہاں دعویٰ کرتا ہے کہ میں یہاں تک دشمن کام (جس شخص کا حال بد دشمن کے خاطر خواہ ہو) ہوا ہوں کہ دشمن کو بھی میرے حال پر رحم آتا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ دشمن کو رحم آنا اگر چہ عقلاً محال نہیں مگر عادت کے خلاف ہے۔

غلو کی مثال، مختاری:

[illegible]

یہاں گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے کہ اس کی رفتار یہاں تک سبک ہے کہ سوتے کی چشم پر سے گزر جائے تو وہ بیدار نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے اور عادت کے بھی خلاف۔

مذہبِ کلامی:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں دعوے کے ساتھ دلیل و برہان بطریق اہل کلام ذکر کی جائے، اگرچہ دلیل کا کوئی مقدمہ محض فرضی ہو، جیسے عرفی:

کجا بحسن شود با تو ہم‌عناں نرگس　　تو چشمِ عالمی و چشمِ بوستاں نرگس

دیکھو یہاں دعویٰ یہ ہے کہ نرگس حسن میں تیری برابری نہیں کر سکتی، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ تو سارے جہان کی آنکھ ہے اور نرگس ایک باغ ہی کی آنکھ ہے۔ جہان کی آنکھ سے باغ کی آنکھ کو کیا نسبت؟ مگر یہاں دلیل کا ایک مقدمہ محض فرضی ہے، یعنی معشوق کو چشم عالم ٹھہرانا۔ مگر اس مقدمے کو مان لیجیے تو دعویٰ بے شک ثابت ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حُسنِ تعلیل:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی مناسبت سے ایک شے کو دوسری شے کی علت ٹھہرائیں اور حقیقت میں وہ شے اس کی علت نہ ہو، جیسے امیر معزی:

آں زلفِ مشکبار براں روئے چوں نگار　　گر کوتہ است کوتہی از وے عجب مدار
شب در بہار میل کند سوئے کوتہی　　آں زلف چوں شب آمد و آں روئے چوں بہار

دیکھوں یہاں کوتاہی زلف معشوق کی علت یہ بیان کی کہ اس کی زلف گویا رات ہے اور اس کا چہرہ گویا بہار اور رات بہار کے موسم میں چھوٹی ہو جاتی ہے حالانکہ واقعے میں کوتاہی زلف کی یہ علت نہیں۔

استتباع:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کی مدح ایسے طور پر کریں کہ مدح میں سے ایک اور مدح پیدا ہو جائے، جیسے انوری:

اے ز یزداں تا ابد ملک سلیماں یافتہ   ہر چہ جستہ جز نظیر از فضل یزداں یافتہ

اس بیت میں اصل مقصود ممدوح کے اقبال کا بیان ہے مگر دوسرے مصرع میں جز 'نظیر' کے لفظ نے ایک اور صفت کی طرف اشارہ کر دیا۔ یعنی یہ ممدوح باوجود اقبال کے یکتائے روزگار بھی ہے۔

توجیہ:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لائیں جن سے دو معنی متضاد نکل سکیں اور اس صفت کو محتمل الضدین بھی کہتے ہیں، جیسے مختاری:

زہر محض است عیش شیرینم   خون صرف است بادۂ نابم

یہاں 'زہر محض' اور 'خون صرف' کو مبتدا اور 'عیش شیریں' اور 'بادۂ ناب' کو خبر ٹھہرائیں تو اور معنی پیدا ہوتے ہیں اور 'عیش شیریں' اور 'بادۂ ناب' کو مبتدائے موخر اور 'زہر محض' اور 'خون صرف' کو خبر مقدم قرار دیں تو اور معنی نکلتے ہیں۔

تجاہلِ عارف

جان بوجھ کر کسی غرض کے لیے انجان بننا اس کا نام تجاہلِ عارف ہے۔ جیسے، شاپور:

نمی دانم تو خواہی بود یا گردوں، ہمی دانم   کہ دامن گیر گردد خون من نامہربانی را

یہاں جان بوجھ کر انجان بنتا ہے کہ خدا جانے قیامت کو تیرا دامن پکڑوں گا یا آسمان کا، مگر اتنا جانتا ہوں کہ کسی نہ کسی بے رحم پر دعویٰ کروں گا۔ مقصود اس تجاہل سے بیدادِ معشوق کے بیان میں مبالغہ کرنا ہے۔

تعجب:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں کسی فائدے یا غرض کے لیے کسی چیز سے تعجب کریں۔ جیسے، میر صیدی:

عجب دارم از طالعِ ساغرِ خود   کہ در ساختن نیز گردیدہ باشد

یعنی ہمارا جام دورِ شراب سے یہاں تک بے بہرہ ہے کہ مجھ کو تعجب آتا ہے کہ جب

کمہار نے اس کو بنایا تھا اس وقت کیونکر پھرا ہوگا۔

اعتراض:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام کے تمام ہونے سے پہلے کوئی جملہ ایسا ذکر کریں جس کے بغیر مطلب تمام ہو سکے، اور اس کو حشو بھی کہتے ہیں۔ اور یہ بعض جگہ کلام کو نہایت بلند کر دیتا ہے۔ اور جو ایسا حشو ہو اس کو حشو ملیح کہتے ہیں، جیسے انوری:

گر بخندم وان پس از عمرے است گوید زہر خند ۔۔۔ ور بگریم واں بہر روزی است گوید خوں گری

دیکھو یہاں اصل مطلب صرف اس قدر ہے: ''گر بخندم گوید زہر خند ور بگریم گوید خون گری''۔ اور ''واں پس از عمری است'' پہلے مصرع میں اور ''واں بہر روزی است'' دوسرے مصرع میں حشو ہے اور اس حشو کے بڑھنے سے جو کلام میں لطف پیدا ہوا ہے، اس کو صاحب ذوق سلیم ہی خوب سمجھتا ہے۔

اور اس بیت میں حشو لانے سے مقصود اظہار بے رحمی معشوق ہے۔ کیونکہ اس قدر کم ہنسنے پر خوشی سے ہنسنے نہ دینا اور اس قدر بہت رونے پر لہو رونے کو امر کرنا کمال بے رحمی ہے۔

دوسرا باب

صنایعِ لفظی کے بیان میں

تجنیسِ تام:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں ایک لفظ کو دو جگہ یا کئی جگہ لائیں اور ہر جگہ معنی جدا ہوں، اور اس کی دو قسمیں ہیں؛ مفرد و مرکب۔

مفرد کی مثال: اعلیٰ

ساقی ازاں بادۂ منصور دم در رگ و در ریشۂ من صور دم

دیکھو یہاں پہلے مصرع میں 'دم' بمعنی سانس کے ہے اور دوسرے میں صیغہ امر ہے 'میدن' سے۔

مرکب کی مثال:

تُو ہُمائی و نیست ظلِ ہُما جز دو زلفِ تو دام ظلہما

ترجمہ: تو ہما ہے اور سایہ ہما کا کوئی اور چیز نہیں ہے تیری دونوں زلفوں کے سوا کہ ہمیشہ رہیو سایہ ان کا۔

دیکھو یہاں دونوں مصرعوں میں لفظ ظلِ ہُما جدا جدا آیا ہے اور دونوں جگہ یہ لفظ دو دو کلموں سے مرکب ہے!

تجنیسِ ناقص:

اس تجنیس کو کہتے ہیں کہ کلام میں دو یا کئی لفظ ایسے لائیں کہ ایک لفظ کے جملہ حروف

دوسرے لفظ میں پائے جائیں اور دوسرے لفظ میں کوئی حرف اس سے زیادہ بھی ہو، اول میں یا بیچ میں یا آخر میں، جیسے سلمان ساوجی:

با شکوہ کوہِ حلمت ابر گریاں بر جبال باوجودِ جودِ دستت برق خنداں بر سحاب

دیکھو یہاں لفظ شکوہ کے اول میں ایک حرف کوہ سے زیادہ ہے اور لفظ وجود کے اول میں ایک حرف جود سے زیادہ ہے، یا جیسے خاقانی:

صبح ز مشرق چو کرد بیرقِ نور آشکار خندہ زد اندر ہوا بیرق او برق وار

دیکھو یہاں لفظ بیرق (جھنڈا) کے بیچ میں ایک حرف برق سے زیادہ ہے۔ یا جیسے، طالب آملی:

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن آئینِ ما ست سینہ چو آئینہ داشتن

دیکھو یہاں لفظ آئینہ کے آخر میں ایک حرف آئین سے زیادہ ہے۔

ان قسموں کے سوا تجنیس کی اور بہت سی قسمیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لانے جو صورت میں یا تلفظ میں باہم تھوڑی یا بہت مناسبت اور معنی میں مغایرت رکھتے ہوں۔ اس کا نام تجنیس ہے اور ایسے الفاظ کا کلام میں لانا خالی از لطف نہیں ہوتا۔ جیسے چنگ اور جنگ اور دیار اور دیّار اور ساقی اور شافی اور طرہات اور ترہات اور عرش اور فرش اور تار اور عار اور ترت اور مرت۔

قلب:

اس صنعت کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لائیں کہ ایک لفظ کا الٹا دوسرے کا سیدھا ہو۔ جیسے فقیر:

مرد حق را درم زرہ نبرد رام او را نمی گزد ایں مار

دیکھو یہاں دوسرے مصرع میں 'رام' اور 'مار' ایسے دو لفظ ہیں کہ ایک کے الٹنے سے دوسرا لفظ پیدا ہو جاتا ہے۔

جن دو لفظوں میں یہ نسبت پوری پوری نہ پائی جائے مگر حرف ان کے اکثر ملتے جلتے ہوں، ان کا برتنا بھی اسی صنعت میں داخل ہے۔ جیسے لفظ محروم اور مرحوم اور کنف اور کفن وغیرہ۔

ردالعجز علی الصدر:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ جو لفظ بیت کے پہلے مصرع میں واقع ہو اس کو دوسرے مصرع میں پھر لائیں، خواہ بعینہٖ وہی لفظ ہو، خواہ اس لفظ سے ملتا ہوا دوسرا لفظ ہو۔ اس صنعت کا یہ نام اس لیے رکھا گیا کہ فنِ عروض میں پہلے مصرع کے جزو اول کو صدر اور دوسرے مصرع کے جزو اخیر کو عجز بفتح عین وسکون جیم کہتے ہیں۔ سو اس مناسبت سے اس صنعت کو ردالعجز علی الصدر کہنے لگے۔ جیسے عنصری:

یگانہ زمانہ شدستی و لیکن نہ شد ہیچ کس را زمانہ یگانہ

یگانہ اول بمعنی یکتا ہے اور یگانہ دویم بمعنی دوست ہے۔ یا جیسے خسرو:

جاں سپر ساختہ ام ناوک مژگان ترا تا ہمہ خلق بداند کہ من جاں سپرم

یہاں پہلا سپر ڈھال کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں جان سپر فاعل ترکیبی ہے یعنی جان سونپنے والا۔

صنعتِ منقوط:

یہ وہ صنعت ہے کہ نظم یا نثر میں ایسے الفاظ لائیں جن میں ہر حرف نقطہ دار ہو، جیسے:

بخشش فیض بینی ز جشن جنبش غیظ تینی زین جشن

دیکھو اس بیت میں کوئی حرف ایسا نہیں جس پر نقطہ نہ ہو۔

غیر منقوط:

یہ صنعت، صنعتِ منقوط کا عکس ہے۔ یعنی اس میں ایسے الفاظ لائے جاتے ہیں جن میں کوئی حرف نقطہ دار نہ ہو۔ جیسے: فقیر

کحل مردم گرد راہ دلدل رہوار او مہر و مہ را مردمک ہموارہ دارد سرمہ سا

دیکھو یہاں کوئی حرف نقطہ دار نہیں۔

رقطاء:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جن میں برابر ایک حرف

نقطہ دار اور ایک حرف بے نقطہ چلا جائے۔ جیسے:

زلفِ سیہ تو جان من وزدیدے اے وزد ندیدیم چو تو جاں وزدے

دیکھو اس بیت میں اول سے آخر تک ایک حرف نقطہ دار ہے اور ایک بے نقطہ (رقطاء لغت میں چتلی مرغی کو کہتے ہیں۔ اس صنعت کو بھی اسی مناسب سے رقطاء کہنے لگے)۔

صنعتِ خیفاء:

اس صنعت کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں ایک کلمہ نقطہ دار ہو اور ایک تمام بے نقطہ جیسے:

علم بینش دہد بہ بیں دل را روح جنبش دہد بہ بیں گل را

دیکھو اس بیت میں لفظ 'علم' اور 'دہد' اور 'دل را' اور 'روح' اور دوسرا 'دہد' اور 'گل را' کلمات غیر منقوط ہیں اور باقی منقوط (خیفاء لغت میں اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ سفید اور دوسری سیاہ ہو۔ اسی مناسبت سے اس صنعت کو بھی خیفاء کہتے ہیں)۔

مقطع الحروف:

اس کی یہ صورت ہے کہ کلام میں ایسے لفظ آئیں جن کے حرف کتابت میں مل نہ سکیں، جیسے جامی:

رخِ زرد دارم ز دوریٔ آں در زدہ داغ دردم درونِ دل آذر

مُوصل الحروف:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں ایسے لفظ لائیں کہ ایک بیت یا ایک مصرع یا ایک فقرے کے سب حرف ملا کر لکھ سکیں جیسے، جامی

بجنت نعیم مقیم محبت بہشت مخلّد نصیب مقر

دیکھو اس بیت کے تمام حرف ملا کر لکھ سکتے ہیں، اگر چہ سب کو ملا کر لکھنا رسمِ خط کے خلاف ہے۔

ترصیع:

یہ وہ صنعت ہے کہ نثر میں دو فقرے یا نظم میں دو مصرعے ایسے لائے جائیں۔ ایک کا ...

کلمہ دوسرے کے ہر ہر کلمے کے مقابل اور ہم وزن واقع ہو۔ جیسے: ابوالفرج

برزم و بزم قضا کوشش و قدر بخشش ‏ ‏ بعزم و جزم ہوا جنبش و زمین آرام

دیکھو یہاں برزم و بزم کے مقابل دوسرے مصرع میں بعزم و جزم اور قضا کوشش و قدر بخشش کے مقابل ہوا جنبش و زمین آرام واقع ہو رہے، اور وزن کہیں فوت نہیں ہوا۔ سوا اس کے کہ لفظ آرام میں میم بڑھ گیا ہے۔ سو اہل عروض جانتے ہیں کہ وزن بیت کا بدون میم کے بھی تمام ہو جاتا ہے۔ اور یاد رہے کہ وزن دو طرح کا ہوتا ہے؛ وزن صرفی اور وزن عروضی۔

وزن صرفی: اس کو کہتے ہیں کہ دو کلمے عدد حروف اور حرکات اور سکنات میں یکساں ہوں جیسے مرد اور درد اور زرد۔ یا رسد اور زند اور برد بخلاف وزن عروضی کے کہ اس میں دو کلموں کی حرکات کا یکساں ہونا شرط نہیں، مگر حرکت کے مقابل حرکت اور سکون کے مقابل سکون ہونا ضرور ہے۔ مثلاً 'عید' اور 'عاذ' اور 'عوذ' وزن عروضی کے اعتبار سے ہم وزن ہیں اور وزن صرفی کے اعتبار سے نہیں۔ بلکہ وزنِ صرفی کے اعتبار سے عید کا وزن 'دید' اور 'فیل' اور 'عاذ' کا وزن 'باذ' اور 'سال' اور 'عوذ' کا وزن 'سوذ' اور 'دوز' ہے۔ ترصیع میں اگر وزن کے ساتھ قافیے کی رعایت بھی ہر ہر کلمے میں ملحوظ رہے تو اس سے ترصیع کی خوبی بہت بڑھ جاتی ہے۔ جیسے، عبدالواسع

بے صحبتِ او دولتِ جمشید نخواہم ‏ ‏ بے صورتِ او طلعتِ خورشید نخواہم

دیکھو یہاں 'بے صحبتِ او' کے مقابل 'بے صورتِ او' اور 'دولتِ جمشید' کے مقابل 'طلعت خورشید' واقع ہوا ہے، اور ان لفظوں میں وزن و قافیہ دونوں کی رعایت موجود ہے۔ اور اگر تمام بیت میں سے ایک دو کلمے میں قافیے کی رعایت فوت ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ اس مرتبے کی خوبی نہ ہوگی۔ جیسے عبدالواسع:

آرائشِ آفاق شد رخسار بزم آرائے او ‏ ‏ آسائشِ عشاق شد دیدار روح افزائے او

دیکھو یہاں اور سب الفاظ میں وزن و قافیہ کی رعایت ملحوظ ہے، مگر ایک لفظ بزم کا مقابلہ لفظ روح کے ساتھ ایسا ہوا ہے کہ وزن عروضی ہے مگر قافیہ نہیں۔

ذوالقافیتین:

جس شعر میں دو قافیے واقع ہوں اس کو ذوقافیتین کہتے ہیں، جیسے:

نورِ علمش کشندۂ کوثر نارِ تیغش کشندۂ کافر

دیکھو یہاں کشندہ اور کشندہ اور کوثر اور کافر برابر کے دو دو قافیے واقع ہوئے ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تین تین قافیے ہر ہر مصرع میں لاتے ہیں، اس کو ذوقوافی کہتے ہیں۔ جیسے سنائی:

فیض او در ہوا سکینۂ روح فضل او در وفا سفینۂ نوحؑ

دیکھو یہاں دونوں مصرعوں میں تین تین قافیے واقع ہوئے ہیں۔ یعنی ہوا اور وفا اور سکینہ اور سفینہ اور روح اور نوح۔

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو قافیوں کے بیچ میں ردیف لے آتے ہیں اور اس کو ذوقافیتین مع الحاجب کہتے ہیں۔ جیسے، میر معزی، رباعی:

اے شاہ زمیں بر آسماں داری تخت ست است عدو تا تو کماں داری سخت

حملہ سبک آری و گراں داری لخت پیری تو بدانش و جواں داری بخت

دیکھو یہاں ہر ہر مصرع میں دو دو قافیے یعنی پہلے مصرع میں آسماں اور تخت اور دوسرے میں کماں اور سخت اور تیسرے میں گراں اور لخت اور چوتھے میں جواں اور بخت واقع ہوئے ہیں۔ اور ہر مصرع میں 'داری' ردیف دو دو قافیوں کے بیچ میں واقع ہوا ہے۔

متلوّن:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ نظم میں ایسے الفاظ جمع کیے جائیں جن سے وہ نظم دو یا کئی بحروں میں پڑھی جائے۔ جیسے اہلی شیرازی:

اے شدہ در خانۂ جاں منزلت خانۂ جاں یافتہ زاں منزلت

دیکھو یہ شعر دو بحروں میں پڑھا جاتا ہے ایک بحر ان میں سے سریع مطوی موقوف ہے، جس کے رکن ''مفتعلن مفتعلن فاعلان'' ہیں اور دوسری بحر رمل مسدس مقصور ہے جس کے رکن ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلان'' ہے۔

سیاق الاعداد:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کلام میں چند اعداد مرتب یا غیر مرتب ذکر کیے جائیں۔ جیسے،

خاقانی:

یک دو شد از سہ حرفش چار اصل و پنج شعبہ   شش روز و ہفت اختر ہٗ قصر و ہشت منظر

ترجمہ: ایک دو ہوا یعنی دو گنا ہوا اس کے تین حرفوں سے یعنی اس کے جاہ سے چار اصل یعنی عناصر اربعہ اور پانچ فرع یعنی حواس خمسہ اور چھ دن یعنی وہ چھ دن جن میں آفرینش عالم ہوئی، اور سات ستارے یعنی ماہ و عطارد و زہرہ و خورشید و مریخ و مشتری و زحل۔ اور نو آسمان اور آٹھ بہشت۔

دیکھو اس بیت میں ایک سے لے کر نو تک اعداد مذکور ہیں۔ اور سات تک مرتب ہیں، باقی غیر مرتب۔

تنسیق صفات:

اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی موصوف کے لیے چند صفات ایک جگہ متصل ذکر کریں۔

جیسے، امیر معزی:

پاک دنداں تیز تگ آہختہ گردن خورد گوش   سخت سُم محکم قوائم پہن پشت آگندہ یال

ترجمہ: گھوڑے کی تعریف میں کہتا ہے کہ دانت اس کے پاکیزہ، دوڑ اس کی تیز، گردن خمدار، کنوتیاں چھوٹی، سم سخت، ہاتھ پاؤں زبردست، پیٹھ چکلی، یال گنجان۔

تنبیہ:

یہاں تک چند صنعتیں لفظی اور معنوی جو اہل زبان کے ہاں اکثر برتی جاتی ہیں بیان کی گئیں۔ ان کے سوا اور بہت سی صنعتیں ہیں جن کی تفصیل کے لیے ایک جدا کتاب لکھنی پڑتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ نظم و نثر میں ان صنعتوں کا التزام کرنا کوئی ایسا امر ضروری نہیں جس کے بدون نظم و نثر میں کسی طرح کا نقصان رہ جائے۔ ہاں اگر معنی میں کسی طرح کا فتور نہیں آتا اور جو مطلب ادا کرنا منظور ہے، وہ ہاتھ سے نہیں جاتا تو کلام میں کسی صنعت کا پابند ہونا خالی از لطف نہ ہوگا۔ اور اگر نرا صنعت کا التزام ہو اور معنی کی رعایت ملحوظ نہ ہو تو اس کلام کو ایسا سمجھو جیسے کتے کے گلے میں موتیوں کی مالا یا گدھے پر طلائی جھول۔

خاتمہ

علمِ بدیع کے سوالات میں

۱۔ دلے دارم ہمیشہ ہمدم غمے دارم ہمیشہ ہمدم دل

بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے؟

۲۔ چو ماہ بود چو سرو و نہ ماہ بود نہ سرو قبا ندارد سرو و کمر نہ بندد ماہ

بتاؤ صنعت رجوع کس کو کہتے ہیں اور یہ صنعت اس میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟

۳۔ چو از زاغ کماں گردد وعقاب و تیر او پراں شود بوم وجود شوم دشمن جفت با عنقا

اس بیت میں شاعر نے ایسی چیزیں جمع کی ہیں جن میں ایک طرح کی نسبت ہے، سوائے نسبتِ تضاد کے۔ بتاؤ اہل بدیع کی اصطلاح میں اس صنعت کا کیا نام ہے؟

۴۔ در شان من و تو بسخا و سخن امروز ختم الامرائی شد و ختم الشعرائی

بتاؤ اس بیت میں لف ونشر کی کون سی قسم پائی جاتی ہے اور یہاں ایک لف ونشر ہے یا دو ہیں؟؟

۵۔ زیں چکد آب و زاں ببارد خوں مژۂ من کجا و ابر بہار کجا

بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے؟

۶۔ ہمی دولت و ملک و کلک و حسام بعزِ خداوند گیرد نظام

بتاؤ اس بیت میں صنعت تفریق ہے یا صنعت جمع یا صنعت تقسیم؟

۷۔ پیوستہ دشمنان تو زینگونہ مستمند یا کشتہ یا گریختہ یا بستہ در حصار

بتاؤ اس بیت میں فقط صنعت تقسیم ہے یا جمع وتفریق میں سے بھی کوئی صنعت پائی جاتی ہے؟

۸۔ تو و طوبٰی و ما و قامتِ یار فکرِ ہرکس بقدرِ ہمت اوست

بتاؤ اس بیت میں فقط تفریق ہے یا فقط جمع یا فقط تقسیم یا دو پہلی یا دو پچھلی یا تینوں؟

۹۔ حرص ثنا و عشق جمال مبارکت گر در فوائے نامیہ پیدا کند اثر
آں در زبان سوسن خامش نہد کلام ویں در طباق دیدۂ نرگس دہد بصر

بتاؤ اس قطعے میں کون کون سی صنعتیں ہیں؟

۱۰۔ داغیم ز گلشن کہ بہار است و بقا ہیچ شادیم بگلخن کہ خزان است و خزاں نیست
یعنی گلخن میں ہمیشہ خزاں رہتی ہے۔ خزاں کے سوا کوئی اور حالت نہیں۔ بتاؤ اس بیت میں تضاد کی کون سی قسم ہے؟

۱۱۔ مخالفانِ تو مردود چوں جوابِ خطا موافقانِ تو مقبول چوں سوالِ صواب
بتاؤ اس بیت میں صنعتِ لفظی ہے یا معنوی؟

۱۲۔ بہرام روز کوشش و ناہید روز بزم برجیس روز بخشش و خورشید روز بار
بتاؤ اس بیت میں جو صنعت ہے، اس میں اور تضاد میں کیا فرق ہے؟ اور اس صنعت کا کیا نام ہے؟

۱۳۔ اختیار من است خوبیِ او خوبیِ رفتارِ من نگرید
بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے۔

۱۴۔ رائے تو بود کشتنم کشتہ شدم برائے تو
بتاؤ اس مصرع کے کون سے لفظ میں صنعت توریہ ہے اور توریہ کی تعریف کیا ہے؟ اور توریہ صنائع لفظی میں سے ہے یا صنائع معنوی میں سے؟

۱۵۔ شد ہر دلم آساں ہمہ امروز بیکبار داد و ستد و نیک و بد و بیش و کم او
بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے؟

۱۶۔ خیال تیغ وے اندر میان پشت پدر عدوے دولت و دین را میان زند بدو نیم
یعنی اگر ممدوح کی تلوار کا خیال بھی گزرے، دولت و دین کا دشمن پشت پدر میں دو ٹکڑے ہو جائے۔

بتاؤ اس بیت میں مبالغے کی کون سی قسم ہے؟

۱۷۔ از تو نگزیرد کہ تو در قالبِ عالم جانی و یقین است کہ جان ناگزر آمد

یعنی تیرے بغیر کسی کا کام نہیں چل سکتا، کیونکہ تو قالبِ عالم میں جان ہے، اور جان سے کسی کو چارہ نہیں۔ بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے؟

۱۸۔ تا چشمِ تو ریخت خونِ عشاق زلفِ تو گرفت رنگِ ماتم

یہاں ماتمِ عشاق کو سیاہیٔ زلفِ معشوق کی علت ٹھہرایا ہے اور واقع میں اس کی علت نہیں۔ بتاؤ یہ کون سی صنعت کی صفت ہے؟

۱۹۔ با ہیچ کافر ایں ہمہ سختی نمی رود اے شب بمرگ من کہ تو فردائے کیستی؟

یعنی جو سختی آج مجھ پر گزر رہی ہے، یہ تو قیامت کے دن کافر پر نہ گذرے گی۔ اے شب فراق! تجھے میری مرگ کی قسم! سچ بتا کہ تو کس کے حشر کا دن ہے؟ یہ کون سی صنعت ہے؟

۲۰۔ اے عجب شمشیر خسرو از چہ سبزہ رنگ شد چوں ہمہ سالہ ز خون لعل می سازد خورش

یعنی تعجب ہے کہ ممدوح یعنی خسرو کی تلوار سال بھر خون سرخ پیتی ہے، پھر اس کا رنگ سبز کیوں ہوگیا (تلوار کا سبز رنگ ہونا کمال خوبی ہے)۔

بتاؤ اس بیت میں تعجب کرنے سے کیا غرض ہے اور اس صنعت کا نام تعجب ہے یا اور بھی کوئی نام ہے؟

۲۱۔ زدست چنگ نوازت شدم چوں نالاں عود ز زلف مشک فشانت شدم چو سوزاں عود

یہاں پہلے مصرع میں عود باجے کا نام ہے اور دوسرے مصرع میں عود سے مراد چوبِ معروف یعنی ''اگر'' ہے۔ بتاؤ اس بیت میں صنعت تجنیس کی کون سی قسم ہے؟

۲۲۔ مارا کہ کند مسلم آنجا کہ خورشید نمی شود مسلم

خرد است و شب است و افسانۂ یار ہر بار قدری گریہ و پس بر افسانہ رود

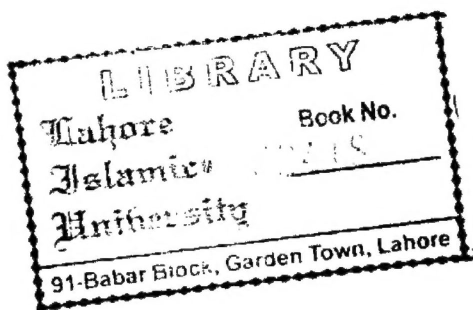
بتاؤ ان دونوں بیتوں میں ایک ہی صنعت ہے یا دونوں میں جدا جدا صنعتیں ہیں؟

۲۳۔ در عاشقی و دلبری اے دلبر شیریں من رنجہ چو فرہادم و تو طرفہ چو شیریں

یہاں پہلے مصرع میں شیریں کے معنی میٹھا اور دوسرے مصرع میں شیریں سے مراد معشوقۂ خسرو ہے۔ بتاؤ اس بیت میں کون سی صنعت ہے؟

۲۴۔ دل ہر دوجہاں سہ باد پیمود یک اہل دریں میاں ندید است

بتاؤ اس بیت میں سیاق الاعداد کی کون سی قسم ہے؟




مجلس ترقی ادب لاہور